پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادر و نایاب رسائل و کتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیرِ سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور.... دار العلوم کراچی
و دیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادر و نایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 97

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمد للہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریباً 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جا رہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

مرتب

قاری محمد اسحاق
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

مقالاتِ حکیم الامت ⑨⑦

تاریخ اشاعت.............ربیع الاوّل ۱۴۴۲ھ
ناشر..............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..............ساؤتھ پنجاب پرنٹنگ پریس، ملتان
بائنڈنگ..............اشرفیہ بک بائنڈنگ....ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات........انارکلی........لاہور	دارالاشاعت........اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید........اردو بازار......لاہور	قرآن محل......کمیٹی چوک......راولپنڈی
مکتبہ رحمانیہ........اُردو بازار .... لاہور	مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
اسلامی کتاب گھر......خیابانِ سرسید......راولپنڈی	مکتبہ اسلامیہ......امین پور بازار......فیصل آباد
اسلامک بک کمپنی......امین پور بازار......فیصل آباد	ممتاز کتب خانہ.....قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ	مکتبہ ماجدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ ...... بہادر آباد......کراچی	مکتبہ عمر فاروق......شاہ فیصل کالونی......کراچی
والی کتاب گھر...گوجرانوالہ...مکتبہ علمیہ...اکوڑہ خٹک	مکتبہ نعمانیہ...گوجرانوالہ...اسلامی کتاب گھر...ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

اِجمالی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم

صل علی محمد وعلی آل محمد

کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم

انک حمید مجید

اللھم

بارک علی محمد وعلی آل محمد

کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم

انک حمید مجید

مَقالاتِ حَکیمُ الامّت

9

اِصلاح معاشرہ پر مشتمل

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب ورسائل

اِصلاح الخیال

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منھا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے ناپائیدار شبہات اور نئی روشنی کی اندھی تقلید کرنے والوں کے بے بنیاد اعتراضات کے معقول جوابات درج ہیں۔ دوزخ، ملائکہ، جن، شیطان، پل صراط اور عذاب وغیرہ کا مدلل اور مفصل بیان تحریر ہے۔ اس سے عقائد اور خیالات کی اِصلاح بہت اچھی طرح ہو جاتی ہے۔

اِصلاح الخیال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

بعد الحمد والصلاۃ!.........واضح ہو کہ ایک شخص نے اپنے ایک عزیز کو درباب اتباع شریعت ودرستی اعمال ووضع کے نصیحت کے طور پر لکھا تھا، خیالات جدیدہ کے غلبے سے اس نصیحت میں کچھ شبہات واوہام اس عزیز کی طبیعت میں پیدا ہوئے جس کی اطلاع اس شخص کو کی گئی، اس شخص نے اس کے جواب لکھے، چوں کہ ایسے شبہات اکثر لوگوں کو پیدا ہوتے ہیں، اس لئے فائدۂ عامہ کے واسطے مصلحت معلوم ہوا کہ وہ شبہات اوران کے جوابات ایک جا جمع کر کے مجموعے کا نام "اصلاح الخیال" رکھ دیا جائے۔ اور ایک زمانے میں ایک شخص کامل نے ایک خط نصیحت آمیز بعض معززین متبع خیالات جدیدہ کو تحریر فرمایا تھا، جس کے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی تھی، اس کی نقل بعض لوگوں کے پاس تھی، اس کے مضامین بھی اس مجموعے کے مناسب تھے، اس لئے اس کا بھی الحاق کر دینا آخر میں مناسب معلوم ہوا۔ فقط

والسلام العبد الضعیف

محمد اشرف علی عفی عنہ

تقریر شبہات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریر شبہ اوّل

میرے خیال میں جس نگاہ سے شریعت اور اتباع شریعت کو ہندوستان میں علمائے دین دیکھتے ہیں وہ شرائط اسلام نہیں ہیں، زمانے کی رفتار نے اور اللہ کی مشیت نے ملک پر انگریزوں کو حکمران کر دیا، جس وقت مسلمانوں کی اوّل سلطنت قائم ہوئی تھی اس وقت کی تواریخ نکال کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ قبل از بعثت جو حالت مسلمانوں کی تھی اس سے بدتر حال دیگر اقوام کا تھا، مثلاً انگلستان میں مقدمات کی تحقیقات میں ثبوت جرم کے لئے گرم کھولتے ہوئے پانی میں مجرم کے ہاتھ ڈالے جاتے تھے، اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اگر اس کے ہاتھ نہ جلے تو وہ ضرور بے گناہ ہے، سزا میں یہ سزا دی جاتی تھی کہ زندہ آدمی کو جلا دیتے تھے، بہر صورت! موازنہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم عرب زمانے کی رفتار کے موافق کوئی پس ماندہ قوم نہ تھی، بلکہ اس زمانے کی مساوی قوموں کی یہی ابتر حالت میں اسلام نے ان کی اصلاح کی، ان کے اخلاق درست کئے، توحید سکھائی، اور یہ ایک نئی قوم عرصۂ روزگار میں برآمد ہوئی اور شمشیر بکف جس طرف نکل کھڑی ہوئی فتح ملکی ان کے آگے آگے ہوتی گئی، یہاں تک کہ براعظم ایشیا اور یورپ کے بڑے حصے کو فتح کر ڈالا، فتح و نصرت ملکی میں تائید من جانب اللہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اس لئے اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جس قوم میں صلاحیت اور اتباع احکام خداوندی پایا جاتا ہے اس پر اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

چنانچہ مسلمانوں نے فتح کر کے جو سلطنت عظیم قائم کی اس کی مثال تاریخ میں نہیں ہے، بعد زمانہ خلفائے راشدین کے باہم وہ نزاع شروع ہوئے، اور مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے وہ شرمناک واقعۂ کربلا سرزد ہوا جس کی وجہ سے قیامت تک مسلمانوں کو ندامت رہے گی، زوالِ سلطنت کے آثار شروع ہو گئے لیکن چوں کہ کوئی قوم سربرآوردہ اور تعلیم یافتہ صفحۂ ہستی پر موجود نہ تھی اس لئے مسلمانوں کو اس حصۂ ملک میں جہاں ان کی سلطنت قائم ہو چکی تھی امن نصیب رہا، فتوحات ملکی بند تھیں اور حدودِ سلطنت قائم ہو گئی۔ لیکن روز بروز آثارِ روایت ظاہر تھے، یعنی ملک میں امن قائم رکھنے اور دوسری قوموں کے حملوں سے بچنے کی کوئی تدبیر مسلمانوں نے نہیں کی، ملک میں جو جو ظلم ایک ادنیٰ زمین دار اپنی رعایا پر کر سکتا تھا۔ اس کی مثالیں غدر سے پہلے تک پائی جاتی تھیں۔

یہاں تک دسویں صدی کے قریب اہل یورپ نے ترقی کرتے کرتے مصالحۂ حرب یعنی بارود وغیرہ دریافت کی، اور مسلمان بادشاہوں کی شامت آئی، جس زمانے کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اس کو ابتدائے زمانہ قرار دے کر مسلمانوں کی حالت کا اندازہ دیگر اقوام سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابتدائے اسلام میں مسلمان خوش اخلاق، جری، ہمت والے تھے، دوسری قوموں میں بزدل، آرام طلب، کم ہمت تھے، مسلمان جہاں تھے وہیں رہے، بلکہ آگے چل کر اس سے بھی گرتے گئے، اور دوسری قومیں ترقی کرتی گئیں، یہاں تک کہ روم کو لڑتے لڑتے پریشان کر دیا اور اگر سلطان عبدالحمید خان اس رنگ میں نہ رنگ جاتے جو اس وقت سلاطین یورپ کا ہے تو بقائے سلطنت ناممکن تھی، اگر سلطانِ روم ہندوستان کا اسلام اپنے یہاں قائم کریں تو کسی کو ان کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑے، خود بخود ان کی زوال سلطنت کے لئے کافی ہو جائے، انہوں نے زمانے کی ضرورت کے موافق فوج میں وہ وہ سامان کئے ہیں جن کو ہندوستان کے علماء کبھی جائز نہیں کہہ سکتے اور آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اگر سلطان اس بات کا وعدہ کر لیتے کہ میں علمائے ہند کے احکام کی تعمیل کروں گا اور پھر

یہاں سے چند علماء ان کا طرز تمدن درست کرنے کے لئے جائیں اور وہ اپنے وعدے کے موافق اس پر عمل کریں تو اور تو میں کہہ نہیں سکتا مگر سلطنت قائم نہ رہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ بلا سے سلطنت قائم نہ رہے اتباع شریعت بڑی چیز ہے اور عاقبت کی درستی ہو جائے سلطنت رہے یا نہ رہے تو ایسا جینا پراگندہ روزی پراگندہ دل کا کیا نفع ہے۔ دوسرے یہ کہ نتیجہ بس یہ نکلے گا کہ اسلام ہم کو حکومت اور سلطنت نہیں سکھلاتا ہے، بلکہ ذلت اور دریوزہ گری تعلیم کرتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، پہلے مسلمانوں کی مثال اس وقت بالکل فضول ہے، کیوں کہ وہ رنگ زمانہ کا نہیں، اگر آج سلطانِ روم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سا طریقہ اختیار کریں، یعنی بیت المال کا اونٹ تلاش کرنے خود چل دیں تو آپ دانا ہیں، ذرا اندازہ کیجئے کہ سلطنت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور ہرگز نہیں یہ اس زمانے کے شایاں تھا کہ خود خلیفہ راتوں کو رعایا کی خبر لیتے پھرتے تھے، اور چوروں کو کول مزدوری پر پہنچا دیا کرتے تھے۔

دوسرے شبہے کی تقریر

یہ وہ وقت ہے کہ ملک علم کے زور سے قائم ہے، شمشیر کے زور سے نہیں، ایک شخص دلاور شمشیر بکف نہایت جرأت کے ساتھ میدان میں آتا ہے لیکن ایک ہزار قدم سے ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے اور جس چیز سے ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے اس میں ایک ذرا سی دور کے اندر اس قدر گولیاں علم کے زور سے بھر دی ہیں کہ ایک منٹ میں بیس فیر کرے، کہاں تک خالی جائیں گے۔

تیسرے شبہے کی تقریر

افسوس کہ مسلمانوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کی قدر نہ کی، پانی سے وہ کام نہ لیا جس کی وہ شایاں تھا، بس پیاس میں پی لیا، وضو کیا، غسل کیا، طہارت کی، اب وہی پانی ہے کہ جس سے بھاپ پیدا ہوتی ہے اور جو کام ایک ہزار آدمیوں کی قوت سے نہیں۔ ہو سکتا اس کو ایک آدمی کرتا ہے۔

چوتھے شبہے کی تقریر

بھلا اس میں کون سی بات خلاف شریعت ہے؟ جو کبھی مسلمانوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، یا اب دوسروں کو دیکھ کر نہیں کرتے۔ یہ ایک ادنیٰ سی مثال میں دیتا ہوں۔ اس طرح دنیا میں ایک ایک چیز کی بابت اس وقت کوئی ہو تو ایک ایک دفتر لکھ ڈالے، وہ کون سی چیز ہے کہ مسلمانوں نے استعمال نہیں کی، اور جس کا استعمال انہوں نے اپنے جسم فانی تک محدود نہیں رکھا، اپنے ابنائے جنس کو نفع پہنچانے کے لئے اس پر ذرا بھی غور نہیں کیا، یہ بات مسلمہ ہے کہ قیامت کے دن ذرا ذرا چیز سے حساب لیا جائے گا۔ میرا تو قریب قریب یہ عقیدہ ہے کہ جس شخص نے ایسی بے ترتیبی کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کو استعمال کیا وہ ضرور مستوجب جواب دہی ہے۔

پانچویں شبہے کی تقریر

اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کس چیز کو شرطِ اسلام قرار دیا جاتا ہے؟

چھٹے شبہے کی تقریر

جس چیز کی طرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اس سے اتنی دور نکل گئے ہیں کہ ان کے کان میں اس کی آواز بھی نہیں جاتی، میں تو پردیس رہ کر اس تماشہ کو دیکھ رہا ہوں۔

ساتویں شبہے کی تقریر

جو باتیں ہمارے علمائے دین و پیشوایان مذہب تعلیم کرتے ہیں ان میں زمانہ موجود کے موافق ذلت اور خواری کے سوائے یہاں تو کچھ نظر نہیں آتا، عاقبت میں اگر بہشت اور حوریں ملیں تو اللہ سے امید رکھیں۔ لیکن اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دنیا میں نکبت کے ساتھ بسر کرنا عاقبت کی درستی کو لازم ہے، اگر فی الواقع ایسا ہے تو صاف الفاظ میں یہی کہنا چاہیے، خواہ مخواہ یوں کہا جاتا ہے کہ بقدرِ ضرورت دنیا بھی حاصل کرو۔

آٹھویں شبہے کی تقریر

ہم کہتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت بھی دنیا حاصل نہیں ہوتی اس طریقے سے جو ہم کو اس وقت علمائے دین تعلیم کرتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کو کتابیں پڑھا کر عالم بنایا، آپ خود متفکر ہیں کہ وہ اب کیا کرے، پچھلی مرتبہ یہ رائے تھی کہ ان کو حرفت سکھلائی جائے تو وہ بھی کیا، بڑھئی کا کام یا لوہار کا کام۔ اب میں نہایت ادب سے گزارش کرتا ہوں کہ بڑھئی کا کام اور لوہار کا کام سکھلانے، اور تار برقی اور ریل کے ہانکنے کا کام یا اسٹیم بنانے کی ترکیب سکھانے میں شرعاً کیا فرق ہے؟ تو اتنا کہ خود مولوی صاحب نہیں جانتے دوسرے کو کیا سکھلا دیں گے؟ لیکن لوہار، بڑھئی کا کام سکھلانے کے لئے بھی تو ان کو لوہار، بڑھئی نوکر رکھنے پڑیں گے، تو پھر دوسرے فنون سکھلانے والے کیوں نہ نوکر رکھے جاویں؟ مگر بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر کوتاہ اندیشی اور پست حوصلگی اس قدر آ گئی ہے کہ ان کی نگاہ ہی اوپر نہیں جاتی۔

نویں شبہے کی تقریر

میری تو اب یہاں تک شامت آ گئی ہے کہ میں ان مدارس عربیہ پر اعتراض کرتا ہوں اور ان کو بہ حیثیت موجودہ کارِ خیر نہیں سمجھتا، اور اس کے ساتھ الحمدللہ کہ مسلمان ہوں، اور اپنے اللہ سے قوی امید ہے کہ مجھ کو مسلمان رکھیں گے۔ اب سنئے کہ میں مدارسِ عربیہ پر کیا اعتراض رکھتا ہوں، قرآن کے احکام کے موافق آپ کے اوپر پہلے اپنے اقارب، پھر پڑوسی، پھر شہر والے، پھر ملک والے، پھر ابن السبیل کے حقوق ہیں، اب آپ ان مدارس کو دیکھیں کہ ان سے کس کو نفع پہنچتا ہے، ہمارا یہ کام نہیں کہ جو آیا اس کو پڑھا دیا، بلکہ یہ کام ہے کہ وہ مفید طرز اختیار کریں جس سے ہمارے بھائیوں کو نفع پہنچے۔ مجھے ایک صاحب ملنے آئے جو علماء کے بڑے معتقد ہیں اور ہمیشہ علماء کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور بڑی خدمت کرتے ہیں، میرا خیال

ان کے طرز سے یہ ہے کہ انہوں نے زیارت علماء کو اپنے روزمرہ میں داخل کر رکھا ہے، میں نے ان سے سوال کیا کہ وضو میں کے فرض اور کے سنت ہیں؟ حالانکہ انہوں نے تسلیم کیا کہ وہ ستائیس برس سے نماز پڑھتے ہیں۔

لیکن بے چارے اس کا جواب نہ دے سکے، تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ مہینے میں ایک آدھ مرتبہ تو کسی مولوی سے ملتے ہوں گے، انہوں نے کہا کہ جناب میں تو روزانہ حاضر ہوتا ہوں، تو میں نے پوچھا کہ بھلا تم کو کسی نے یہ بتلایا کہ وضو میں کے فرض اور کے سنت ہوتے ہیں؟ اگر کہیں سفر میں ہو اور صرف پاؤ بھر پانی ملے تو وضو کیسے کرے؟ غرض میں نے ان کو بتلایا، اور چند مسائل اور بتلائے تو انہوں نے نہایت شکر گزاری کے ساتھ یہ تسلیم کیا کہ مجھ کو عالموں کی صحبت سے اتنا نفع نہیں ہوا جتنا آپ کی چند باتوں سے ہوا، میں اس مثال سے اپنی تعریف کرنا نہیں چاہتا، بلکہ علماء کی حالت کا اظہار آپ پر کرتا ہوں کہ ان کی حالت قابلِ اصلاح ہے اگر یہ درست ہوں گے تو ہم لوگ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔

دسویں شبہے کی تقریر

نصاب تعلیم پر آج سے دس برس پہلے کوئی اعتراض نہ تھا اور بڑے بڑے عالم گزر گئے، کبھی آپ نے کسی کی زبان سے سنا کہ عربی کا نصاب تعلیم ناقص ہے اور اس میں اوقات ضائع ہوتے ہیں، یا مدارس عربیہ کے اندر لوہار، بڑھئی کا کام سکھلانا ضرور ہے، یہ نئے علماء جو اس وقت پیدا ہوئے ہیں، ان کو البتہ یہ بات سوجھی ہے۔ جناب من! علمائے موصوفین کے ہم عصر اگر کوئی موجود ہوں گے تو ان کو ان اعتراضات پر جو اس وقت کے علماء نصاب دین پر کر رہے ہیں ویسا ہی اعتراض ہوگا جیسا کہ اس وقت کے علماء کو کوٹ پتلون پہننے والوں پر ہے۔ یہ تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود علماء میں کتنا انقلاب ہے۔

گیارہویں شبہے کی تقریر

جن باتوں کو آج سے دس برس پہلے حرام مطلق بتلاتے تھے، اب اس کے جواز پر فتوے دیئے جاتے ہیں، آخر یہ کیوں؟ زمانے کی حالت سے جوں جوں خبر ہوتی جاتی ہے کہتے جاتے ہیں۔

بارہویں شبہے کی تقریر

مگر ہمارے علماء نے گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے۔ اس لئے زمانے سے جلد جلد خبردار نہیں ہوتے، اگر باہر پھریں، اور مسلمانوں کے بچوں کا حال دیکھیں، اور پھر اندازہ کریں کہ یہ کس حد پر پہنچ گئے ہیں، تو شاید کوئی طریقہ ان کی اصلاح کا سمجھ میں آجائے، لیکن سمجھ میں آوے گا اس قدر عرصے کے بعد کہ شاید پھر علاج کا موقعہ بھی نہ رہے۔

تیرہویں شبہے کی تقریر

تعلیم علومِ دین مبنی ہے تین چیزوں پر: اعتقادات، عبادات، معاملات بلکہ آپ تو فرماتے ہیں کہ شرطِ اسلام یہی چیزیں ہیں، شاید تصوف وغیرہ دو چیزیں اور شامل کی ہیں، بہرصورت ان تین چیزوں کا نام ضرور اسلام ہے۔ اعتقادات کا کوئی نصاب نہیں، یہ قائم رہ سکتا ہے عبادات اور معاملات سے، اب رہے معاملات، بڑا حصہ ان کا لازم ہے، سلطنت کو، جس کی سلطنت اس کے قانون کے موافق معاملات ہوں گے، اب آج کل کوئی زنا کرے تو سنگ سار نہیں کیا جاتا، چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ اچھا! اب فرض کیجئے کہ کسی نے زنا کیا تو نالش کرنے والا کیا کرے، آٹھ آنہ اسٹامپ پر عرضی دے۔ یہ طریقہ شریعت میں کہاں لکھا ہے؟

پھر حلف سے اپنا اظہار لکھاوے، حلف بھی کیا کہ جو گواہی میری روبرو عدالت میں ہوگی وہ بالکل سچ ہوگی، سوائے سچ کے جھوٹ نہ ہوگی، خدا میری مدد کرے، اس کے بعد شہادت پیش ہوئی، جس کے ساتھ زنا کیا وہ ڈاکٹر کے ملاحظے کے لئے بھیجی گئی اگر

سب طرح ثابت ہو گیا تو چار مہینے کی قید اور دو سو روپے جرمانہ، اور جرمانے میں سے ایک سو پچاس روپے بطور معاوضہ مدعی کو دیا جاوے۔

اب ذرا غور تو کیجئے کہ یہ معاملہ اول سے آخر تک کسی مرتبے میں بھی شریعت کے موافق ہوا؟ اور یہ جو ۱۵۰ ان حضرات کو ملے وہ کب جائز ہوئے؟

بایں ہمہ یہ روزمرہ ہو رہا ہے، اور شاید علماء کو اس کی خبر بھی نہ ہو، یہ ایک ذرا سی مثال ہے، اس سے بڑھ کر معاملات ہو رہے ہیں تو اب جن طالب علموں کو یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں کہ اس جرم کی سزا یہ ہے، اور اس کی یہ، وہ ان کے کس کام آویں گی جب کہ معاملات کا تصفیہ قوانین موجودہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اب جس شخص نے مقدمہ زنا میں یہ حکم دیا وہ مصداق ہے: ﴿ومن لم یحکم بمآ انزل اللہ﴾ کا، لیکن کیا کسی کا خیال اس طرف منتقل ہوا ہے کہ جس شخص نے نالش کی وہ بھی معین ہوا؟ کیوں کہ وہ تو جانتا تھا کہ شرع کے مطابق حکم نہ ہوگا، اب کہنا چاہئے کہ بے شک وہ بھی معین ہوا، تو اب کیا علاج؟ علاج یہ کہ خاموش گھر میں بیٹھو۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر مسلمانوں کی حالت کا اندازہ کیجئے کہ یہ کیا کریں؟ انہیں تو اللہ میاں اس جہان سے اٹھا لیں تو ان کی نجات ہو، غرض! بڑے معاملات تو حکومت کے ساتھ گئے۔

اب چھوٹے چھوٹے معاملات روزمرہ کے ان کے احکام اردو کی کتابوں میں موجود ہیں، جو بچوں کی تعلیم کے نصاب ابتدائی میں داخل ہیں، یا داخل کرنے چاہئیں، عبادات کا باب نہایت مختصر ہے، روزے کے احکام قرآن کے ایک رکوع میں ہیں، اسی طرح نماز کے احکام اردو کی ایک کتاب میں موجود ہیں، حج اور زکوٰۃ کی بڑے ہو کر ضرورت ہوتی ہے اور ان کے مختصر احکام ہیں، اس مختصر کو اتنا طول دیا ہے کہ بچوں کے دس برس اس میں خرچ ہوتے ہیں، اور جب تیار ہو کر نکلتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ اب کیا کریں؟

چودھویں شبہے کی تقریر

اگر کچھ تعلیم کی عمر باقی ہے اور کچھ حمیت کا تقاضا بھی ہے تو جلدی سے طب پڑھ لی،

اور معاش کا ایک ذریعہ نکال لیا اور اگر کہیں عمر ہو چکی ہے، جیسا کہ کثرت سے واقع ہوتا ہے تو سیدھے مسجد کی راہ لی، اور جو کچھ پھر یہ لوگ کرتے ہیں آپ کو مجھ سے زیادہ تجربہ ہے، میں لکھنا کیا چاہتا تھا، اور لکھ گیا کیا۔

پندرہویں شبہے کی تقریر

میں اپنا حال عرض کرنا چاہتا ہوں: میں کوٹ پتلون یا یوں کہئے کہ پورا انگریزی لباس پہنتا ہوں، سوائے ٹوپی کے کہ وہ ترکی ہے، اس ٹوپی کے اختلاف سے یہ لباس ہمارا قومی بن جاتا ہے، اور اگر اس بات کو کوئی اس وقت تسلیم نہ کرے تو دس برس بعد اس کو خود پہننا پڑے گا، میں اس بات کو ایسے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ مجھ کو اس میں کچھ بھی وسوسہ نہیں۔ اب مجھ سے ارشاد ہوا کہ یہ لباس خلافِ شریعت ہے، ترک کرنا چاہئے۔ تو مجھ کو یہ بھی بتلایا جاوے کہ کیا پہنوں؟ جو کام مجھ کو کرنا پڑتا ہے اور جو اللہ نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے اور جس کے کرنے پر قضا وقدر سے مجبور ہوں، وہ ایسا ہے کہ مجھ کو چار گھنٹے گھوڑے کی پیٹھ اور تین گھنٹے بائیسکل پر (اگر بائیسکل نہ ہو تو پھر دوسرے گھوڑے پر) شہر اور اطرافِ شہر میں پھرنا پڑتا ہے، اور یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ مجھ کو بیس میل کا یومیہ سفر ہو جاتا ہے۔ جو پائے جامہ، میں سواری میں پہنتا ہوں وہ اس کپڑے کا ہے جو ہاتھ سے نہیں پھٹ سکتا، تاہم اس قدر جلد گھس گیا کہ جس پر مجھ کو خود تعجب ہے، ڈھیلے پائینچے یا لٹھ کا شرعی پاجامہ ایک دن مشکل سے کام دے سکتا ہے، اس بات کا یقین آپ صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ آپ مجھ کو سچا آدمی خیال فرمائیں، ورنہ بلا تجربہ کے اس کا یقین ہونا مشکل ہے۔

پتلون اور پاجامہ میں جو فرق سواری کے اندر ہے وہ تجربے پر موقوف ہے، اس کا بیان کرنا مشکل ہے، پہلے لوگوں کا اگر حوالہ دیا جاوے تو میں نصاب تعلیم کا حوالہ دوں گا، میرا لباس یوں نہیں تبدیل ہوگا، بلکہ اس کی ترکیب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا ہی کام کر کے دکھلا دے، اور پاجامہ انگا چوغہ، دوپٹہ پہنے، اور اگر وہ کامیاب ہو تو

میں قسم کھاتا ہوں کہ فوراً لباس تبدیل کردوں گا۔ عبادات میں روزہ میں رکھتا ہوں، زکوۃ دیتا ہوں، حج کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ پورا کرنے والے ہیں، نماز جماعت کی تو کیا پابندی! وقت سے بھی ادا نہیں ہوتی۔ صبح کی نماز پہلے سے قضا پڑھتا ہوں، اور میں جانتا ہوں کہ برا کرتا ہوں، اور اس کی اصلاح کی میں کوشش کررہا ہوں۔

سولھویں شبہے کی تقریر

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید وقت کی فرمائی ہے، لیکن امام شافعی صاحب نے جمع بین الصلاتین کا ایک خاص موقع پر فتویٰ دیا ہے اور حضرت ابوداؤد صاحب نے صرف لوگوں کے حرج ہونے پر جمع صلاۃ کا ذکر کیا ہے۔

میں اخیر میں پھر اس قدر بیان کرتا ہوں کہ یہ عریضہ میں نے تین بجے رات کو لکھنا شروع کیا، اور اڑھائی گھنٹے میں ختم کیا، لیکن اس میں ایک لفظ بھی میرا آوردہ نہیں ہے، قلم سے یوں ہی نکلتا چلا گیا۔ میں اس کو پڑھ کر دیکھتا ہوں تو اس کا بھیجنا داخل گستاخی سمجھتا ہوں۔ لیکن صرف ایک خیال مجھ کو اس کے بھیجنے پر مجبور کرتا ہے، وہ یہ کہ طبیب کے سامنے اپنا مرض بیان کرنا داخل گستاخی نہیں ہے، مثلاً کسی شخص کے سامنے اپنے اعضائے نہانی کھولنا سخت بے جا ہے، لیکن اگر کسی کے کوئی پھوڑا ایسے مقام پر نکل آوے تو بلاتأمل حکیم صاحب کو دکھلاتا ہے اور اگر حکیم کو دکھلانے میں یہ شخص اتنا ہی تأمل کرے جتنا کہ معمولی طور پر عام آدمیوں سے کرتا تھا، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ زخم اندر ہی اندر سڑ کر ناسور کرلے گا، اور اس شخص کی جان جاتی رہے گی۔

میرا عقیدہ اور میرے خیالات جیسے کچھ ہیں ان کو صرف اس نظر سے پیش کرتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو میری اصلاح کیجئے، اور اگر میری اس پریشان تحریر میں آپ کے نزدیک کوئی کام کی بات ہو تو للہ اس پر توجہ کیجئے، وقت ایسا نازک ہے کہ مسلمان تباہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کی کوئی خبر نہیں لیتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے کلام میں اثر دیا ہے۔ اگر آپ کے نزدیک میں سچ کہتا ہوں تو اس کو سنئے، اور اگر غلطی پر ہوں تو

میری اصلاح کیجئے، آخر آپ کا ہوں، مجھ کو بچائیں کہ قیامت کے دن فضیحت نہ ہوں، اگر آپ کے نزدیک میری فلاح اس میں ہو کہ میں نوکری چھوڑ دوں تو مجھ کو صاف صاف ہدایت کیجئے ورنہ میں تو من وعن آپ پر ظاہر کر چکا۔

سترہویں شبہے کی تقریر

اب میں اپنے عیب کھولنے پر آیا تو ایک اور بات بھی لکھ دوں، کیوں شبہ کو اپنے دل میں رکھوں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص عرب کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا، یا ساری دنیا کی اصلاح کے لئے، میرا خیال یہ ہے کہ صرف قوم عرب کی اصلاح کے لئے، کیوں کہ اس زمانے کے عرب اپنی زبان میں بڑے فصیح و بلیغ تھے، ان کے لئے قرآن زبان عربی میں نازل فرمایا، جس سے ان کو یقین ہو گیا کہ وہ کلام بشر نہیں ہے، اور ان کو ماننا پڑا، اور تمام عمر جناب پیغمبر خدا اسی قوم میں رہے، اور جب ان کی تکمیل ہو چکی آپ نے وفات فرمائی، دیگر اقوام نے آپ کے قرآن کو اس بنیاد پر نہیں مانا تھا جس پر کہ عرب نے مانا تھا۔ بلکہ ان لوگوں کو قوم عرب نے بزورِ شمشیر زیر کیا، اور ان کو زبردستی مسلمان کیا، انہوں نے آپ سے معجزے طلب نہیں کئے اور نہ مثل عرب کے قرآن پر ایمان لائے۔

فتوحات میں دو اقسام ہوئیں، ایک وہ جنہوں نے عاجز آ کر اور مقابلے کی تاب نہ لا کر اسلام قبول کیا۔ دوسری وہ جنہوں نے امان مانگی، اور اپنے دین پر قائم رہ کر جزیہ دینا قبول کیا، ان پر دعوت اسلام پوری نہیں ہوئی۔ سب سے بڑی بات غور طلب یہ ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان میں تشریف نہیں لے گئے، اور بہت لوگوں کو اس وقت بھی آپ کے پیغمبر ہونے کی خبر نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں اسلام بہت زمانے کے بعد آیا، پھر جو ہندو یہاں رہتے تھے ان کی ہدایت کیا ہوئی؟ اور یہی حال امریکہ اور افریقہ اور بڑے حصہ یورپ اور ایشیاء کا تھا، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرقے کے اندر پیدا کیا، اور اس میں وہ مر گئے۔ فقط۔

تقریرِ جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على رسوله سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

بعد حمد و صلاۃ کے احقر نے مخاطب عزیز کی تمام تر تقریر کو کئی بار دیکھا۔ چوں کہ مثل اظہارِ مرض کے تشخیصِ مرض و تعیینِ اسباب میں بھی معالج کو شرم کرنا مضر ہے، اس لئے ضرور ٹھہرا کہ آزادی کے ساتھ کلام کیا جاوے، اس لئے اولاً اجمالی طور پر اسباب کو متعین کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جہاں تک تقریرِ مذکور کو دیکھا اور پڑھا معلوم ہوا کہ منشا ان خیالات کا صرف دو امر ہیں:

اوّل: علم شریعت میں مہارتِ کاملہ نہ ہونا۔

دوسرے: لامذہبوں کی تقریریں اور تحریریں سننا اور دیکھنا۔

اس لئے علاجِ کلی تو یہ ہے کہ بقدرِ فرصت کسی قدر توجہ کر کے کم از کم ترجمۂ قرآن مجید و ''مشکوٰۃ شریف'' کے بعض ابواب اور فقہ کی ایک پوری کتاب کسی سمجھدار آدمی سے پڑھ لی جاوے اور مدعیانِ تحقیق و تہذیب جدید کی تقریرات و تحریرات کو سمع و بصر تک نہ آنے دیا جاوے۔ اور جزئی علاج یہ ہے کہ تقریرِ مذکور کے جواب کو جس کو بعد اجمال ہذا کے تفصیلی طور پر لکھنا چاہتا ہوں بغور و انصاف خالی الذہن ہو کر دیکھا جاوے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ سب شبہات دفع ہو جاویں گے، اور اصلاح عقیدہ تو فی الفور اور اصلاحِ عمل بتدریج حاصل ہو جاوے گی۔ اب وہ جواب تفصیلی سننا چاہیئے۔

پہلے شبہے کا جواب

سب سے اول مخاطب عزیز نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس نگاہ سے شریعت اور اتباع شریعت کو ہندوستان میں علمائے دین دیکھتے ہیں وہ شرائط اسلام نہیں ہیں اور اس کو

تاریخی دلائل سے جس سے انقلاب اقوام کا معلوم ہوتا ہے ثابت کیا ہے۔ مقام انصاف ہے کہ جن لوگوں کی تمام عمر ایک علم کی تحصیل وترقی میں گزر گئی ان کی نگاہ جب قابلِ اعتبار نہیں تو ایک مؤرخ کی نگاہ احکامِ شریعت کی تحقیق میں کس طرح لائقِ اعتماد ہوگی؟ پھر یہ کہ عالم دین تو اپنے ہر دعوے کے اثبات کے لئے قرآن مجید کی آیات اور حدیث شریف کی روایت جو اللہ و رسول کا کلامِ صادق ہے پیش کریں، اور مؤرخ صرف اپنی رائے اور قیاس سے استدلال کرے، پھر بھی عالم کا قول معتبر نہ ہو، اور صاحب رائے کی رائے کو ترجیح ہو، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اہل الرائے کی نظر سے ابھی جمالِ شریعت محجوب ہے اور جس قدر پیش نظر ہے وہ محض ایک ناخن ہے، لیلی رابچشم مجنون باید دید کا یہی مطلب ہے، میں صرف اسی مجمل انصاف پر قناعت نہ کروں گا، بلکہ اس تاریخی دلیل کی حالت دکھلاؤں گا۔

خلاصہ اس واقعۂ تاریخی کا صرف مسلمانوں اور دیگر اقوام کی حالت کا موازنہ کرنا ہے، اور بدون نئے رنگ کے اسلامی سلطنت کا قائم نہ رہ سکنا ہے، سو اقوام کی ترقی و تنزل کی بحث اور اس کے اسباب کی تعیین یہ محض زائد مضمون ہے، البتہ دوسرا امر قابلِ توجہ ہے کہ بدون اس نئے رنگ کے حکومت کا قائم نہ رہ سکنا اور قومی تاریخ کے لکھنے سے بھی مخاطبِ عزیز کا مقصود یہی ہے، سو یہ امر اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون سا نیا رنگ جو علمائے ہند کے نزدیک خلافِ شریعت ہے اور اس پر قیامِ سلطنت ہے، اگر مراد اس سے جدید سامانِ حرب و حفاظت حدود ہے، سو اس کو کون سے ہندوستانی عالم نے خلافِ شریعت بتلایا ہے، اگر مسئلۂ تشبہ سے شبہ پڑا ہے، سو مسئلہ تشبہ کا اوّل تو ہندوستانی علما کا ایجاد نہیں ہے، قرآن مجید میں موجود، حدیث میں مذکور، تمام دنیا کے علماء اس میں شریک، اور اگر کوئی عالم رومی، روسی اس کے مخالف ہو وہ قرآن وحدیث کا مخالف ہو کر متروک القول قرار دیا جائے گا۔ پھر یہ کہ سامانِ حرب مسئلۂ تشبہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اور یوں مسئلہ تشبہ کی تحقیق نہ ہونے سے شبہ

پڑ جاوے وہ اور بات ہے، بہر حال جس پر بقائے سلطنت موقوف ہے اس کو مسئلۂ تشبہ سے کوئی علاقہ نہیں، اور اگر مراد اس سے میز کرسی پر کھانا کھانا، مکانات میں تصاویر کا لٹکانا وغیرہا ہے تو اس کو بقائے سلطنت سے کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا، بہر حال وہ نیا رنگ سمجھ میں نہیں آتا جس کو اہلِ فتویٰ حرام کہتے ہوں اور سلطنت بدون اس کے قائم نہ رہ سکے۔

اور اگر واقع میں کوئی ایسا نیا رنگ ہے جو خلافِ شریعت بھی ہے اور بقائے سلطنت کا موقوف علیہ بھی ہے، اور پراگندہ روزی پراگندہ دل سے بچنے کے لئے اس نئے رنگ کو گوارا کیا جاتا ہے تو خود مخاطب عزیز تھوڑی دیر کے لئے حق جل وعلا شانہ کے تعلقات و حقوق اور سلطنت وثروت کے فانی ثمرات کو میزانِ عقل وانصاف میں تول کر دیکھ لیں کس کا پلہ بھاری ہوتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں: ڈکیتی قانوناً جرم ہے، لیکن اگر اسی قاعدے کی بنا پر کہ ہم ایسا قانون لے کر کیا کریں گے جس سے پریشانی ہو، اور مال کی تنگی ہو، برابر ڈکیتی کیا کرے اور گورنمنٹ کی ناراضی کا مطلق پاس نہ کرے، اس شخص کے واسطے عقلاً کیا حکم کیا جاوے گا؟ کیا اس کے لئے ڈکیتی کو جائز کیا جاوے گا؟ وہ افلاس جو حاکم وقت کی خوشنودی کے ساتھ ہو، اس ثروت سے جو ارتکاب جرم کے ساتھ ہو ہزار لاکھ درجہ افضل کہا جاوے گا، پھر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدر گورنمنٹ کے برابر بھی نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا وقت آوے کہ بلا کفر اختیار کئے ہوئے سلطنت قائم نہ رہ سکے تو مسلمان رہ کر مر جانا اچھا ہے یا کافر ہو کر زندہ رہنا؟ اور پھر آخری بات یہ ہے کہ اگر باوجود فسق وکفر کے تمام اقوام متفق ہو کر کسی خاص قوم کی سلطنت چھین لیں، اور فسق وکفر بھی آڑ نہ بن سکے تو اس وقت پراگندہ روزی پراگندہ دل کا کیا علاج ہوگا؟

عزیزِ من! مال وجاہ مقصود بالعرض ہے، مقصودِ اصلی رضائے حق ہے، اگر رضائے حق کے ساتھ ان دونوں کی حفاظت ہو سکے مضائقہ نہیں، ورنہ وہ دونوں کے روز کام آویں گے؟ اور پھر آخری انجام کیا ہوگا؟ کیا مریض کو بد پرہیزی سے روکنا گوارا نہیں ہوتا؟ کیا اس کا دل پریشان نہیں ہوتا؟ مگر اس عاقبت اندیشی کی وجہ سے نعمتِ

صحت کو اس عارضی لذت بد پرہیزی پر ترجیح دی جاتی ہے، اور طبیب مشفق اس ناگواری و تنگی کی ذرہ برابر بھی پروانہیں کرتا۔

اس کے بعد جو دوسرا نتیجہ نکالا کہ اسلام ہم کو حکومت اور سلطنت نہیں سکھلاتا، بلکہ ذلت اور دریوزہ گری سکھلاتا ہے، فی الواقع اسلام ایسی سلطنت نہیں سکھلاتا جس کا انجام نارِ جہنم ہو، اور اگر ایسی سلطنت کی بھی اجازت ہو تو بس قیامت کے روز فرعون بھی عرض کر دے گا کہ مجھ کو تجربے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں خدائی کا دعویٰ نہ کرتا تو میری حکومت جاتی رہتی، لوگوں میں ذلت وخواری ہوتی، بقائے سلطنت کے لئے میں عمر بھر یہ دعویٰ کرتا رہا۔ کیا یہ عذر اس کا مقبول ہوگا؟

اور علی سبیل التنز ل میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص نہایت عرق ریزی کر کے یہ بات ثابت کر دے کہ بقائے سلطنت ضروری ہے، اور وہ بدون ارتکاب معصیت کے ناممکن ہے، تو اس کی ضرورتِ بقا کو مان کر کہا جاوے گا کہ یہ مسئلہ اکراہ کا ہے، شریعت نے اس کا قانون بھی مقرر کر دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض مجبوریوں میں ارتکابِ ظاہری کی اجازت ہوگی، مگر قلب سے کراہت ونفرت شدید ضروری ہے، کیوں کہ شرح صدر وطیب قلب کی تو کوئی ضرورت نہیں، نہ کسی مخلوق کو اس کا علم ہے جو اس شخص سے کراہتِ قلب پر مواخذہ دار وگیر کر سکے، غرض! پھر بھی مخالفتِ شریعت کی اجازت نہ ہوئی، جو مخالفتِ ظاہری ہوئی ہے وہ بھی قانونِ اتباع میں داخل ہوگئی۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر ایسی مجبوری ہوگی تو سلاطین کو ہوگی، ہم عوام الناس کی کون سی حکومت و سلطنت ہاتھ سے نکلی جاتی تھی کہ ہم کو بھی ارتکاب مخالفت کی ضرورت پڑی۔ غرض! سلاطین کی مجبوری ہمارے لئے مفیدِ مطلب نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد جو لکھا ہے کہ اگر سلطانِ روم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سا طریقہ اختیار کریں تو سلطنت نہیں کر سکتے، سو اول تو یہ حکم رجماً بالغیب قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ سلطنت نہیں کر سکتے، اگر کوئی شخص اس کے مناقض دعویٰ کرے کہ زیادہ خوبی کے ساتھ

سلطنت کر سکتے ہیں تو اس کی تکذیب کی کیا دلیل ہے؟

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جاوے جب بھی ہم کو مضر نہیں، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے میں دو قسم کے امور ہیں، ایک وہ جو فرض وواجب ہیں، ان کی پابندی تو کسی حال میں مضرِ سلطنت ہرگز نہیں۔ دوسرے وہ جو شرعاً ضروری نہیں، مثلاً: رات کو گشت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سو شریعت نے اس کا مکلف ہی نہیں بنایا۔ غرض! جو امر شرعاً ضروری ہے وہ مضرِ سلطنت نہیں، اور جو مضرِ سلطنت سمجھا جاتا ہے وہ شرعاً ضروری نہیں۔ سو یہ دعویٰ کیسے ثابت ہو کہ فتویٰ شریعت پر عمل کرنے سے سلطنت نہیں کر سکتے۔

دوسرے شبہے کا جواب

اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ اس وقت ملک علم سے قائم ہے، شمشیر سے نہیں، اور اس کو بارود گولے کی ایجاد سے ثابت کیا ہے۔ عزیز من! اول تو جیسا بارود گولے کا علم ہے، شمشیر زنی کا بھی علم ہے، اور اگر شمشیر زنی کو علم نہیں کہا جاتا تو گولہ بازی کو علم کہنے کی کوئی وجہ نہیں، غرض یا تو پہلے زمانے میں بھی ملک کو علم سے قائم کہا جاوے گا، یا اس زمانے میں بھی علم کا دخل نہ مانا جاوے گا، پھر اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ وہ علم نہ تھا، یہ علم ہے۔ تو اس سے کیا مطلب حاصل ہوا؟ ان علوم کو کسی مفتی ہندی نے خلافِ شریعت بتلایا ہے، جس کی وجہ سے تنزل کا الزام فتویٰ علمائے ہند پر لگایا جاوے۔

تیسرے شبہے کا جواب

رہا یہ افسوس کہ مسلمانوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی، اور بے قدری کی یہ دلیل کہ پانی سے وہ کام نہ لیا جس کے وہ شایاں تھا، بس پیاس میں پی لیا، وضو کیا، غسل کیا، طہارت کی، مخاطب عزیز کی خوش فہمی کے اعتبار سے نہایت تعجب خیز تقریر ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وضو وغسل وغیرہ سے بڑھ کر وہ کام ہے جو اس سے اب لیا جارہا ہے۔ بس اس کے متعلق اتنا دریافت کرنا ہے کہ واقع میں یہ جدید صفتیں بہ نسبت وضو

غسل وطہارت کے زیادہ اہتمام کے لائق ہیں تو حق جل وعلا شانہ نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے ایسے کم درجے کے فوائد تو کس اہتمام سے تعلیم فرمائے، اوران صنائع سے ہزاروں سال تک اپنے بندوں کو اطلاع نہ دی، اس کی کیا وجہ ہے؟

دوسرے یہ کہ قیامت میں بقول مخاطب عزیز کے اُن لوگوں سے جب سوال بے ترکیبی کا غالبًا ہوگا جنھوں نے صرف طہارت وغسل وغیرہ میں پانی کا استعمال کیا تو ضرور ان لوگوں کے بڑے درجے ہوں گے جنھوں نے جدید صنائع میں کام کیا، گو ایک وقت بھی نماز نہ پڑھی ہو، گو عمر بھر جنابت وخباثت میں گزری ہو، کیوں کہ عملِ اعلیٰ کے روبرو عملِ ادنیٰ کالعدم ہے تو اس بنا پر رات دن کی عبادت کرنے والے کندۂ دوزخ ہوں گے، اور فساق وفجار بلکہ کفار بھی نعوذ باللہ مقیمِ جنت ہوں گے، کیا سچ مچ کسی حساب وکتاب کے اعتقاد رکھنے والے کا دل اس کو قبول کرتا ہے؟

چوتھے شبہے کا جواب

رہا یہ سوال کہ مسلمانوں نے اس طرف کیوں توجہ نہ کی، اس کو اصل مقصود سے کہ دعویٰ وجوبِ اتباعِ شریعت ہے کچھ تعلق نہیں ہے، نہ آج تک کسی نے ان امور کو خلاف شریعت کہا، پھر خواہ اس کی کچھ ہی وجہ ہو، بلکہ اگر ہم سستی وکاہلی ہی کو اس کا سبب قرار دے لیں، جیسا کہ مقصود سوال کا ہے تب بھی ہم کو اپنے اصلی دعوے سے کہ اتباعِ شریعت واجب ہے، دست بردار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے اس میں گفتگو کرنا محض لا حاصل ہے۔

پانچویں شبہے کا جواب

اس کے بعد مقاصدِ اسلام سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے، یہ اور زیادہ تعجب انگیز بات ہے، اسلام کے احکام ومقاصد تو اس قدر مشہور ومعروف ہیں کہ شاید مخالفین، ہندو ومنکرینِ اسلام بھی اس کو جانتے ہوں، گو کسی وجہ سے نہ مانتے ہوں۔

چھٹے شبہے کا جواب

رہا یہ امر کہ جس چیز کی طرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اس سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ عزیز من! یہ شامت مسلمانوں کی ہے کہ اپنے مالکِ حقیقی کے احکام سے ایسے اجنبی ہو گئے ہیں تو کیا ان کی حالت متغیر ہو جانے سے اسلام کو چاہئے کہ اپنی حالت متغیر کر کے لامذہبی کا نام اسلام قرار دے دے، جس سے وہ مسلمانوں میں ضرور شمار کئے جاویں (اگر کوئی شخص دہلی جانا چاہتا ہو، اور غلطی سے کلکتہ کی راہ ہو لے، جب دہلی سے سینکڑوں میل کا بعد ہو جاوے، کوئی شخص اس کو تنبیہ کرے کہ دہلی کا راستہ یہ نہیں ہے، تو کیا کوئی شخص اس مشورہ دینے میں حق پر سمجھا جاوے گا کہ اب تو دہلی سے بہت دور ہو گیا ہے اس طرف مت بلاؤ، کلکتہ کا نام دہلی رکھ کر اس میں جانے دو؟)

یاد رکھنا چاہئے کہ احکامِ اسلام کی اس قدر کافی تکمیل ہو چکی ہے کہ قیامت تک اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، جو کوئی اس کو مانے گا نجات ہو گی، نہ مانے گا خسرانِ ابدی میں مبتلا ہو گا، اگر تعلیمِ احکام کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ لوگوں کے حالات سے اس کو بہت بعد نہ ہو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و جمیع انبیاء علیہم السلام طوفان بے تمیزی کے زمانوں میں بت پرستی کو روکنے کیوں تشریف لائے تھے؟ حضرت نوح علیہ السلام بنصِ قرآنی ساڑھے نو سو برس تک اسی دُھن میں لگے رہے، اور کبھی یہ خیال نہ فرمایا، نہ من جانب اللہ ان کو حکم ہوا کہ تم ایسی چیز کی طرف کیوں بلاتے ہو جس سے وہ کوسوں دور نکل گئے ہیں، کفار کے نہ ماننے سے یہ نہ ہوا کہ اس کلمۂ توحیدی میں تخفیف و رعایت ہو جاتی، بلکہ منکرین کو عذاب طوفانِ میں مبتلا کیا گیا، قرآن مجید کے صاف الفاظ میں یہ قصہ مذکور ہے، پھر اس وقت میں اگر ایسی ہی بے تمیزی عام ہو جاوے تو کیا علماء کو واجب یا جائز ہو گا کہ احکام میں تحریف کر دیں؟ یا برابر اظہارِ حق کئے جاویں۔

ساتویں شبہے کا جواب

اور یہ جو لکھا ہے کہ جو باتیں ہمارے علمائے دین تعلیم کرتے ہیں، زمانہ موجود کے

موافق ذلت اور خواری کے سوا کچھ نظر نہیں آتا الخ اس کی نسبت اس قدر کہنا کافی ہے کہ جو کچھ وہ تعلیم کرتے ہیں، آیا موافق وحی کے تعلیم کرتے ہیں یا اپنی رائے سے؟ اگر کہا جاوے کہ اپنی رائے سے کرتے ہیں تو محض غلط ہے، اس واسطے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ برابر دعوے کے لئے آیت وحدیث پیش کرتے ہیں، پھر ہم کس طرح کہیں کہ اپنی رائے سے تعلیم کرتے ہیں، لامحالہ قائل ہونا پڑے گا کہ وہ تعلیم موافق وحی کے ہے، پھر یہ اعتراض کس پر ہوا؟ نعوذ باللہ یہ تو حضرتِ حق جلت عظمہ پر اعتراض ٹھہرا کہ ایسے احکام کیوں مقرر کئے جو اس زمانے میں موجب ذلت ہیں، پھر اس اعتراض کا جواب تو صرف علماء کے ذمے نہیں، بلکہ ہر مسلمان کے ذمے ہے۔

اب اس کی اصلی وجہ سننا چاہئے کہ اتباعِ احکام سے اگر کسی وقت میں ذلت وخواری ہو تو آیا ان احکام میں کوئی فتور ہے یا کسی مخلوق کا قصور ہے۔ اس کے دریافت ہو جانے سے ہزاروں شبہات بلکہ تمام شبہات مٹ جاویں گے۔ اول: عزت وذلت عند الخلق کی حقیقت سمجھنا ضرور ہے، یہ دونوں صفتیں موجوداتِ حقیقیہ میں سے نہیں، بلکہ موجوداتِ اضافیہ میں سے ہیں، یعنی خلق کے علم واعتقاد میں کسی کی حالت کا عظیم ہونا یہ اس صاحبِ حالت کی عزت ہے، اور کسی حالت کا حقیر ہونا یہ اس صاحب حالت کی ذلت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ صفتیں اعتقاد وزعمِ خلق کے تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص برہنہ میلا کچیلا ایک معتقد کی نظر میں بہت بڑا ہے، اور دوسرے کی نظر میں محض رسوا وخوار ہے، جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب سمجھو کہ اسلامی حالت بھی موجبِ اعزاز اس شخص کی نظر میں ہو سکتی ہے، جو احکامِ اسلام کو نظرِ عظمت سے دیکھتا ہو۔ بخلاف اس شخص کے جو خود اس کو ہی ایک امر لغو وبے کار سمجھتا ہو، اس کی نظر میں وہی امر جو موجب عزت تھا موجبِ ذلت ہوگا۔ تو اس میں احکام کا کیا قصور ہوا؟ غلط بینی اس شخص کی ہوئی جو اپنے عقیدے میں اس کو موجبِ حقارت سمجھتا ہے۔

اب انصاف کرنا چاہئے کہ اگر کسی کا اعتقاد یقیناً غلط ہو، اور وہ اس لئے اتباع

احکام کو موجب ذلت سمجھتا ہے، تو کیا اس کے اعتقادِ غلط کا اتباع کر کے اس امر کو چھوڑ دیا جاوے گا؟ یا خود اس شخص کو غلط کار سمجھ کر اس امرِ حق پر استقامت و استقلال سے قائم رہا جاوے گا؟ سو اگر ایک شخص نے رشوت کو برا سمجھا، اور سود کو برا سمجھا، ناجائز نوکری کو برا سمجھا اور گھاس کھود کر اپنا پیٹ پالا، اس نے عقل کی رو سے کیا برائی کی؟ پھر اس حالت کو حقیر سمجھنے سے کیا اس کو حق تعالیٰ کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذلیل بن جانا چاہئے؟

اندلس میں ایک زمانہ گزرا ہے کہ خود مسلمان رہنا ذلت کی بات تھی اور بدون عیسائیت کے ہرگز آبرو و جان محفوظ نہیں رہ سکتی تھی، تو اب اس مقدمۂ خاص میں کیا ان لوگوں پر الزام ہوگا جنہوں نے اسلام پر قائم رہ کر آبرو اور ایمان جان سب قربان کر دی؟ یا ان ظالموں کا قصور قرار دیا جاوے گا جنہوں نے اس عزیز حالت کو موجب ذلت و غضب قرار دیا؟ کیا حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کفار نے کوئی دقیقہ (نعوذ باللہ) ایذا واہانت کا اٹھا رکھا؟ کیا کھلم کھلا گالیاں نہیں دیں؟ کیا ان کو سنگ بار نہیں کیا؟ پھر انہوں نے ان ہی بہشت اور حوروں کی توقع میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی تحصیل کے لئے کیوں اس ذلت واذیت کو گوارا کیا؟ افسوس ایسی موٹی بات میں فہیم لوگ غور نہیں کرتے۔

اور اگر قلتِ مال کا نام ذلت ہے تو چاہئے دنیا میں چور و قزاق جو بڑے مال دار ہیں نہایت معزز قرار دیئے جاویں، اور ان حرام ذرائع کی نسبت جس میں آمدنی بالکل محدود ہے اس چوری و قزاقی کو ترجیح دی جاوے، چوری و قزاقی اسی لئے موجب ذلت ہے کہ قانونی جرم ہے، پھر اگر قانون الٰہی کے اعتبار سے کوئی چیز جرم ہو تو اس کو کیوں موجب اعزاز قرار دیا جاتا ہے؟ اچھا اعزاز بھی ہوا۔

لیکن بعدِ مرگ جب کشاکشی ہوگی تو کیا یہ دلائل اس وقت مقبول و مسموع ہوں گے؟ بس بات یہ ہے کہ کسی کو یہاں ذلت وہاں عزت، کسی کو یہاں عزت وہاں ذلت، اب اس میں ہر معتقدِ آخرت فیصلہ کر کے ترجیح دے سکتا ہے۔

آٹھویں شبہے کا جواب

اور یہ کہنا کہ جس طریقے سے علماء بتلاتے ہیں دنیا بقدرِ ضرورت بھی حاصل نہیں ہوتی، بالکل غلط ہے، اور اس کے ثبوت کے لئے جو مثال فرض کی ہے کہ ایک شخص کو عالم بنایا، اب وہ کیا کرے الخ سو اوّل تو یہ کہتا کون ہے کہ ہر شخص عالم اصطلاحی بنایا جاوے، اہل تحقیق تو یوں کہتے ہیں کہ جس شخص کو اطمینانِ قلب میسر ہو، خواہ کسی ذریعہ ظاہری سے، خواہ قوتِ توکل سے، وہ علم دین میں تکمیل کرے، اور عمر بھر خدمتِ دین میں مصروف رہے، اس کے حق میں تو یہ سوال ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ کیا کرے۔ رہ گئے بے اطمینان وحریص وطماع لوگ ان کو چاہئے کہ بقدرِ ضرورت احکامِ دینیہ یاد کرکے اپنی معاش میں مشغول ہوں، اور وقتاً فوقتاً اہل علم سے اپنے واقعات وضروریات کے متعلق تحقیق وتفتیش کرتے رہیں، ان کے حق میں یہ سوال معقول ہے کہ کون سا کام کریں، سو یہ تو دل کھول کر باآواز بلند کہا جاوے گا کہ حرام کام نہ کریں، پھر مباح کام میں لوہار و بڑھئی اور تارِ برقی اور ریل سب کام برابر ہیں، اس کو کس نے منع کیا ہے؟ اگر کوئی شخص ان صنائع کی تعلیم کا اہتمام کرے، بڑی خوشی کی بات ہے، مگر ان سب کاموں کے لئے چاہئے روپیہ، جو اصلاح چاہتے ہیں وہ بے زر ہیں، جو زردار ہیں ان کو بجز اس کے کہ مسلمانوں کو وحشی اور بدتہذیب بتلائیں، اور ان کی وحشت اور بدتہذیبی کا علاج دہریت کو بتلائیں، اور کچھ آتا نہیں۔ خیر بہرحال! خواہ اس کا اہتمام کیا جاوے، یا نہ کیا جاوے، یہ خلافِ شرع کسی کے نزدیک نہیں۔

نویں شبہے کا جواب

اس کے بعد مدارسِ اسلامیہ پر اعتراض ہے کہ ہمارا یہ کام نہیں جو آیا پڑھا دیا، بلکہ وہ مفید طرز اختیار کریں جس سے ہمارے بھائیوں کو نفع پہنچے، یہ تشریح نہ کی گئی کہ اس سے نفع دنیوی مراد ہے یا نفع دینی؟ اور دنیوی نفع مراد ہے تو کیا صرف اسی کا حاصل کرلینا کافی ہے؟ اور کیا نفعِ دین کی احتیاج نہیں ہے؟ اور اگر نفع دینی مراد ہے

تو کیا اس کے لئے تعلیم علوم دینیہ کی حاجت نہیں اور کیا مدارس سے یہ نفع حاصل نہیں ہورہا؟ یہ میں نہیں کہتا کہ اگر سو طالب علم پڑھتے ہیں تو ہر شخص ان میں سے ابوحنیفہ وغزالی بن جاتا ہے مگر یہ بھی ضروری بات ہے کہ بہت سے ان میں کام کے بھی ہوتے ہیں، جن سے ہزاروں کو نفع پہنچتا ہے، جس شخص نے تفصیلاً مدارس وفضلائے فارغین کا مشاہدہ کیا ہے اس کی نظر میں یہ امر محسوس ہے۔

اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں کوئی اصلاح کی ضرورت نہیں، بہت سی اصلاحوں کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر سستی یا قلت سرمایہ سے یا اور کسی وجہ سے اس اصلاح میں توقف ہو تو کیا جتنا کام ہورہا ہے اس کو بھی موقوف کردیا جائے؟

پھر اگر ہمت کر کے کوئی یہی کہہ دے کہ ہاں موقوف کردیا جاوے تو اس سے یہ پوچھا جاوے گا کہ پھر علوم دینیہ کا بقا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کہا جاوے کہ کچھ ضروری نہیں ایسے شخص سے تو خطاب ہی لاحاصل ہے، اس کو بجائے اس کے کہ ضرورت علم دین کی اس کے روبرو ثابت کی جاوے تجدید اسلام کا مشورہ دیا جاوے گا اور اگر ضروری ہے تو اس سلسلے کے بقاء کا پھر کیا طریقہ ہے؟ ظاہر ہے کہ بجز تعلیم وتعلم کے اور کوئی طریقہ نہیں، پھر مدارسِ عربیہ میں جس قدر ہورہا ہے ثابت ہوا کہ وہ غنیمت ہے، اس کو بے کار وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اپنے افعال واقوال کی نسبت یہ فکر نہ ہو کہ آیا یہ سب مرضی حق تعالیٰ کے موافق ہیں یا مخالف، جب یہ فکر ہوگی اس کی تفتیش کے درپے ہوگا، اور تفتیش کے بعد ان لوگوں سے پتہ لگے گا جو پھٹی لنگی اور پیوندزدہ کرتہ پہنے ایک گھنٹہ چٹائی پر ایک بوسیدہ کتاب کے مطالعے میں مشغول ہیں، جب روز روز اس سے مشکلات حل ہوں گے جب سمجھ میں آوے گا کہ یہ جماعت کس کام کی ہے؟ اور اس کام کی کتنی ضرورت ہے؟ اور وہ ان ہی بے نظم مدارس سے چل رہا ہے، اور جس کو اس کی ضرورت نہ ہو واقعی اس کے نزدیک یہ سب قصہ مہمل ہے۔

اور آگے جو قصہ ایک خدمت گزار ومعتقد علماء کا لکھا ہے کہ وہ ضروری مسائل سے

ناواقف تھا، سو اس میں علماء کا کیا قصور ہے؟ یہ اس شخص کی بے توجہی ہے کہ اس نے کبھی کسی سے نہ پوچھا، اور بے پوچھے علماء کس کس چیز کو بتلاتے پھریں؟ ان کی مثال طبیب کی سی ہے کہ کسی مریض نے کچھ شکایت کی، قارورہ ونبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیا۔ ضروری کام تو ان کے ذمہ اسی قدر ہے، البتہ بعض ایسے عالی ہمت بھی ہیں کہ مسلمانوں کی حالت کی خودنگرانی کرکے ضروریات کی اطلاع دیتے ہیں، اس کا طریق وعظ گوئی ہے، سودکان دارواعظین تو کسی شمار وقطار میں نہیں، محض جاہل ہیں، ان میں جو خیرخواہ وہمدرد واعظ ہیں ان کے ساتھ حکام ورعایا کی طرف سے جو معاملہ ہوتا ہے بجز انبیاء واولیاء کے اس کا کوئی متحمل نہیں ہوسکتا، اب کس برتے پر وعظ کہیں، سوائے اس کے کہ ایک گوشے میں بیٹھ جاویں، اور جو ان سے دریافت کرے جواب دے دیں، اور بیٹھے بٹھلائے خطرے میں پڑنا ہر شخص کی ہمت نہیں، نہ عقلاً ونقلاً کوئی اس کا مکلف ہے۔

اس کے بعد علماء کی حالت کو اصلاح کے قابل بتلایا ہے، میں اس کا بھی انکار نہیں کرتا، لیکن اگر شامتِ اعمال سے کسی عالم نے اپنی حالت درست نہ کی تو ان کا یہ کہنا تو غلط نہیں ہوسکتا کہ اتباعِ شریعت واجب ہے، ان کے اس قول پر تو عمل کرنا ضروری ہوگا، غایۃ مافی الباب یہ کہ ان سے بھی کہا جاوے گا کہ تم کیوں نہیں عمل کرتے، یہ کیا وجہ کہ ان کی درستی کا انتظام کیا جاوے، اور اس کے بعد اپنی درستی کا وعدہ کیا جاوے، اپنی درستی کے لئے تو ان کا قول کافی ہے، اور اگر فعل ہی کی ضرورت ہے تو کیا تمام علماء کے افعال نادرست ہیں؟ پھر ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟ جب درستی کا ارادہ نہیں ہوتا ہزاروں حیلے نکل آتے ہیں اور عازم درستی کے لئے ہر وقت درستی ممکن ہے۔

دسویں شبہے کا جواب

اس کے بعد ترمیم نصابِ تعلیم کو سند کے طور پر لائے ہیں کہ زمانے کے بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں اور اس سے کوٹ پتلون کا جواز ثابت کرنا چاہا ہے، عزیزِ من! تمام امور دو قسم پر ہیں: مقاصد اور ذرائع، مقاصد جو شریعت نے مقرر

کر دیے ہیں، آسمان بدل جائے، زمین بدل جائے، مگر وہ نہیں بدلتے، اور زمانے کے بدلنے سے تو وہ کیا بدلیں گے۔ ان احکام کا بدلنے والا ملحد وزندیق ہوتا ہے۔ رہ گئے ذرائع، وہ اصل میں ان مقاصد کی تحصیل کے لئے ہوتے ہیں، سو ممکن ہے ایک زمانے میں ایک مقصود کسی خاص طریقے سے حاصل ہوتا ہو، اس زمانے میں وہ طریق مطلوب ہوگا، دوسرے زمانے میں وہ مقصود دوسرے طریق سے حاصل ہونے لگا، اس لئے طریق اول کو چھوڑ کر دوسرا طریق اختیار کیا، بشرطیکہ دوسرا طریق کسی نص سے ممنوع الاستعمال نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ حج مقصود ہے، اور ہوائی جہاز میں سفر کرنا اس کا طریق، اب حج میں تو کسی مصلحت سے تغیر نہیں ہوسکتا، مثلاً: حج ماہِ ذی الحجہ میں ہوتا ہے، کسی شخص کو محرم میں فرصت ہوتی ہے، اس کے لئے محرم میں جائز ہوجاوے، یہ ناممکن ہے، اور طریق میں تغیر ہوسکتا ہے، مثلاً: بجائے ہوائی جہاز کے اب دخانی جہاز چلنے لگا، اب پہلا طریق ترک کر کے دوسرا اختیار کرنا جائز ہے۔

جب یہ قاعدہ سمجھ میں آ گیا تو سمجھنا چاہئے کہ تحصیل علم دین مقصود ہے، اور نصاب خاص اس کا آلہ اور ذریعہ، کسب حلال مقصود ہے، حرفت اور صنعت اس کا آلہ، سو زمانے کے بدلنے سے اگر نصابِ تعلیم بدل دیا جانا جائز ہو تو اس سے مقاصد کی تبدیل کا جواز لازم نہیں آتا، اور حرمت تشبہ بالکفار مقاصدِ شرعیہ میں سے ہے، قرآن و حدیث میں یہ مسئلہ مذکور ہے، سو جب تک کسی امر میں تشبہ رہے گا، وہ کسی زمانے کے بدلنے سے نہیں بدل سکتا، البتہ اگر کسی وقت میں کسی وجہ سے تشبہ ہی نہ رہے تو اب بہ وجہ اس کے کہ قانون تشبہ سے خارج ہوگیا، مباح ہوگا، تو باوجود اس تفاوت کے کوٹ پتلون کو نصاب تعلیم پر کس طرح قیاس کرنا صحیح ہے۔

گیارہویں شبہے کا جواب

اور وہ کون سی بات ہوگی جس کو علما دس برس پہلے حرام بتلاتے تھے، اور اب اس کے جواز پر فتویٰ دیئے جاتے ہیں، اگر وہ ذرائع میں سے ہے تو اس کی تبدیل کا قاعدہ ابھی

معلوم ہو چکا ہے، اور اگر وہ مقاصد میں سے ہے تو اس میں ایسی تبدیل کوئی نہیں کر سکتا اور اگر کسی نے ایسا کیا ہو، اس کی غلطی ہے، کسی کی غلطی سے قواعد شرعیہ نہیں بدل سکتے، عجب نہیں کہ تعلیمِ انگریزی اس سے مراد ہو تو جان لینا چاہئے کہ اس کو جس نے ممنوع کہا تھا یا اب بھی کہہ رہا ہے، نہ صرف زبان کی وجہ سے، بلکہ جو مفاسد اس کے ساتھ فی الحال مقرون ہوتے ہیں، یا آئندہ چل کر ہو جاتے ہیں، سو واقع میں ان مفاسد کو حرام کہنا مقصود ہے، سو وہ اب کون عالم ہوگا جس نے ان مفاسد کے جواز پر فتویٰ دے دیا ہوگا۔

بارہویں شبہے کا جواب

اس کے بعد علماء پر گوشہ نشینی کا الزام لگایا۔ عزیزِ من! آپ کو خبر نہیں جس پیغمبر (روحی فداہ) کا ہم کلمہ پڑھ رہے ہیں، اور آپ کی تصدیق و محبت کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں اور واقع میں یہی ہے آپ نے اس زمانے کی علامات بیان فرما کر بڑی تاکید اور زور سے مشورہ دیا ہے کہ گوشے میں پڑ کر، بلکہ جنگل میں کسی درخت کی جڑ دانت سے پکڑ کر اپنی جان دے دو۔ اور فرمایا ہے کہ: ''وہ ایسا زمانہ ہوگا جس میں صبح کو مسلمان، شام کو کافر، اور صبح کو کافر، شام کو مسلمان'' یہ حال ہو جاوے گا۔ اور فرمایا کہ:

''جب تم دیکھو کہ ہر شخص اپنی حرص کی اطاعت کرتا ہے، اور خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے، اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اور ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے۔ تو بس تم اس وقت اپنا دین سنبھالو، اور عوام سے تعرض مت کرو۔''

عزیز من! ان علامات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ زمانہ یہی ہے، پھر علماء نے کیا برا کیا جو گوشہ اختیار کیا۔ جو لوگ گوشوں سے نکل نکل کر ان فتنوں میں گھستے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو قوتِ ولایت عنایت فرمائی ہے تب تو خیر وہ سلامت رہتے ہیں، ورنہ اکثر لوگ دوسروں کی اصلاح میں خود بگڑ جاتے ہیں، جس طرح کوئی جلتی آگ میں کودے کہ دوسروں کو نکالوں گا، کچھ تعجب نہیں کہ خود ہی جل جاوے، اور بڑی وجہ اس کی یہی ہے کہ جن کی اصلاح کرتا ہے وہ خود اپنی اصلاح نہیں چاہتے، اس واسطے ادھر اثر

نہیں ہوتا، اور یہ شخص بعض اوقات بہ امید اصلاح ان کے ساتھ مداہنت و نرمی سے پیش آتا ہے اور ان کے اقوال و افعال پر چشم پوشی کرتا ہے، شدہ شدہ خود اس کا دل ظلمانی ہو جاتا ہے، چنانچہ بارہا اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

پس جس حالت میں دنیا پرستوں کی یہ کیفیت ہے کہ علماء کو اپنے رنگ میں ملانا چاہتے ہیں اور خود ان کے رنگ میں نہیں آنا چاہتے، تو بتلاؤ کہ عبث تضیع اوقات و آوارہ گردی سے کیا نفع؟ بس اپنا ہی دین بچ جاوے تو غنیمت ہے، البتہ جو شخص خود درخواست اصلاح کی کرے، اس کی اصلاح کے لئے سب حاضر ہیں، جب تک توقع اصلاح کی باقی رہے، اور جب مایوسی ہو جاوے اس وقت بجائے وعظ و نصیحت کے حق تعالیٰ سے دعا والتجا ہدایت کی کی جاتی ہے۔

تیرہویں شبہے کا جواب

اس کے بعد تین اجزا دین کے لکھے ہیں: عقائد و عبادات و معاملات، اور دو چیزیں رہ گئی ہیں، آدابِ معاشرت و اصلاحِ نفس، خیر یہ سب چیزیں واقع میں اجزائے دین ہیں، مگر اس کے بعد جو لکھا ہے کہ اعتقادات کا کوئی نصاب نہیں، خدا جانے! اعتقادات کے کیا معنی سمجھ لئے ہیں، جو اس کے نصاب کی نفی کر دی، اعتقادات چند و معدود چیزوں کی تصدیق کا نام ہے تو وہ سب چیزیں مفصل طور پر جداگانہ کتب میں مُدَوَّن و مجتمع ہیں، اور ہر دعوے پر دلائل قائم ہیں، یہ خود مستقل علم ہے، عبادات و معاملات کے تابع نہیں، جیسا مخاطب عزیز نے لکھا ہے۔ غرض! یہ جزو فہرست اجزا سے نہ گھٹ سکا، جس سے دینیات کا اختصار ثابت کرنا مقصود تھا، بلکہ یہ جزو سب اجزاء سے بڑھ کر مہتم بالشان ہے، اور اس میں بڑے بڑے عقلا کو لغزشیں ہوئی ہیں، اور اسی جزو کے اندر اختلافِ بے جا کرنے سے بہتر فرقے گمراہ پیدا ہو گئے، جن میں سے اس وقت ہندوستان میں معتزلیوں کی ترقی ہے، اور اکثر تصانیف و لیکچر اسی مذہب اعتزال سے مملوو مشحون ہیں، جن سے ہزاروں تباہ ہوتے چلے جاتے

ہیں، بھلا! اتنی بڑی چیز کو کسی طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا حصہ عبادات کا ہے جس میں آگے کلام آتا ہے، یہ بھی بہت بڑا حصہ ہے، تیسرا حصہ معاملات کا ہے، اس کو مخاطب عزیز نے تابع سلطنت قرار دے کر اس کی بھی صفائی کر دی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملات کے جزوِ دین ہونے کے معنی نہیں سمجھے، معاملات کا واقع ہونا جزوِ دین نہیں، بلکہ واقع ہونے کے وقت صحیح و مطابق قواعدِ شرع کے ہونا یہ جزوِ دین ہے، اس میں سلطنت ہو یا نہ ہو، جب کوئی معاملہ مطابق شرع کے ہوگا صحیح ہوگا، اگر مخالف ہوگا فاسد ہوگا، یہ دونوں شرعی مسئلے ہر حال میں صحیح ہیں، اس میں سلطنت و مسکنت دونوں مساوی ہیں۔

آگے جو لکھا ہے کہ زنا سے سنگ سار نہیں ہوتے، چوری سے ہاتھ نہیں کٹتے، اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ معاملات خارج دین ہو گئے، یا جو کچھ اب ہو رہا ہے یہ سب جائز ہے، اس کا جو حکم شرعی تھا کہ رجم و قطع ید واجب ہے، وہ اب بھی بحالہ محفوظ ہے، خواہ قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر مسلمان عمل نہ کر سکیں، اس میں عاصی ہوں یا معذور ہوں یہ دوسری بحث ہے، اس سے علم معاملات کا واجب التحصیل نہ ہونا کس طرح لازم آیا؟ علم دین کی تکمیل کے لئے تو اب بھی اس کے مسائل کا معلوم کرنا واجب و فرض ہے، اگر یہ شبہ ہو کہ پھر اس کا نفع کیا؟ سو نفع اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم صحیح ہو جاوے، یہ نہ سمجھے کہ اس میں سزائے جرمانہ و جیل کافی ہے۔

اس کے بعد جو صورت فرض کی ہے، وہ ذرا نازک ہے، مگر اس میں بھی کلام کرنا چاہتا ہوں۔ زنا کی نالش ایک دعویٰ ہے، اور عند الحاکم اس دعویٰ کے لئے گواہ کی ضرورت ہے اور گواہ ہونے چاہئیں چار، اور جو جو اس کی شرائط کتب دینیہ میں مذکور ہیں وہ سب مجتمع ہونا چاہئے، پھر خود اس کے صریح طور پر دیکھنے سے بھی احکام کا بھی فرق ہو جاتا ہے، اور اس عورت کی زوجہ و خواہر و مادر ہونے کے اعتبار سے بھی اختلاف احکام ہو جاتا ہے۔

میں سب کی تفصیل (صریح نہ دیکھنے میں دعویٰ زنا کا جائز نہیں، البتہ دعویٰ اختلاط و

ارتباط کا ہوگا، اور اس کی سزا تعزیر ہے، جس میں سزائے قید و جرمانہ و جیل وغیرہ سب داخل ہیں، اور صریح دیکھنے میں جب کہ گواہ نہ ہوں اگر اپنی بی بی یا محرم شرعی کو دیکھے قتل جائز ہے، مگر دعویٰ ناجائز، اور اگر بی بی کی نسبت دعویٰ کرے گا تو لعان لازم آوے گا، یہاں لعان ممکن نہ ہوگا، دعویٰ مطلق جائز نہ ہوگا اور دوسروں کو دیکھے تو نہ دعویٰ جائز نہ قتل وغیرہ جائز، البتہ بشرطِ قدرت مناسب تشدد یا فہمائش و نصیحت اس کا حق ہے) لکھتا، مگر بہ خوفِ تطویل سب کو حذف کر کے اتنا لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ فی الواقع جن صورتوں میں شریعت نے دعوے کی اجازت نہیں دی، دعویٰ کرنا حرام اور سخت معصیت ہے، اور اگر دعویٰ کیا، بلاشک یہ شخص معین ہوگا حکم مخالفِ شرع کا۔ رہا یہ شبہ کہ پھر کیا کرے؟ کیا خاموش ہو کر بیٹھ رہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر بالفرض اس کو کوئی گواہ معاینے کا میسر نہ ہو، اور کوئی شخص جھوٹی گواہی پر رضامند نہ ہو، تو اس وقت میں پوچھتا ہوں کہ یہ شخص کیا کرے؟ جو اس سوال کا جواب ہے، وہی عزیزِ مخاطب کے سوال کا جواب ہے، اور جس صورت میں دعویٰ کرنا جائز ہو بے شک دعویٰ کرے۔

رہا یہ امر کہ حکم قانونی خلافِ حکم شرع ہے، اور یہ شخص اس کا معین ہے، سو جو سزا اس میں قانون ہے وہ شرعاً تعزیر ہے، اور جو سزائے شرعی ہے وہ حد ہے، اور تعزیر بہ نسبت حد کے خفیف ہے، سو جو شخص اس مجبوری سے کہ اس کا پورا حق نہ ملے گا اپنا پورا حق چھوڑ کر جزوِ حق کا دعویٰ کرے، اور وہ اس کو دیا جاوے، تو اس مدعی کو کیوں گناہ ہوگا؟ اس نے کون سی مخالفت شریعت کی کی؟ جس شخص کے ہزار روپے کسی کے ذمہ واجب ہوں، مگر پانسو کی تو میعاد گزر گئی، اس لئے اس کے وصول سے مایوسی ہے، پانسو تازہ قرض تھا، اس کی ڈگری ہوگئی، تو اس صورت میں حاکم پر جو کچھ بھی الزام ہو مگر اس شخص پر کوئی معصیت نہیں، نہ اس نے کوئی مخالفت شرع کی کی، نہ مخالفت کی اعانت کی، مگر قطع نظر اس سب امور کے یہ علم دینیات سے خارج کیوں کر دیا جاوے، اگر تمام جہان بد پرہیزی کرنے لگے تو علم طب کا ایک حصہ اس بنا پر خارج کر دینا چاہیئے کہ اس

کے موافق کوئی عمل تو کرتا نہیں پھر کیا فائدہ؟

رہا یہ سوال کہ طالب علموں کو ان جرائم کی سزائے شرعی پڑھانے سے کیا فائدہ؟ اس کا ایک فائدہ تو اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بدونِ تعلم و تعلیم کے بقائے علم ممکن نہیں، اگر یہ سلسلہ منقطع ہو جاوے تو قطعاً اس جزوِ دین کا علم مفقود ہو جاوے، پھر اگر کسی وقت اس کی ضرورت پڑے تو بتلانے والے کہاں سے آئیں گے؟ اور اگر ایسا ہی حذف کرنا ہے تو سب سے اول قرآن مجید میں اختصار کرنا چاہئے کہ سب علوم کی جڑ وہی ہے، کیوں کہ جب ان احکام پر عمل نہیں ہوتا تو پھر ان آیات سے کیا فائدہ، پھر خدانخواستہ اگر کسی موقع پر نماز روزے سے ممانعت ہو جاوے تو وہ آیتیں بھی کم کر دی جاویں کہ یہ سب بے فائدہ ہیں، پھر نعوذ باللہ اگر مسلمان رہنے کی اجازت نہ رہے تو وہ آیتیں بھی نکال دی جاویں کہ یہ بھی بے فائدہ ہے، غرض! اس طرح تو سارا اسلام اور قرآن سب بے کار ٹھہرتا ہے، الٰہی توبہ۔

اس کے بعد جو تنگ ہو کر مسلمانوں کو دعائے خیر دی ہے کہ اللہ میاں اس جہان سے ان کو اٹھالیں تو ان کی نجات ہو، عزیز من! آپ نے تو یہ طعن سے لکھا ہے، مگر اتفاقی بات ہے کہ قلم سے سچا مضمون نکل گیا۔ واقع میں اس وقت اسلام خالص پر قائم رہنا اس قدر مشکل ہے، جیسا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

”ایسے زمانے میں اسلام پر قائم رہنا اس قدر دشوار ہوگا جیسے چنگاری کو مٹھی کے اندر بند کرنا۔“ اور اس لئے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”ایسے آشوب کے زمانے میں جو شخص دین پر عمل کرے گا اس کو پچاس صحابہ کے برابر اجر ملے گا۔“

اور اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

”آج وہ زمانہ ہے کہ ظاہر زمین بطنِ زمین سے بہتر ہے، یعنی حیات، اور ایک وقت آوے گا کہ بطن زمین ظاہر زمین سے بہتر ہوگا، یعنی موت۔“

کوئی شک نہیں اس فتنے کے زمانے میں اگر کوئی شخص اپنا دین لب گور تک

سلامت لے جاوے اس نے بڑا کام کیا۔ یاالٰہی امدد فرمائیو، ایمان پر خاتمہ کیجیو۔

اس کے بعد چھوٹے معاملات کو اُردو کی کتابوں میں مقید اور عبادت کے باب کو نہایت مختصر کیا گیا ہے، جس طرح مخاطب عزیز نے علماء پر بے خبریٔ واقعات دنیا کا حکم لگایا ہے، اس مضمون سے مخاطب عزیز پر بے خبریٔ واقعات دینیہ کا حکم لگایا جانا صحیح ہے۔ عزیزِ من! دین پر عمل کرنے والوں کی عبادات و معاملات میں جو نئی نئی صورتیں روزانہ پیش آتی ہیں ان کا احصاو شمار کرنے کا قصد کیا جاوے ممکن نہیں، اور ہر صورت کے متعلق جداگانہ حکم، جب صورتیں خارج از شمار ہیں تو ان کے احکام اس قدر مختصر کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ اس کی تصدیق کے لئے ایک ہفتہ یا ایک ماہ کسی فتویٰ نویس عالم کے خطوط کو دیکھا جاوے، ممکن ہے کہ اس میں بعض فضول سوال بھی ہوں، ان کو منہا کر کے ضروری سوالات جو روزمرہ پیش آتے ہیں، منتخب کر کے ان ہی اردو کی کتابوں اور قرآن مجید کے رکوع صوم میں ان کے احکام ڈھونڈے جاویں، تب اس دعویٰ کی صحت یا غلطی معلوم ہو، اور یوں بلا تجربہ و مشاہدہ جو کچھ کہا جاوے قابل التفات نہیں۔

آں عزیز نے دس برس پر تعجب کیا، جس کا نام کمالِ علم دین ہے وہ تو پچاس برس میں بھی خاطر خواہ میسر نہیں ہوتا، میری اس قدر عمر اس خدمت میں گزری ہے۔

مگر اب تک یہ مسئلہ مجھ کو معلوم نہیں، اور نہ کسی کتاب میں اب تک مجھ کو ملا، اور روزمرہ واقع ہوتا ہے کہ مسافر امام کے سلام کے بعد جب مقتدی کھڑا ہو کر نماز پوری کرے تو یہ تو معلوم ہے کہ فاتحہ نہیں پڑھتا مگر قومہ میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ یا ربنا لک الحمد. کہے یا نہ کہے، بھلا کسی اردو کی کتاب یا قرآن مجید کے کسی رکوع میں سے یہ مسئلہ نکال تو دیا جاوے اور اگر رائے سے جواب دیا جائے تو ہر شخص کی رائے معتبر نہیں، جس شخص نے تمام اصول و فروع و دلائل و نظائر کو احاطہ کیا ہو اسی کی رائے بھی قابل اعتبار ہو سکتی ہے، سو یہ احاطہ سالہا سال میں جا کر نصیب ہوتا ہے۔

اب بتلاؤ کہ دس برس زائد ہیں یا کم۔

چودہویں شبہے کا جواب

اس کے بعد جو مسجد کا رستہ لینے والوں پر عیب لگایا ہے، سو جس نے مسجد تحصیل مال کے لئے سنبھالی، بہت برا کیا، شریعت اس کو بھی لتاڑتی ہے، اور اگر عبادت وعلم کے لئے ایسا کیا، اور رزق کو اللہ تعالیٰ کے ذمے سمجھا تو کیا برائی کی؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت اگر مسجد نشینی نہیں کی تو کیا کیا؟ اور صحابہ سے ہدایا اور تحائف کیا قبول نہیں فرمائے؟ اور کیا آپ کو قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا:

﴿وامر اهلک بالصلٰوة واصطبر علیها
لانسئلک رزقا ط نحن نرزقک﴾ الآیة (سورۂ طٰہٰ:۱۳۲)

پھر اس میں عیب کیا ہوا، ساری بات یہ ہے کہ جو شخص ظاہراً ٹیپ ٹاپ سے رہتا ہے اس کے عیوب بھی موجب تحقیر نہیں ہوتے۔ اور جو شخص مسکنت غربت سے رہتا ہے اس کے ہنر بھی باعث تذلیل ہوتے ہیں۔ قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مسجد نشینوں کے فتوحات جو من جانب اللہ عنایت ہوتے ہیں جس قدر لوگوں کی نظر میں حقیر وذلیل ہیں، کیا کسی بڑے عہدے دار کی رشوت کی کمائی اس قدر نظر میں حقیر اور ذلیل ہے؟ ہرگز نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اہل ثروت کا کفر وفسق نظر میں نہیں چبھتا، اور غریب مسلمانوں کی دین داری واطاعتِ خداوندی بے قدری کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، انا للہ۔

پندرہویں شبہے کا جواب

اس کے بعد کوٹ پتلون کی حکایت مذکور ہے، اور ٹوپی کی تبدیل کو قومی لباس بن جانے کے لئے کافی کہا گیا ہے۔ جس سے سخت حیرت ہے، اگر کوئی شخص زنانہ پائے جامہ، زنانہ کرتہ، زنانہ دوپٹہ پہنے، مگر سر پر امتیاز کے لئے ٹوپی بھی اوڑھ لے، کیا کوئی عاقل اس شخص کے لباس کو صرف ٹوپی کی وجہ سے مردانہ لباس کہہ سکتا ہے، بلکہ اگر تمام تر لباس مردانہ ہو، مگر ایک کپڑا صرف زنانہ ہو، جب بھی لوگ دیکھیں گے اس کو ہنسیں گے، حالانکہ غالب حصہ مردانہ لباس ہے، پھر اس کے عکس میں تو کیا ہونا چاہئے۔

اور یہ جو پیشین گوئی کی ہے کہ دس برس کے بعد منکرین کو بھی پہننا پڑے گا، سو اول تو بلا دلیل یہ پیشین گوئی مقبول نہیں، پھر اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہوا تو اس وقت یوں کہو کہ یہ لباس بہت عام ہوگا، اور جو خصوصیت غیر اقوام کے ساتھ لباس کو ہے جس خصوصیت کی وجہ سے تشبہ کا حکم کیا جاتا ہے، یہ خصوصیت جاتی رہے گی، جب خصوصیت گئی تو تشبہ بھی گیا، پھر اگر مانع بھی پہننے لگے تو حرج کیا ہوگا لیکن جب تک خصوصیت باقی ہے، اور تشبہ حاصل ہے، حکم شرعی کس طرح اس پر متوجہ نہ ہوگا؟

اس کے بعد سواری میں اس لباس کی ضرورت لکھی ہے، سو میں اگر گھوڑے کی سواری جانتا تب تو اس کا عملی جواب دیتا، مگر افسوس کہ اب اس سے قاصر ہوں، لیکن اب بھی کئی شافی جواب رکھتا ہوں۔

اول: آں عزیز مدت سے گھوڑے پر خوب سوار ہوتے ہیں۔

دوم: بہت لوگ اس پر سوار دیکھے جو پچاس پچاس میل کا دورہ کرتے تھے، مگر یہ لباس ان کے پاس نہیں دیکھا، وہ کیوں کر سوار ہوتے ہیں؟

سوم: اگر یہ ہندوستانی کپڑا سواری میں جلد پھٹ جاتا ہے تو خدا کا فضل ہے، ایک پائے جامہ کی جگہ چار پائے جامہ بنالیے جاویں۔

چہارم: اگر کسی کپڑے کا پائے جامہ بنایا جاوے تو یہ بھی ممکن ہے کہ بشکلِ پائے جامہ ہندوستانی کے بنایا جاوے، ٹخنے بھی کھلے رہیں، پتلون بنانے کی کیا حاجت ہے؟

پنجم: اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدون اس کے سواری میں تکلیف ہوتی ہے تو غایت سے غایت صرف ایک چیز کی ضرورت ثابت ہوئی بشرطیکہ ٹخنا ضرور کھلا ہو، وہ بھی ایک خاص وقت میں، اس کے علاوہ جو بہت سی چیزیں خلاف شرع کمرے میں موجود ہیں، چنانچہ تصویر و باجہ وغیرہ اس کی کون ضرورت ہے؟ اسی طرح غیر وقت سواری میں اس لباس کی کیا حاجت ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ گشت سے فارغ ہو کر اس کو نکال دیا جاوے؟ اور پہننے کے وقت میں بھی اس کی کراہت و نفرت دل میں رکھی جاوے، اس طرح

ضرورت بھی رفع ہوگئی، اور زیادہ مخالفت بھی شریعت کی نہ ہوئی، اس لئے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں) خود مسئلہ شرعیہ ہے، مگر اس کے ساتھ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ بھی حکم ہے، یعنی ضرورت سے جس چیز کی اجازت ہوئی ہے وہ حدِ ضرورت تک جائز ہوگی، مثلاً ضرورت مبحوث فیہا میں اگر صرف پتلون سے ضرورت رفع ہو جاوے تو کوٹ جائز نہ ہوگا، جب صرف سواری کے وقت احتیاج ہے غیر وقت میں جائز نہ ہوگا، جب صرف استعمال بدنی کی حاجت ہے دل سے اس کو پسند کرنا جائز نہ ہوگا۔ دوائی تلخ جو بہ ضرورت استعمال کی جاتی ہے، کیا اس سے کوئی دل سے خوش ہوتا ہے؟ اگر وہ مکروہِ طبعی ہے تو یہ مکروہِ شرعی ہے، پھر اس میں کراہت ونفرت نہ ہونے کی کیا وجہ؟ اس طرح اگر استعمال ہو تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ عفو ہو جاوے۔

اور اس میں بھی بدون اس بات کے کہے رہا جاتا نہیں کہ اگر حاکم ضلع بالمشافہہ کسی خاص شخص کو بلا کر قطعاً کوٹ پتلون سے ممانعت کر دے اس وقت یہ عذر جو بمقابلہ حکمِ شرعی کے پیش کیے ہیں حاکم مذکور کے روبرو پیش کرنے کی مجال ہو سکتی ہے، بھلا! حاکم حقیقی کے احکام کو اقل درجہ حاکم مجازی کے برابر تو سمجھنا چاہئے۔

سولہویں شبہے کا جواب

اس کے بعد جمع بین الصلاتین کا مسئلہ ذکر کیا ہے۔ عزیز من! اسی لئے علماء کوشش کرتے ہیں کہ دینیات کا علم کافی ہونا ضروری ہے، ورنہ علم ناتمام سے خود رائی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ تو تحقیق کرنا چاہئے کون سے موقع پر فتویٰ دیا ہے؟ اور وہ موقع آں عزیز کو پیش آتا ہے یا نہیں؟ بتلاؤ: یہ قیاس اور رائے محض نہیں تو کیا ہے؟ افسوس ہے کہ کسی حاکم کے قانون میں بلا تحقیق اس طرح یوں ہی اٹکل قیاس کر کے کوئی عمل کر سکتا ہے، کوئی لفظ بھی مشتبہ ہوتا ہے تو اس کو جگہ جگہ دکھلاتے پھرتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے، اور اگر ہر جگہ جدا مطلب معلوم ہو جس میں سب سے زیادہ احتیاط ہو

اس پر عمل کرتے ہیں اور احکام خداوندی میں ایسی بے با کی کہ فتویٰ دوسرے موقع کا، اور اس کو جاری کرلیا اور جگہ، خیال کرنے کی بات ہے کہ بے پروائی کی بات ہے یا نہیں۔

اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے جو محدث ہیں حدیث نقل کردی۔ محدث کا کام نقل کردینا ہے، اس کا سمجھنا اور احکام میں تطبیق دینا یہ کام فقہا و مجتہدین کا ہے، سو تمام امت کا اس پر اجماع ہے (اور اجماع حجت قطعیہ ہے مثل قرآن وحدیث کے) کہ بلاسفر و مرض جمع کرنا حرام ہے، اور نماز صحیح نہیں ہوگی، اور سفر و مرض میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں، اور جو نظیر میں نے اوپر قانونِ حکومت پر عمل کرنے کی لکھی ہے وہ اس مسئلہ میں امام صاحب کے قول کو ترجیح دینے کے لئے کافی ہے، اور جب کہ سفر و مرض میں بھی نہ ہو تو یہ جرأت کس طرح ہوسکتی ہے، خدا کے لئے اس کو ترک کرنا چاہئے، اس طرح نماز بالکل ذمے رہتی ہے، اور جتنی نمازیں اس قسم کی پڑھی ہیں تخمینہ کرکے ان کی قضا کرنا چاہئے۔

اس کے بعد معذرت نسبت اظہار شبہات کے لکھی ہے، یہ آں عزیز کی صلاحیت و سعادت مندی ہے، ورنہ مجھ میں نہ طبابت کی لیاقت ہے نہ علاج کی قابلیت، مگر محض خیر خواہی و دل سوزی سے جو کچھ بھی فی البدیہہ آیا میں نے لکھ دیا۔ اگر اب بھی کوئی شبہ ہو تو بے تکلف پیش کیا جاوے، مگر جو بات ہو مربوط ہو، غیر مربوط مضامین سے کلام، پھر اس کا جواب بہت طویل ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہوئی اس تقریر کے بڑھ جانے کی کہ اکثر مضامین مدعائے اصلی سے محض زائد تھے اور یوں جیسے مضامین ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ برابر جواب دوں گا، اور جو مجھ کو معلوم نہ ہوگا اور کسی عالم کا پتہ بتلادوں گا، اگر آں عزیز کو طلبِ حق دل سے ہوگی اور اپنی رائے میں احتمال غلطی کا ہوگا، تو ان شاء اللہ تعالیٰ حق واضح ہوجاوے گا اور میں نے صرف یہی جواب نہیں لکھا، بلکہ برابر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ غلطی سے نجات بخش کر ہدایت حق کی فرماوے، اللہ تعالیٰ قبول فرماویں۔

اس کے بعد جو نوکری کے متعلق استفسار کیا ہے، عزیز من! وہ ایک فرع ہے، مقدم

درستی اصول کی ہے، اس لئے میں نہ ابھی اس نوکری کو جائز کہوں نہ ناجائز، بعد تشفی و اصلاحِ اصول کے ان شاء اللہ تعالیٰ جو کچھ اس میں میری تحقیق ہے ظاہر کروں گا، چندے مجھ کو مہلت دی جاوے، اور امورِ اختلافیہ کا فیصلہ کرلیا جاوے۔

سترہویں شبہے کا جواب

سب کے آخر میں جو شبہ خصوصیت بعثت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطے اصلاح عرب کے لکھا ہے، اس سے رونگٹے کھڑے ہوگئے (یہ نہ سمجھیں کہ بس یہ جواب ہوگیا، جواب تو آگے لکھتا ہوں، مگر یہ اظہار ہے ایک طبعی حالت کا) عزیز من! یہ عقیدہ یہود کا تھا، جس کی تردید قرآن وحدیث میں صاف صاف مذکور ہے، اور حضور کا عامہ خلائق کی طرف مبعوث ہونا منصوص ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا ونذیرا﴾...(سورۂ سبأ:۲۸)

اور ارشاد ہوا ہے:

﴿وما ارسلنک الا رحمة للعلمین٥﴾...(سورۂ الانبیاء:۱۰۷)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

بعثت الی الخلق کافة. (میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔)

اور حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”جو شخص میری خبر سن لے خواہ یہودی ہو یا نصرانی، پھر وہ ایمان نہ لاوے، ضرور دوزخی ہوگا۔“

یہ تو قولی حجت ہے۔ اب عملی دلیل سنیے! حضور نے قیصرِ روم، کسریٰ فارس ونجاشی حبشہ ومقوقس مصر کے پاس فرمانِ مبارک اسلام لانے کیلئے اور درصورت مسلمان نہ ہونے کے اُن پر گناہ ووبال کے لکھ لکھ کر بھیجے، اگر آپ کی بعثت خاص ہوتی، آپ ایسا امر کیوں فرماتے، اب نصوص کے بعد اس میں کیا تردد ہوسکتا ہے کہ آپ جمیع خلق کی طرف مبعوث ہوئے۔

اب جو امور مخاطب عزیز کے اس خیال کے اسباب ہیں ان کی نسبت لکھتا ہوں۔

امرِ اوّل: وموجب شبہ

اس زمانے کے عرب اپنی زبان میں فصیح وبلیغ تھے، ان کے لئے قرآن زبانِ عربی میں نازل ہوا، جس سے ان کو یقین ہوا کہ وہ کلامِ بشر نہیں۔ فقط

عزیز من! اول تو علاوہ کلام اللہ حضور کے معجزات ہزاروں ہیں، جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اگر کلام اللہ کو نہ سمجھا کوئی حرج نہیں۔

پھر یہ کہ جب ایک قوم نے بعد ہزاروں مخالفت کے آپ کو مان لیا۔ دوسروں کیلئے صرف یہ امر کافی ہے کہ جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں اور وہ مقابلے سے عاجز ہوگئے، ضرور یہ کلام معجزہ ہے، پس معجزہ قرآنی بایں معنی عام ہوگیا۔

امرِ دوم: موجبِ شبہ

تمام عمر جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم میں رہے، اور جب ان کی تکمیل ہوگئی وفات فرمائی۔ فقط

میں کہتا ہوں: یہ کیا ضرور ہے کہ جو شخص جماعت کی اصلاح کیلئے بھیجا جاوے وہ ہر شخص کے پاس جایا کرے، ورنہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ عرب میں بھی جن بستیوں میں آپ تشریف نہیں لے گئے وہ بھی آپ کے دائرۂ نبوت سے خارج ہوں۔

اگر کہا جاوے کہ ملکِ عرب سب ایک ملک ہے، ہم کہیں گے: سب زمین عالم کی ایک زمین ہے، اگر آپ ہر جگہ تشریف نہیں لے گئے تو آپ کے فرمانِ مبارک تو جا بجا پہنچے، جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے، اور تکمیل عرب کے بعد وفات فرمانا یہ بھی کوئی حجت نہیں، اگر کوئی حکیم مصلح کسی خاص بستی کی اصلاح کیلئے بھیجا جاوے، اور پچاس، سو لائق آدمیوں کی تکمیل کر کے اور باقیوں کی تکمیل ان کے حوالہ کر کے واپس چلا جاوے، کیا یوں کہا جاوے گا کہ بس جن کی تکمیل ہوئی ان ہی لوگوں کی اصلاح مقصود ہے؟ یا یوں کہیں گے کہ اصلاح سب کی مدنظر تھی، مگر بعض کی تکمیل سے سلسلہ تکمیل کا جاری ہوگیا، اس لئے اب رہنے کی ضرورت نہ ہوئی۔

امرِ سوم: موجبِ شبہ

دیگر اقوام نے آپ کے قرآن کو اس بنیاد پر نہ مانا جس پر عرب نے مانا تھا، بلکہ ان لوگوں کو عرب نے بزورِ شمشیر زیر کیا، اور ان کو زبردستی مسلمان کیا الخ۔

میں کہتا ہوں: قرآن مجید کا معجزہ عام ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے، سو جب حق واضح ہو گیا اس کی مخالفت عقلاً کسی کو جائز نہ ہوئی، اس لئے قانونِ اسلام نے مزاحم ومخالف کی قوت کو گوارا نہ کیا۔ اطاعت کی یہی دو صورتیں ہیں: اسلام یا جزیہ، یہ خود قانون اسلامی ہے، صحابہ کی ایجاد نہیں، قرآن وحدیث کے ماہر پر یہ امر مخفی نہیں، اور یہ امر گو ہمارے دعوے میں مضر نہیں، مگر بالکل خلافِ واقع ہے کہ زبردستی مسلمان کیا، صحابہ اول تبلیغ کرتے تھے، اور رفع شبہات ومناظرے کی اجازت دیتے تھے، اور وضوحِ حق کے بعد ترکِ مخالفت میں زبردستی بھی جو عقلاً جائز ہے، چنانچہ بعد ثبوتِ حکومت گورنمنٹ کے باغی کو سزا دینا بالکل درست وموافق عقل کے ہے، اور ترکِ مخالفت کی وہی دو صورتیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

امرِ چہارم: موجبِ شبہ

بہت لوگوں کو آپ کے پیغمبر ہونے کی خبر نہیں ہوئی۔ فقط۔

میں کہتا ہوں: عمومِ بعثت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سب کو خبر ہو جاوے، بلکہ رحمت خداوندی سے اس میں یہ وسعت ہے کہ جس جس کو خبر ہوتی جاوے قبول کرتے جاویں، اور جس کو خبر نہ ہو وہ معذور ہے۔

امرِ پنجم: موجبِ شبہ

ہندوستان وامریکہ وافریقہ کی ہدایت کیا ہوئی فقط۔

اس کا جواب امر شبہ چہارم میں گزر چکا، میرا ارادہ اس میں زیادہ لکھنے کا تھا، مگر چوں کہ عمومِ بعثت کے دلائل بہت قطعی وصاف ہیں اور شبہات مذکورہ نہایت ضعیف۔ اس لئے اختصار کیا گیا، اگر خدانخواستہ! یہ کافی نہ ہوں تو اس سے زیادہ لکھنے کو تیار ہوں۔

خط نصیحت آمیز جس کا ذکر خطبے میں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت عالی مرتبت مجمع اخلاق والطاف سلمہم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہر چند کہ مجھ کو آپ سے صوری نیاز حاصل نہیں، مگر آپ کے اخلاق واوصاف سن کر غائبانہ تعلق ہے، جس نے اس عرض کی جرأت دلائی، میری گم نامی وناشناسائی پر نظر نہ فرمائیں، بلکہ **انظروا الی ما قال، ولا تنظرو االی من قال** کو پیش نظر رکھئے۔ اب بنامِ خدا شروع کرتا ہوں۔

مکرما! جہاں تک آپ کے مساعی وتصانیف کو غور کر کے دیکھا، یوں معلوم ہوا کہ آپ کو دو چیزیں مقصود ہیں: خیر خواہیِ اسلام، وخیر خواہیِ مسلمانان، خیر خواہیِ اسلام نے اس پر مجبور کیا کہ جو اعتراضات مذہب اسلام پر مخالفین کے ہیں ان کے جواب دیے جائیں، اور خیر خواہیِ مسلمانان اس امر کا باعث ہوئی کہ مسلمان جو حضیض تنزل (پستی) میں گرے ہیں ان کو ترقی پر پہنچایا جاوے، ان دونوں مقصودوں کے مستحسن ہونے میں کسی منصف کو کلام نہیں ہوسکتا۔ مگر صرف غور طلب یہ امر ہے کہ اس کے ذرائع اور وسائل کیا چیز ہیں؟ اس کی تعیین باعث اختلاف خیالات جمہور اہل اسلام ہے۔

آپ نے اسلام کے اوپر سے اعتراض دفع کرنے کی یہ صورت ٹھہرائی کہ جو تحقیقات جدیدہ ہیں ان میں کلام نہ کیا جاوے، بلکہ جس طرح بن پڑے اسلام کو اس پر منطبق کر دیا جاوے، اور منشا اس تجویز کا صرف یہ دلیل ہے کہ تحقیقاتِ جدیدہ مطابق واقع کے ہیں، اور اسلام غیر مطابق واقع کے نہیں، دوسرے مقدمے کے تسلیم میں تو کسی مسلمان کو گنجائش نہیں رہی، پہلا مقدمہ وہ محل کلام ہے، اس کی کیا دلیل ہے کہ سب تحقیقاتِ جدیدہ صحیح ہیں؟ تمثیلاً بعض امور کو پیش کرنا چاہتا ہوں، مثلاً: فلاسفہ کی تحقیق

ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز نہیں، بھلا اس کی صحت پر کون سی دلیل قائم ہے؟ اگر یہ رنگ جو نظر آتا ہے آسمان نہ ہو اس سے آگے بہت دور موافق حدیث صحیح کے پانچ سو برس کی مسافت پر پہلا آسمان موجود ہو، اس سے آگے اور سماوات ہوں تو کون سی دلیل عقلی قطعی کی مخالفت لازم آتی ہے؟ مثلاً: ان کی تحقیق ہے کہ اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج اور جن موافق عقائد اسلام موجود نہیں۔ اس کی کیا دلیل ہے؟ اگر کہے کہ باوجود تلاش ملے نہیں، جن نظر نہیں آئے تو جہان میں کسی چیز کا نہ ملنا، نظر نہ آنا دلیل اس کے عدم کی نہیں ہوتی، امریکہ کا حال پہلے معلوم نہ تھا، سیاحانِ ارض کو پتہ نہ لگا تھا، اور معتبر اخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ نئے نئے حصے نکلتے آتے ہیں، تو کیا یہ مقامات اس وقت معدوم تھے؟

رہا یہ کہ جن شہروں کا نام مفسرین نے لکھا ہے وہاں نہیں ملے، تو اول حق تعالیٰ میں قدرت ہے کہ باوجود یہ کہ انہیں مقامات میں موجود ہوں پھر محجوب کر دیے جاویں، چنانچہ عنقریب بحث معجزہ میں یہ مضمون آتا ہے، اور بعد تسلیم ان مقامات میں نہ سہی اور کہیں ہوں، نصوص کی کیوں تاویل کی جاوے؟ مثلاً: فلاسفۂ جدید نے معجزات انبیاء کا انکار کیا اس وجہ سے کہ یہ خلاف فطرت ہے، اس پر کون سی شافی دلیل موجود ہے جس سے نصوص کو مصروف عن الظاہر کیا جاوے؟

رہا یہ کہ خلاف فطرت ہے اس فطرت کی ماہیت آج تک متعین نہیں ہوئی، جس سے کوئی قاعدہ منضبط ہو سکے، نہ یہ کسی دلیل یقینی سے ثابت ہوا کہ فطرت کے خلاف کیوں محال ہے، اگر فطرت کی حقیقت عادتِ الٰہی ٹھہرائے، اور دلیل استحالہ خلاف فطرت یہ ٹھہرائے کہ عادتِ الٰہی وعدۂ فعلی ہے، اس کا خلاف مثل وعدۂ قولی کے محال ہوگا۔

سو اول تو ان دونوں مقدموں میں کلام ہے، کیوں کہ عادتِ الٰہی اول وعدہ نہیں، یہ امر دلیل طلب ہے، دوسرے عادت کے لئے یہی ضرور نہیں کہ ہر روز واقع ہوا کرے، بعض امور میں یوں ہی عادتاً ہو کہ گاہ گاہ واقع ہو جاتا ہو، اور معجزات اسی قبیل سے ہوں، اس سے استدلال کا جواب بھی ہو گیا۔

﴿فطرت الله التی فطر الناس علیها ط لا تبدیل لخلق الله﴾ (سورۂ روم: ۳۰)
اور ﴿ولن تجد لسنة الله تبدیلا﴾ (سورۂ فتح: ۲۳)

یہ جب ہے کہ ان آیات کے وہی معنی تسلیم کر لیے جاویں جو آپ فرماتے ہیں، اور اگر دوسری توجیہ کی جاوے جیسا کہ مفسرین محققین نے کی ہے، اور وہ توجیہ آپ کی تاویلات سے زیادہ بعید نہیں، اس وقت استدلال ہی صحیح نہیں، جواب کی کیا حاجت ہے، دوسرے یہ کہ ریل وتار برقی اور فوٹو گراف اور ٹیلیفون اور فون اور خاک وبلا کیا کیا ایجاد ہوا ہے، آپ انصاف سے فرمایئے کہ اگر یہ چیزیں کسی نے نہ دیکھی ہوں، اور آپ کا قاعدہ کہ خلافِ عادت محال ہے، اس کے نزدیک مسلم ہو تو وہ ان چیزوں کے وجود کا اس قاعدہ سے انکار کرے گا یا نہیں، ضرور انکار کرے گا، پس اگر وہ قاعدہ صحیح ہے تو آپ کو بھی ان چیزوں کا انکار ضروری ہے، بلکہ صانع عالم کا ماننا ضروری نہ ہوگا، اگر ان چیزوں کا وجود مسلم ہے تو قاعدہ سے دست بردار ہونا ضروری ہے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ یہ چیزیں تو مستند (الی الاسباب) ہیں، اور معجزہ تو بلا سبب ایک فعل ہو جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسبابِ دنیاویہ اختیاریہ للعباد میں انحصار اسباب کا کسی دلیل سے ثابت ہونا چاہئے، حق تعالیٰ کی مشیت اور حکم کتنا بڑا سبب ہے، اس کے سبب ہونے میں کیا خرابی عقلی ہے؟ پس ثابت ہوا کہ انبیا سے معجزہ ہر قسم کا صادر ہونا ممکن ہے، پھر کیوں نصوص کی تاویل کی جاوے؟

یہی حال دوسری تحقیقاتِ جدیدہ کا ہے کہ اکثر اس میں مخدوش اور مبنی بر تخمین و تقلید ہیں، البتہ اگر کوئی دلیل عقلی ایسی ہو کہ اس کے تمام مقدمات برہانی ہوں، یا مشاہدہ صحیحہ ہو، جس میں احتمال غلط فہمی کا نہ ہو اور پھر کوئی نص ظاہراً اس کے مخالف معلوم ہو، اس وقت اس نص میں تاویل مناسب ضرور ہے، مثلاً: نصوصِ قرآنیہ سے ید اور وجہ وغیرہ حق تعالیٰ کے لئے ہونا ظاہراً معلوم ہوتا ہے، اور دلیل قطعی سے انتفائے اجزا ثابت ہے، ان لفظوں میں البتہ تاویل کی گئی، اور تاویل میں بھی یہ شرط

ہے کہ موافق قواعدِ عربیہ وشرعیہ ہو، ورنہ وہ تحریف ہے، آپ کی تاویلات اولاً بلا ضرورت، جیسا اوپر بیان ہوا۔ ثانیاً قواعدِ عربیہ کی پابندی، نہ قواعدِ شرعیہ کی، پہلے علماء نے بھی ملاحدہ کے جواب دیئے ہیں، مگر اس طرح کہ اول ان کی تحقیقات کو منہدم کیا، اور جس تحقیق کو بالکل صحیح پایا، اس جگہ مناسب تاویل کی۔

اسی جگہ سے معلوم ہوگیا کہ آپ نے جو اکثر احادیث نبویہ کو غیر معتبر ٹھہرایا ہے اس کی بھی کوئی دلیل نہیں، اگر دلیلِ مخالفت دلیلِ عقلی ہے تو معلوم ہو چکا ہے کہ دلیل عقلی سے مراد دلیل قطعی ہے نہ کہ دلیل وہمی ورنہ اس دلیل عقلی کی تعیین مشکل ہو جاوے گی، پس کون بعض عقل کو اس کا معیار قرار دیں گے، کیوں کہ عقول میں تفاوتِ فاحش ہے، پھر ہر شخص کی عقلی تحقیق جدا ہوگی، اور سب کو صحیح ماننا پڑے گا، اس میں تو اجتماعِ نقیضین والتقائے ضدین (ضدین کا جمع ہونا) لازم آوے گا، مثلاً بطلیموس اور فیثا غورس حرکت وسکون زمین وآسمان میں مختلف ہیں، افلاطون وارسطو حدوث وقدومِ ارواح میں متخالف ہیں، پھر ایک کی تحقیق تو ضرور غلط ہوگی، ہر گاہ تحقیق عقلی کی غلطی بھی ممکن ہوئی تو آپ کو کیسے وثوق ہوا کہ آپ کی عقلی دلیل ایسی صحیح ہے کہ لابد نص میں تاویل ہی واجب ہے۔ معلوم ہوا ایسے کی عقل ان امور میں قابل وثوق نہیں۔ جن کی نبوت واخبار عن الواقع مسلم ہے ان کی خبر قابل اعتبار ہوگی، عقل کا کام اتنا ہی ہے کہ توحید ورسالت کہ اصولِ عقلیہ میں سے ہیں سمجھ لے، آگے فروع میں زمامِ اختیار بدست حاکم حقیقی اور اس کے خلیفۂ اعظم کو دے دیں۔

دیکھئے! جب سلطانِ وقت بعد تدبر وتفکر کے اپنے کسی حاکم کی معرفت کوئی قانون ملک میں جاری کرے، رعایا کو اس تحقیق کی تو ضرورت ہے کہ یہ سلطان ہے، اور فلاں شخص اس کا حاکم، تا کہ بے اصل منادی پر جو کسی نے براہِ بغاوت یا براہِ تمسخر شہر میں کردے عمل نہ کرلیں، اور جب دونوں امر محقق ہو گئے تو اب اس قانون میں غور کرنا کہ ہماری عقل کے خلاف تو نہیں محض ناجائز ہے، اگر ایسا کیا اور اپنی عقل کا اتباع

کر کے قانون کا انکار کیا یا تاویل بعید کی تو معذور نہ ہوگا، اور اگر یہ باب مفتوح ہو تو ملک میں قوانین کا جاری ہونا موت ہو جاوے، اور بغاوت عالم گیر ہو جاوے، یہی حال حاکم حقیقی کے قوانین کا سمجھنا چاہئے، اور اگر انکار حدیث اس بنا پر ہے کہ ان میں کسی قدر اختلاف ہے، سو اتنا غور فرمالیجئے کہ تواریخ و اخبار میں اختلاف ہوتا ہے یا نہیں، ہرگاہ اختلاف موجود ہے۔ پھر چاہئے کوئی تاریخ و خبر معتبر نہ ٹھہرے، جیسے مؤرخین راویانِ اخبار کے معتبر ہونے کو دیکھ کر مان لیتے ہیں، اور اختلاف کو مضر تسلیم نہیں سمجھتے، ایسے ہی حدیث میں رواۃِ اسناد کے حالات اسماء الرجال سے تحقیق کر کے اس کے ساتھ یہی عمل درآمد کریں تو کیا حرج ہے؟

اس تقریر سے غالباً آپ کے تمام خیالات کا جو باعث ایسی تحریرات کے ہوئے جواب ہوگیا ہے۔ علاوہ اس کے ہر کارے و ہر مردے تحقیقاتِ دینیہ میں گفتگو کرنا اور لوگوں کا کام تھا۔ آپ اس جملے سے یہ نہ سمجھیے کہ میں آپ کے علم و عقل کا منکر ہوں، یہ بات نہیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ ہر امر میں اس شخص کی وقعت و تاثیر ہوتی ہے جس سے اس کا پہلے سے اعتبار ہو، علمائے محققین کی تحقیقات مسلمانوں میں معتبر سمجھی گئی ہیں اور وہ لوگ اس کام کو کم و بیش کر بھی رہے ہیں، وہ اس خدمت کے لئے کافی تھے۔

دوسرے یہ کہ ہر شئی کے لئے ہر زمانے میں اس کے مناسب لوازم و خواص و آثار ہوتے ہیں، اول تو ہر زمانے میں نہیں تو اپنے زمانے میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق مسائل کے لئے اتنی چیزیں ضروری ہیں،: وہ شخص عالم مشہور ہو، متقی پرہیز گار ہو، یہی شغل زیادہ ہو، لوگ اس کو دین دار و فہیم سمجھتے ہوں، دنیا میں زیادہ آلودہ نہ ہو، اور جس شخص میں یہ صفات نہ ہوں اس کو اس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہئے، کیوں کہ سعی لاطائل و جہد باطل ہے، سو جیسی حالت اس وقت آپ کی ہے ایسی حالت پر آپ کی کوئی تحقیق صحیح بھی ہوتی تب بھی سکوت فرمانا چاہئے تھا، کیوں کہ ایسی حالت میں بولنا اور بولنا بھی ایسا جو سارے جہان کے خلاف ہو بیٹھے بٹھلائے اپنے مسلمان بھائیوں

میں تفرقہ ڈالنا ہے، جس کو آپ سب سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں، اور تعجب ہے کہ اس تفرقے کے سبب عظیم پر آپ غور نہیں فرماتے۔

یہاں تک تو خیر خواہی اسلام پر معروض کیا گیا، دوسرا امر مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کی ترقی کی تدبیرات کرنا ہے، اس کے مستحسن ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں کرتا۔ ہاں! اس کے متعلق جو تدابیر کی جاتی ہیں وہ البتہ غور طلب ہیں، خلاصہ تمام تر آپ کی کارروائیوں کا یہ ہے کہ انگریزی میں اعلیٰ درجے کی لیاقت واستعداد حاصل کر کے بڑے بڑے عہدے اور حکام تک رسائی اور قوم میں وقعت حاصل کریں۔ میں اس میں زیادہ گفتگو کرنا کہ انگریزی پڑھنا بحالت کذائیہ (یعنی موجودہ حالت) کیسا ہے؟ اور اس کا اثر کھلی آنکھوں مذہب پر کہاں تک پڑ رہا ہے؟ نہیں چاہتا کہ اولاً اس میں بحث طویل ہے، دوسرے علماء سے تحقیق ہوسکتی ہے۔

صرف اس قدر عرض کرتا ہوں کہ اول تو ترقیٔ قومی انگریزی پڑھنے میں منحصر نہیں۔ میری رائے میں اگر ترقی وقعت مطلوب ہے تو ترقیٔ مالی اس کا ذریعہ ہے، اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے کہ علم وکمالات پر کسی کی بھی نظر نہیں الا ماشاء اللہ، عوام، میں حکام میں مال دار کا اعتبار ہے، اس کی عزت ہے، اس کو خطاب والقاب ملتے ہیں، اکثر مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے، مجسٹریٹی وغیرہ عہدے بھی مل جاتے ہیں، مشورۂ حکام میں بھی شریک کئے جاتے ہیں، خواہ انگریزی ایک حرف بھی نہ جانتے ہوں، اور اگر ترقیٔ مالی مطلوب ہے تو تجارت وصنعت سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ ہر شخص ہر وقت میں پیشہ ور و تاجر کا محتاج ہے، تعلیم انگریزی خواں فیصدی دس جمعیت سے ہوں گے۔ اور اہل صنعت و تاجر فیصدی دس پریشان ہوں گے۔ اگر بجائے تعلیم انگریزی صنائع کی تعلیم کا اہتمام فرماتے تو قوم کو زیادہ نفع ہوتا۔

ثانیاً: اگر فرض کرلیا جاوے کہ ترقیٔ قومی انگریزی تعلیم میں منحصر ہی ہو، سرکاری مدارس کیا کچھ کم تھے جو جناب کے مدرسے کی حاجت ہوئی؟ اگر یہ وجہ بتلائی جاوے کہ

ان مدارس میں مذہبی خیالات خراب ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے مدرسے کی ضرورت ہوئی جہاں مذہبی تعلیم بھی ہو۔ مگر ما! سچ کہتا ہوں، اور آپ بھی دل میں جانتے ہوں گے کہ سرکاری مدارس کے تعلیم یافتہ ایسے بدعقیدہ نہیں جیسے اس مدرسے کے اکثر تعلیم یافتہ ہیں، اگر نماز و وعظ کے انتظام کو آپ عذر پیش کریں تو یہ خوب جان لیں کہ جب تک آپ کے خیالات نہ بدلیں گے آپ کے متبعین کی وہی کیفیت رہے گی۔

ثالثاً: یہ بھی فرض کر لیا جاوے کہ اس مدرسے کی ضرورت ہی ہے، اور اسی مدرسے سے ترقی دین و دنیا کی ہوسکتی ہے تو اس صورت میں انصاف سے دیکھئے ترقی کے مستحق زیادہ کون لوگ ہیں، اُمرا یا غربا، امرا کو تو پہلے سے ترقی حاصل ہے، آپ کی مطلوب ترقی نہ سہی، مگر کسی قسم کی تو ہے، جو ان کے لئے کافی ہے، ان کے لئے زیادہ اہتمام کرنا تحصیل حاصل کی قبیل سے ہے، البتہ غربا اس کے زیادہ مستحق تھے، غریب بچوں کو مدرسے میں داخل کیا جاتا، ان کے مصارف کی کفالت کی جاتی، ان کو تعلیم و تربیت کر کے معزز عہدوں پر ممتاز کراتے، ان کے دل سے دعا نکلتی۔ خیر! اگر قبولِ دعا کوئی چیز نہیں تو ان کے دلوں کو راحت تو پہنچتی، یہ تو آپ کے نزدیک بھی محمود چیز ہے۔ اب تو تحقیق ہوا ہے کہ غریب کا گزر وہاں مشکل ہے، پھر ہمدردیٔ قومی و خیر خواہی مسلمانان کہاں رہی؟

پھر اُمرا نے پڑھ کر ترقی بھی کی تو اول تعلیم میں کس قدر صرف ہوتا ہے، خصوصاً جو لوگ کہ یہاں سے ولایت جاتے ہیں جو آپ کے نزدیک عین صلاح ہے، ان کا اس قدر صرف ہوتا ہے کہ اس رقم کا بڑا گاؤں آسکتا ہے، یا تجارت کر کے اس کا بڑا کارخانہ بن سکتا ہے، جس میں اس شخص کی استعداد کے قریب کے لوگ کارکن مقرر ہوسکتے ہیں، اس سے بھی قطع نظر کر لی جاوے تو مبلغ ترقی یہ ہے کہ بیرسٹر ہو گئے، یا کوئی حکومت مل گئی، اگر بیرسٹر ہیں تو انہوں نے ستانا شروع کیا، جو دو قومی بھائی لڑیں تو ہماری ضرورت رفع ہو، ان کی مراد پوری ہوئی، کسی نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو ایک پیشی کے دو چار سو روپیہ علی قدر اپنے کمال کے اس سے فرمایا، اس نے کچھ کم کہا تو خفا ہو کر

نکالنے کا حکم دیا۔ صاحب الغرض مجنون اس نے معذرت کر کے وہ رقم قبول کی، اور جہاں سے ہو سکا توڑ جوڑ کر بندوبست کر کے ان کا رومال بھر دیا، خدا کی قدرت! پہلی پیشی میں بحث تمام نہ ہوئی، دوسری تاریخ مقرر ہوئی، اس تاریخ میں بھی وہی رقم مانگی گئی۔ غرض ادو تین پیشیوں میں اس کا، اس کے اعزہ کا گھر لٹ گیا، بھلا! یہ کیا ترقی و ہمدردی ہے کہ دس گھر اجڑ کر ایک آباد کیا جاوے۔

اگر حکومت مل گئی تو عقائد پہلے سے خراب ہو چکے ہیں، قبر و حشر فسانہ بے معنی ہے، پھر خدا کا خوف کس لئے، تہذیب اخلاق میں یہ قوت ہرگز نہیں کہ امورِ مذمومہ سے روک سکے، یہ برکت مذہب ہی میں ہے کہ بعض لوگ اپنے آقا کی ناخوشی سے، کوئی عذاب قبر و دوزخ سے ڈر کر منہیات سے بچتے ہیں، سو اس شخص کو مذہب مانع رہا نہیں، اخلاق میں یہ قوت نہیں، پھر ایسا شخص جو کچھ کرے، ظلم کرے، رشوت لے، ناحق فیصلہ کرے، پرانی عداوت نکالے، جو کرے تعجب نہیں۔ ایک عاقل نے کیا خوب کہا ہے کہ جو شخص اپنے مذہب کا پابند نہ ہو وہ لائق حکومت کے نہیں، اور اگر کسی کے اخلاق ایسے ہی مہذب ہو گئے ہوں جو سب امور سے مانع ہو جاوے تو یہ شاذ و نادر ہے، والنادر کالمعدوم، بہرحال! جو کارروائی مسلمانوں کی ترقی کے لئے اس وقت ہو رہی ہے وہ سراسر خرابی در خرابی سے بھری ہوئی ہے، پس نہ خیر خواہیٔ اسلام کے اصول صحیح ہیں، نہ خیر خواہی مسلمانان کے ذرائع راست ہیں۔ یہ تو مجملاً ان امور کا ذکر تھا جن کا اثر دوسروں کو پہنچتا ہے۔

اب جو امور آپ کی ذاتِ خاص سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بھی بطور نمونہ کے پیش کرتا ہوں، سب سے اول عقائد کی درستی ہے، اگر کچھ شبہات انسان کو واقع ہو جاویں تعجب نہیں مگر خدا کے فضل سے اس زمانے میں اہل علم محققین جامع معقول و منقول شبہات رفع کرنے والے موجود ہیں۔ اوّل درجہ مولانا محمد علی صاحب تحصیل دار مرحوم کی تحریرات میرے نزدیک آپ کے اُصولی و فروعی شبہات کے جواب کے لئے کافی ہیں۔ اصرار کو کام نہ فرمائیے، نظر انصاف سے اس کو دیکھ کر اپنے خیالات درست فرما لیجئے، اور یہ خیال

نہ فرمایئے کہ آپ اپنی مشہور تحقیقات کے کس طرح خلاف کہیں، آپ کی انصاف پسند طبیعت پر اس خیال کا احتمال نہیں۔ آپ نے بہت سی غلطیوں کا اقرار بھی فرمایا ہے مثلاً: حدیث فاطمہ میں **فجاء ت فاطمة وهي جويرية** کا **فجاء ت فاطمة هي وجويرية** لکھا گیا۔ پھر آپ نے نہایت انصاف وخوبی کے ساتھ اس سے رجوع کر کے طبع کر دیا، اگر اب بھی اپنے خیالات کو صحیح کر کے اعلان فرما دیجئے تو آپ کا اعلیٰ درجہ کا کمال ظاہر ہو۔ جمہور اہلِ اسلام کہ وہ تعداد میں آپ کے مدعیان اتباع سے بہت زیادہ ہیں آپ کے محب ومخلص بن جاویں، اس وقت ان کو ترقی کی تدبیرات جو بتلاویں وہ قبول کرنے کو دل سے تیار ہوں، اور آخرت میں ثواب ملے اپنے صحت عقائد کا بھی، اور بہت سے لوگوں کے محفوظ رہنے کا، اور بعضوں کے عقائد درست ہو جانے کا بھی، جو غایت محبت واعتماد سے آپ کے رجوع کرنے سے وہ بھی رجوع کر لیں۔

دوسرے: نماز کی پابندی جماعت کے ساتھ ضروری ہے، خود نماز کی پابندی فرض ہے، اور جماعت سنت موکدہ، اللہ ورسول کی محبت جو مقتضا اسلام کا ہے وہ اسی کو مقتضی ہے کہ نہ فرض چھوڑے نہ سنت۔ تیسرے: اصلاحِ لباس میں، میں زیادہ دلائل بیان نہیں کرتا، صرف ایک مختصر سی بات کہتا ہوں کہ مرد اگر عورت کا لباس پہن لے تو کیوں معیوب ہے، اسی وجہ سے ایک مذہب کی ایک قوم دوسرے مذہب کے لوگوں کا لباس ووضع اختیار کریں تو کیا بے موقع نہیں؟ چوتھے: حق تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی استطاعت دی ہے، حج بنصِ قرآنی فرض ہے، خدا ورسول کی محبت کا یہ مقتضا تھا کہ اگر فرضاً اسلام میں حج کی حاضری فرض وسنت بھی نہ ہوتی تب بھی بہ اقتضائے محبت دربارِ خدا دربارِ رسول میں ہر استطاعت والے کو حاضر ہونا ضروری تھا، نہ کہ حاضری مکہ کی فرض اور حاضری مدینہ طیبہ کی سنت، پھر کس قدر نازیبا ہے کہ عمر میں ایک بار بھی تشریف نہ لاویں، جس وقت لندن کا سفر کیا تھا ذہاباً یا ایاباً (جاتے ہوئے یا آتے ہوئے) اگر عدن سے سیدھے تشریف لے آتے تو کیا مشکل تھا؟ اب ہمت کیجئے، اور

سامانِ سفر کر دیجئے۔ اور روزہ وزکوٰۃ ایک مخفی عبادت ہے، مجھ کو اس کی اطلاع نہیں، خدا کرے آپ پابند ہوں، ورنہ وہ بھی فہرست معروضات بالا میں منسلک سمجھے جاویں۔

خلاصہ تمام معروضات کا یہ ہے کہ اب آپ کا اخیر وقت ہے۔

بجز عقائد واعمال کے کوئی اس سفر آخرت کا ساتھی نہیں، اپنے چند روزہ رفقا کو رخصت کیجئے، خواہ ظاہراً بھی، خواہ صرف دل سے، اور اس دائمی رفیق کو ساتھ لیجئے، یعنی عقائد واعمال کی اصلاح فرمائیے، کیوں کہ

﴿اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون﴾ (سورۂ یونس: ۴۹)

نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

آخر میں یہ عرض ہے کہ اس التماس نامے میں اگر کوئی لفظ خلافِ مزاج سامی سرزد ہوا ہو مزاج ناشناسی پر حمل کر کے معذور سمجھیں، تعصب وعناد پر محمول نہ فرماویں کہ بخدا باعث تحریر صرف خیر خواہی ودل سوزی ہے، اور عرض ہذا اگر مقبول خاطر عاطر ہو، اور امید ہے کہ ہو تو اس نیاز مند کو مطلع فرما کر مسرور کریں، ورنہ کچھ حاجت تحریر جواب نہیں، زیادہ نیاز۔ فقط

تتمۂ اصلاح الخیال

حامداً ومصلیاً، اس مجموعے کی ترتیب کے بعد عزیز مذکور فی الخطبہ کا اس شخص ناصح کے پاس دوسرا خط آیا، اس میں بھی کچھ شبہات تھے، اس کے جواب میں بھی چوں کہ ازالہ ان شبہات کا تھا اس لئے اس مکاتبہ کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا۔

خطِ عزیز

اٹھارہویں شبہے کی تقریر

میں مدت سے جناب کے خط کا جواب لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر عدیم الفرصتی سے آج تک کامیاب نہیں رہا، بہت مرتبہ ارادہ کیا کہ مختصر عرض کر دوں، لیکن جی چاہتا تھا

مفصل لکھنے کو، لیکن جب اس کا موقع نہ ملا تو آخر کار آج بالاختصار عرض کرنے میں اس وجہ سے جلدی کی کہ مدت گزر جانے سے مبادا یہ خیال پیدا ہو کہ ترکِ خط وکتابت کا باعث تحریرات سابقہ ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ میں آپ کو پورا اطمینان دلاتا ہوں کہ میں دین اسلام پر قائم ہوں۔ اس کو بہترین ادیان سمجھتا ہوں۔

انیسویں شبہے کی تقریر

اللہ کی توحید میں مجھ کو کوئی شک نہیں اور اس کام میں نہایت شدت سے پابند ہوں، اور چوں کہ توحید کی نعمت ہم کو ہمارے پیغمبر نے تعلیم فرمائی، اور آپ کی بدولت یہ نعمت عظمٰی ہم کو میسر آئی، لہٰذا میں ان کو نبی برحق جانتا ہوں۔ رہا یہ کہ وہ اللہ کے معشوق ہیں، اور انہیں کی وجہ سے کائنات پیدا ہوئی، اور اللہ اور پیغمبر میں صرف ایک میم کا فرق ہے، یہ میرے عقیدے نہیں ہیں، میرا آپ کا عقیدہ وہی ہے کہ جیسا قرآن میں ہے:

﴿ قل انما انا بشرٌ مثلکم یوحٰی الی ﴾ (سورۂ کہف:۱۱۰)

یہاں تک متعلق ایمان کے ہے جو بحمد اللہ میں اپنا درست پاتا ہوں اور اس کا سوائے میرے اللہ کے کوئی واقف کار نہیں ہوسکتا۔

بیسویں شبہے کی تقریر

آگے وہ چیز لیجئے جس کا نام دین ہے، پانچ وقت کی نماز کا حکم لیجئے کہ اللہ کی کیا کیا مصلحتیں ہیں، ان کو استدلالی طور پر سمجھا ہوا ہوں، اور جانتا ہوں کہ اس سے بہتر طریقہ اپنے خالق کی عبادت اور شکر گزاری کا نہیں ہوسکتا، اور ہر شخص کو اس کا پابند رہنا چاہیے۔

اکیسویں شبہے کی تقریر

حج اور زکوٰۃ میں مجھ کو کوئی خدشہ نہیں، البتہ روزوں میں دو ایک باتیں شبہ کی ہیں، وہ یہ نہیں کہ اس کے فرض ہونے میں کوئی شک ہے، بلکہ رمضان کی تخصیص میں، سو میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کی بابت میرا اطمینان ہوجاوے، میں مخالف راہ کو مستحکم کرنا نہیں چاہتا، بلکہ موافق کو۔

بائیسویں شبہے کی تقریر

اب رہ گیا لباس وغیرہ اس کی طرف تو میرا ابھی ایک لمحے کے لئے بھی خیال نہیں جاتا کہ اس کو بھی کچھ ایمان یا دین یا مذہب میں کچھ دخل ہے، جب ہم سچے دل سے عقائد اسلامی رکھتے ہیں، بس دنیا میں ہم کو معزز ہو کر رہنا چاہئے، اور اس کے لئے جو طریقہ مناسب ہو استعمال کرنا چاہئے۔

بشرطیکہ وہ مخلِ عقائد اسلامیہ نہ ہو، میں انگریزی کپڑے پہننا بہ مقتضائے زمانہ صرف اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ پیشاب پاخانہ کی حاجت، یعنی آدمی یہ کوشش کرتا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو پاخانہ سے نکلوں، یہی حال میرا ہے کہ گھر واپس آن کر ایک لمحہ بھی گوارا نہیں ہوتا کہ اس لباس میں رہوں۔

تیئیسویں شبہے کی تقریر

اپنے بچہ کی تعلیم کی بابت جو میرا خیال ہے وہ یہ ہے کہ میں اس کو عربی پڑھاؤں، اور ختم قرآن پر اس کو قادر کردوں، اس کے بعد علومِ دنیوی اس کو سکھلاؤں، اگر ان سب باتوں پر بھی آپ کو میری طرف سے کچھ خدشہ ہو تو میں کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ اب دوسری بات یہ ہے کہ مجھ کو مسلمانوں کی تعلیم پر جو مدارس عربیہ میں دی جاتی ہے سخت اعتراض ہے۔ اگر آپ کو اس کی اصلاح منظور ہو تو اس میں تحریر کا سلسلہ رکھیے، میں اپنی معلومات دنیوی سے آپ کو اس میں مدد دوں گا۔

چوبیسویں شبہے کی تقریر

میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمان عنقریب ڈوبنے والے ہیں، اور بہت قریب ہے وہ زمانہ کہ مسلمانوں کا دین اور دنیا دونوں غارت ہوا جاتا ہے۔

اور یہ نتیجہ ہوگا اسی بے تکی تعلیم کا جو اس وقت مسلمانوں کو دی جاتی ہے، میں نے جو کچھ اپنے عقیدے میں تزلزل ظاہر کیا ہے میں اس کو واقعی اچھا سمجھتا ہوں، کیوں کہ یہ

تزلزل میری تفتیش کا باعث ہے، اور جس آزادی کے ساتھ میں نے اس کو عرض کر دیا ہے اس طرح کا بیان منافقت سے دور ہے۔ (۲۸ جون ۱۹۰۱ء)

جوابِ ناصح

اٹھارہویں شبہے کا جواب

مجھ کو توقف خط سے قلق ضرور تھا، سو بحمد اللہ تعالیٰ آج وہ رفع ہو گیا۔

انیسویں شبہے کا جواب

توحید و رسالت کے متعلق اپنے جو عقائد لکھے ہیں وہ نہایت صحیح ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر قائم رکھیں۔ البتہ رسالت کے متعلق ایک بات تصریح سے رہ گئی، وہ یہ کہ اگر آپ کی رسالت و بعثت کو عام مان لیا ہے تو صحیح ہے، اور اگر صرف عرب کے ساتھ خاص اعتقاد کیا جاتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے، اور قرآن حدیث کے خلاف، اور نجات کے لئے یہ اعتقاد خصوصیت کے ساتھ کافی نہیں ہے، باقی اللہ تعالیٰ کا معشوق ماننا اگر معشوق بمعنی محبوب ہو تب تو ضروری بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، قرآن مجید سے جا بجا ثابت ہے کہ اچھوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے، پھر آپ تو سب اچھوں سے اچھے ہیں، آپ سے کیوں نہ محبت ہوگی، اور اگر معشوق کے وہی معنی ہیں جو شاعروں کے دماغ میں پکے ہوئے ہیں، سو واقعی وہ واجب الاعتقاد کیا بلکہ جائز الاعتقاد بھی نہیں، میم کا فرق یہ اسلامی عقیدہ نہیں، محض بے تکی بات ہے اور کبھی تاویل بعید سے صحیح ہو جاوے اور بات ہے۔ بہر حال! یہ عقیدے سے کچھ تعلق نہیں رکھتا، اور کائنات کا آپ کی وجہ سے پیدا ہونا یہ مضمون فی نفسہ صحیح ہے، مگر چوں کہ وہ روایت قطعی نہیں اس لئے وہ داخل عقائد ضروریہ نہیں۔

بیسویں شبہے کا جواب

اس کے بعد جو دین کو صرف نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ میں منحصر کر دیا ہے، اس سے مراد اگر ارکانِ دین ہیں تو صحیح ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احکام دین صرف

یہی ہوں اور اگر احکام دین مراد ہیں تو یہ حصر غلط ہے، دین میں ہزاروں احکام ہیں جو بعض فرض ہیں، بعض واجب، بعض سنت، چنانچہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

اس کے بعد جو لکھا ہے کہ:

''نماز کی مصلحتیں میں استدلالی طور پر سمجھے ہوئے ہوں۔''

یہ بات جھگڑے کی نہیں، مگر استدلالی طور پر فروع کا سمجھنا ہی محل خطر ہے، یاد رکھنے کی بات ہے کہ مذہب کے اصول ہمیشہ عقلی واستدلالی ہوتے ہیں، اور فروع نقلی وشرعی ہوتے ہیں، اس میں جو مصلحتیں نظر آتی ہیں وہ مرتبۂ حکمت میں ہوتی ہیں، درجۂ علت میں نہیں ہوتیں کہ ان پر مدار ان احکام کا ہو، ان مصالح کو علت سمجھنے میں ہمیشہ اندیشہ ہے کہ جب کسی وجہ سے رائے میں تبدیلی واقع ہو جاوے اصل حکم کا انکار مستبعد نہیں، اور نہ ہم کو فروع کو دلائل عقلیہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

کیوں کہ جب نبوت عقلی دلیل سے ثابت ہوگئی، نبی کے سب احکام من جانب اللہ ہوتے ہیں، اور من جانب اللہ جو امر ہو وہ درست اور بجا ہوتا ہے اس دلیل اجمالی میں کفایت ہے، تفصیلی دلائل کی حاجت نہیں، البتہ اصول کو عقلی نہ کہنے سے محالات لازم آتے ہیں، جن کی تفصیل طویل ہے، البتہ فروع میں یہ بات ضروری ہے کہ کسی دلیل عقلی قطعی کے خلاف نہ ہوں، اگر کوئی شخص خلاف ہونا ثابت کردے گا تو صاحب مذہب کے ذمے اس کا جواب ضروری ہوگا۔

اکیسویں شبہے کا جواب

اس کے بعد جو تخصیص رمضان میں شبہ کیا ہے کہ ''میں اطمینان کی کوشش کر رہا ہوں۔''

معلوم نہیں اطمینانِ شرعی مراد ہے یا عقلی، اگر اطمینانِ شرعی مراد ہے تو دلائل شرعیہ قطعیہ قرآن وحدیث میں اس پر قائم ہیں، پھر بے اطمینانی کے کیا معنی؟ اور اگر اطمینان عقلی مراد ہے تو میں اس کا ضابطہ ابھی بیان کرچکا ہوں کہ فروع کا ثابت بدلائل عقلیہ ہونا ضرور نہیں۔

بائیسویں شبہے کا جواب

اس کے بعد جو لباس کو مذہب یا دین سے بے تعلق لکھا ہے سو دین سے مراد اگر ارکانِ دین ہے تو بے شک وہ ارکانِ دین میں داخل نہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احکام سے بھی خارج ہو، اور اگر احکام دین مراد ہے تو اس کو دین سے تعلق نہ ماننا محض غلط ہے۔ حدیث میں صاف صاف الفاظ میں بہت لباسوں کی ممانعت مع وعید کے وارد ہے، پھر احکام ہونا کس کو کہتے ہیں، پھر یہ جو لکھا ہے کہ بہ مقتضائے زمانہ انگریزی لباس پہنتا ہوں، اگر کسی وقت مقتضائے زمانہ یہ ہو کہ نماز نہ پڑھیں تو کیا نماز کو بھی خیر باد کہنا جائز کہا جاوے گا؟ اگر کسی وقت مقتضائے زمانہ ہو کہ کلمہ نہ پڑھیں تو کلمہ بھی ناجائز ہو جائے گا؟ البتہ ضرورت شدید کی وجہ سے بھی تخفیف ہو جاتی ہے، سو جب تک کہ ضرورت شدید کا اثبات نہ ہو جواز کی گنجائش نہیں۔

تیئیسویں شبہے کا جواب

بچے کی تعلیم کی نسبت جو رائے قرار دی ہے بہت خوب ہے مگر اس کے ساتھ اتنی رعایت ضروری ہوگی کہ ان علوم دنیوی کو ذریعۂ اکتساب نامشروع کا نہ بنایا جاوے۔

چوبیسویں شبہے کا جواب

اس کے بعد لکھا ہے کہ

"مسلمانوں کی تعلیم کی اگر اصلاح منظور ہو تو دنیوی معلومات سے مدد دوں۔"

عزیز تمنا ہے کہ اصلاح ہو۔ مگر قدرت نہ ہونے سے کون ذمہ داری کرے، جب اصلاح نہیں کر سکتا ہوں تو دریافت کرنا بھی بے فائدہ، البتہ کوئی معقول بات اگر معلوم ہو جاوے گی تو دوسروں سے کہہ دیا جاوے گا، مگر اصلاح اس کو سمجھوں گا جس میں کسی حکم شرعی کی مخالفت لازم نہ آوے، ورنہ وہ سراسر فساد ہے۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ مسلمان عنقریب ڈوبنے والے ہیں، سو قدیم علوم دینیہ کی

بدولت تو آگے ہی چل کر ڈوبیں گے، مگر علوم دنیویہ کی بدولت تو مدت ہوئی ڈوب چکے۔ جس تعلیم کی بدولت مدت سے ڈوب چکے ہوں وہ بے تکی ہے، یا جس سے آگے ڈوبے جانے کا دعویٰ ہے، خواہ صحیح دعویٰ ہو یا غلط، کس کو بے تکی کہنا زیادہ زیبا ہے، تفتیش آزادی کے ساتھ کچھ مضائقہ کی بات نہیں، مگر حق طلبی اور انصاف شرط ہے۔

والسلام

تحریراتِ مذکورہ کا نافع ومؤثر ہونا

بحمدہ تعالیٰ ان جوابات نے اس عزیز کے قلب میں اچھا اثر کیا، بعد چندے تیسرا خط آیا، جس میں یہ عبارت درج تھی:

سابق میں جو نامہ دربارہ معتقدات صادر ہوا تھا میں اس کو حرف بحرف اپنے عقیدے کے موافق پاتا ہوں۔ الحمدللہ! کوئی بات خدشے کی نہیں۔

عرضِ مولف (زادمجدہ)

واقعی جب قلب میں انصاف ہوتا ہے اور دل سے حق کی طلب ہوتی ہے حق بات ضرور اثر کرتی ہے، دوسرے حضرات عقلا سے بھی اس قسم کے شبہات اتفاقاً پیش آگئے ہیں۔ امید ہے کہ ان جوابات میں منصفانہ نظر کر کے اپنے قلب کو کدورات وظلماتِ شبہات سے پاک کرلیں گے۔ والسلام علی من اتبع الهدى.

۵ جمادی الاخری

اَحکامُ الاِیتلاف
فِی اَحکامِ الاِختلاف

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ایک غلطی عظیم کا ازالہ ہے۔ وہ یہ کہ لوگ عام طور پر علی الاطلاق اتفاق کو محبوب و مطلوب اور اختلاف کو مذموم و معیوب جانتے ہیں۔ خصوصاً اگر علمائے کرام میں کسی قسم کا اختلاف ہو جائے تو مورد طعن ہوتے ہیں۔ اس رسالہ میں یہ بتلایا ہے کہ اتفاق محمود ہی ہے جس میں امر باطل یا فاسد کا ابتلاء نہ ہو ناحق بات پر اتفاق کرنا غلطی اور عقلاء کے نزدیک بے وقوفی ہے۔

احکام الائتلاف فی احکام الاختلاف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد الحمد و الصلوٰۃ: مقصود اس تحریر سے ایک غلطی عظیم کا رفع کرنا ہے جس میں قریب قریب عام ابتلاء ہورہا ہے الا ماشاء اللہ اور وہ غلطی یہ ہے کہ عام طور پر علی الاطلاق اتفاق کو مطلوب اور اختلاف کو مذموم سمجھا جاتا ہے بالخصوص اگر علماء میں کسی قسم کا بھی اختلاف ہو جائے اُس کے سبب اُن پر سخت طعن کیا جاتا ہے اور اس مدعا پر دلائل مطلقہ سے (گو وہ کسی دلیل مستقل سے مقید ہی ہوں) تقریراً و تحریراً استدلال کیا جاتا ہے اس خیال کے غلط ہونے پر احقر وقتاً فوقتاً تقریر و تحریر سے متنبہ بھی کرتا رہا ہے لیکن کسی داعی قوی کے پیش نہ آنے کے سبب اس مستقل تنبیہ کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ امسال بعض اسباب خاصہ کے سبب بعض مراکز تعلیمیہ کی جماعت کے آحاد میں کچھ اختلاف پیش آیا اور امتداد و اشتداد میں کسی قدر معمول سے بڑھ بھی گیا اور اس کے متعلق بعض ایسے صاحبوں نے جن کا یہ منصب بھی نہ تھا بزعم خود خیر خواہی سے معترضانہ خیالات ظاہر کئے اور ان میں سے جنہوں نے مجھ سے خطاب خاص کیا تھا اُن کو اصول صحیحہ کے موافق جواب بھی دیا گیا لیکن غالباً بوجہ اجمال اُن جوابوں کا اُن اصول پر انطباق واضح نہ تھا اس لئے توضیح کی بھی ضرورت تھی۔ نیز آئندہ کے لئے ایسے شبہات کا انسداد بھی ضروری تھا۔ یہ واقعہ اور یہ دو ضرورتیں داعی قوی ہو گئیں کہ تحقیق مسئلہ اتفاق و اختلاف کی کسی قدر تفصیل و

توضیح کے ساتھ قلمبند کر دی جائے تا کہ شبہات واقعہ مفقود اور شبہات متوقعہ مسدود ہو جاویں اور نیز واعظین ومقررین ومضمون نویس بھی اپنی تقریرات وتحریرات میں ان حدود کی رعایت رکھ سکیں۔ **ولقبته باحکام الایتلاف فی احکام الاختلاف واللہ ولی الاعانۃ والیہ التضرع والاستکانۃ۔**

مقدمہ: جاننا چاہیے کہ اختلاف بتقسیم اولیٰ دو قسم پر ہے۔ ایک حقیقی دوسرا غیر حقیقی (اور اختلاف کے اقسام سے اتفاق کے اقسام بھی معلوم ہو جاوینگے اور چونکہ محل کلام اختلاف ہی کو سمجھا جاتا ہے اس لئے موضوع تقسیم کا اسی کو قرار دیا گیا تو اختلاف کی دو قسمیں ہیں (حقیقی، غیر حقیقی) حقیقی سے مراد یہ ہے کہ دو حکموں میں ایسا تعرض ہو کہ وہ دونوں حکم واقع میں معاً صحیح نہ ہو سکیں اگر ایک صحیح ہو تو دوسرا غلط جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل حلال یا حسن ہے دوسرا اُسی فعل کو کہے کہ یہ حرام یا قبیح ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ واقع میں حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ پھر یہ تعارض خواہ درجہ تناقض میں ہو یعنی جیسے اُن دونوں حکموں کا اجتماع نہیں ہو سکتا اسی طرح دونوں کا ارتفاع بھی نہیں ہو سکتا جیسا مثال مذکور میں کہ جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فعل حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ نہ واقع میں حلال ہو اور نہ واقع میں حرام ہو اور خواہ درجہ تضاد میں ہو یعنی دونوں حکموں کا اجتماع تو نہیں ہو سکتا لیکن دونوں کا ارتفاع ہو سکتا ہے جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل مباح ہے دوسرا کہے کہ مستحب ہے، سو ظاہر ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ مباح بھی ہو اور مستحب بھی مگر یہ ہو سکتا ہے کہ نہ مباح ہو نہ مستحب بلکہ مکروہ و بدعت ہو۔

اور غیر حقیقی سے مراد یہ ہے کہ اُن دو مختلف حکموں میں تعارض نہ ہو بلکہ دونوں حکم صحیح ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک پتھر سفید ہے ایک سیاہ ہے تو دونوں مختلف تو ہیں لیکن دونوں حکم صحت میں مجتمع ہیں کیونکہ دونوں رنگ کا محل مختلف ہے ایک کو سفید کہنے سے

دوسرے کے سیاہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی یا ایک زمانہ میں شراب حلال تھی دوسرے زمانہ میں حرام ہوگئی تو یہ دونوں حکم صحیح ہیں اور یہ اختلاف غیر حقیقی واقع میں اختلاف نہیں ہے محض صورت اختلاف ہے اور حقیقت اس کی تعدد ہے۔ پھر اختلاف حقیقی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف فی الامر الدنیوی۔ ایک اختلاف فی الامر الدینی، پھر اختلاف فی الامر الدنیوی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف عن منشاء صحیح، اور ایک اختلاف لاعن منشا صحیح اور ایک اختلاف فی الامر الدینی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف فی الفروع ایک اختلاف فی الاصول، پھر اختلاف فی الفروع کی دو قسمیں ہیں اختلاف عن دلیل اور اختلاف لاعن دلیل اور اختلاف فی الاصول کی دو قسمیں ہیں۔ اختلاف فی الکفر والایمان اور اختلاف فی البدعۃ والسنۃ۔ یہ سب اقسام اختلاف حقیقی کے تھے اور اختلاف غیر حقیقی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بفعل العبد، دوسرا بجعل الحق پھر اختلاف بجعل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختلاف طبائع، دوسرا اختلاف شرائع، پھر اختلاف شرائع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختلاف فی الشریعۃ الواحدۃ، ایک اختلاف فی الشرائع المتعددہ، مجموعہ ان سب اقسام کا دس قسمیں ہیں۔ چھ اختلاف حقیقی کی اور چار اختلاف غیر حقیقی کی۔

یعنی قسم اول: اختلاف حقیقی فی الامر الدنیوی عن منشاء صحیح قسم دوم اختلاف فی الامر الدنیوی لاعن منشاء صحیح قسم سوم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الفروع عن دلیل قسم چہارم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الفروع لاعن دلیل قسم پنجم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الاصول کفراً و اسلاماً قسم ششم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الاصول بدعۃ وسنۃ قسم ہفتم اختلاف غیر حقیقی بفعل العبد۔ قسم ہشتم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق باختلاف الطبائع قسم نہم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشریعۃ الواحدۃ قسم دہم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشرائع المتعددۃ۔

(وهذا صورة الضبط بهيئة الجدول ذات الشعب)

اختلاف

حقیقی						غیر حقیقی			
فی الدنیا		فی الدنیا				بجعل الحق			
عن منشاء صحیح	لا من منشاء صحیح	فی الفروع: عن دلیل	فی الفروع: لا عن دلیل	فی الاصول: کفراً او اسلاماً	فی الاصول: بدعۃ وسنۃ	بفصل العبد	باختلاف الطبائع	باختلاف الشرائع: فی الشریعۃ الواحدۃ	باختلاف الشرائع: فی الشرائع المختلفۃ
قسم اوّل	قسم ثانی	قسم ثالث	قسم رابع	قسم خامس	قسم سادس	قسم سابع	قسم ثامن	قسم تاسع	قسم عاشر

اور یہ سب اقسام واقعیہ ہیں اور نہ احتمالات عقلیہ تو اور بہت ہیں مگر چونکہ وہ غیر واقع تھے اس لئے ان کا ذکر کرنا پھر اُن کے وقوع کی نفی کرنا فضول سمجھا اب ہم ان سب اقسام کے مصادیق اور اُن کے احکام بیان کرتے ہیں اور اس عجالہ میں ایک مقدمہ ہے جس کو آپ پڑھ رہے ہیں اور دس فصلیں ہیں ایک ایک قسم کے بیان میں اور ایک خاتمہ ہے جس میں کچھ تنبیہات ہیں جو کہ تحقیقات فصول پر تفریعات ہیں۔

والآن اشرع فی المقصود مستعینا بواهب الکرم والجود

فصل اوّل: اختلاف کی قسم اول کے بیان میں یعنی جو اختلاف کسی امر دنیوی میں ہو اور کسی منشاء صحیح سے ہو جیسے دو طبیبوں میں طریق علاج میں اختلاف کہ کسی نے طب یونانی کو اختیار کیا کسی نے ڈاکٹری کو کسی نے ویدک کو یا باوجود طریق میں متفق ہونے کے اختلاف تشخیص کے سبب کسی تدبیر کے متعلق اختلاف ہو کہ ایک طبیب کسی خاص تدبیر کو نافع بتلاتا ہے اور دوسرا طبیب اُس کو مضر بتلاتا ہے اور ہر ایک رائے کا منشاء صحیح بھی ہے جس سے وہ استدلال کرتا ہے اور دوسرے کی دلیل کو رد کرتا ہے۔ یا دو

وکیلوں میں کسی مقدمہ کے متعلق اختلاف ہے کہ ایک وکیل اُس کو ایک دفعہ میں داخل کرتا ہے۔ اور دوسرا وکیل دوسری دفعہ میں وعلیٰ ہذا واقعات یومیہ حسیہ میں اہل الرائے و اہل تجربہ معمولی طور پر ایسا اختلاف کرتے رہتے ہیں اور یہ منشا کبھی دلیل ہوتی ہے کبھی کسی صاحب تحقیق کی تقلید ہوتی ہے کہ مقلد کی یہی دلیل ہے اور حکم اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہ جب تک حدود میں رہے فی نفسہ مذموم نہیں بلکہ اگر اپنی رائے میں شرح صدر ہوتو دلیل صحیح کے پیش نظر ہوتے ہوئے اور دوسری شق میں ضرور دیکھتے ہوئے اُس دلیل کے خلاف محض تقلیداً متفق ہو جانا مذموم ہوگا اور اس باب میں جو نفع وضرر محتمل ہے چونکہ وہ اکثر دوسرے تک متعدی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اختلاف اُسی مشورہ کی ایک فرد ہے۔ جس کی ترغیب وتاکید قرآن وحدیث میں آئی ہے اور خلاف شرح صدر مشورہ دینے کی مذمت خود حدیث میں وارد ہے۔ **ومن اشار علی اخیه بامرو یعلم ان الرشد فی غیره فقد خانه رواه ابو داؤد عن ابی هريرة مرفوعاً مشكوة كتاب العلم)** اور حدود سے خارج ہو جانے پر یہ اختلاف مذموم ہو جاتا ہے مثلاً کسی کا منشاء اختلاف صرف تحقیق وخیر خواہی نہ ہو بلکہ محض اپنی بات کی پچ اور دوسرے کی تذلیل وتحقیر ہو یا اپنے مخالف کی غیبت وضرر رسانی میں مبتلا ہو جاوے اس عارض سے وہ اختلاف مذموم ہو جاوے گا۔ اگر یہ عارض دونوں جانب ہے تو دونوں کے اختلاف کو مذموم کہیں گے اور اگر ایک جانب ہے تو صرف اُس کے اختلاف کو مذموم کہیں گے اور اکثر اُن نصوص کا مورد جن میں مطلق اختلاف کا ذم وارد ہے ایک یہ اختلاف بھی ہے جو عارض مذکور کے سبب مذموم ہو جاوے اور دوسرا مورد وہ اختلاف ہے جو فصل آئندہ میں مذکور ہے چونکہ محمول سے پہلے محمل کی حقیقت کا متعین ہو جانا اعون فی الفہم ہے اس لئے وہ نصوص فصل آئندہ میں مذکور ہونگی اور اسی قبیل سے ہے اہل معاملہ کا اختلاف ونزاع جو کسی اپنے حق کے متعلق ہو اور ہر شخص کسی محتمل العمۃ کی

بناء پر دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو اُس کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک کسی فریق کو اس منشاء کا غلط ہونا محقق نہ ہو تب تک وہ معذور ہے اور بعد وضوح حق کے پھر اصرار معصیت ہے اور اگر باوجود اپنے حق پر ہونے کے دوسرے سے نزاع قطع کر دے اور اپنے حق سے دست بردار ہو جاوے تو فضیلت عظیمہ ہے۔ حدیث میں ہے عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ترک الکذب وھو باطل بنی لہ فی ربض الجنۃ ومن ترک المراء وھو محقق بنی لہ فی وسط الجنۃ الحدیث رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن (مشکوۃ باب حفظ اللسان) البتہ اگر اپنے دعوے سے دست بردار ہونے سے کوئی محذور شرعی لازم آوے تو اس صورت میں یہ دست برداری اور اتفاق نا جائز ہے۔ مثلاً عورت کے روبرو شوہر نے طلاق دی پھر منکر ہو گیا تو عورت کو جائز نہیں کہ اس دعویٰ سے دست بردار ہو کر اُس کے انکار کو تسلیم کر لے حدیث میں ہے عن عمرو بن عون المزنی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالاً او احل حراما الحدیث رواہ الترمذی و ابن ماجہ و ابوداؤد (مشکوٰۃ باب الافلاس) یہ تو اہل معاملہ کا حکم ہے۔ باقی دوسرے لوگوں کو جب تک دلیل شرعی سے ایک کا حق پر ہونا ثابت نہ ہو جاوے دونوں میں احتمال صواب کا سمجھ کر کسی کی نصرت دوسرے کے مقابلہ میں جائز نہیں اور جب دلیل شرعی سے ایک کا حق پر ہونا ثابت ہو جاوے تو اُس کی نصرت اس تفصیل سے واجب ہے کہ اگر یہ ناصر حاکم یا مامور من الحاکم ہے تو نصرت بالید اور اگر حاکم نہیں اور کسی فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں تو وعظ باللسان کیساتھ اور اگر فتنہ دینیہ یا دنیویہ کا اندیشہ ہے تو صرف دل سے صاحب باطل کے اس فعل کو برا سمجھے اور صاحب حق کے لئے دعا کرتا رہے اس کے متعلق بھی نصوص فصل آئندہ میں مذکور ہوں گے۔

فصل دوم: اختلاف کی قسم دوم کے بیان میں، یعنی جو اختلاف کسی امر دنیوی میں ہو اور اس کا کوئی منشا صحیح نہ ہو محض نفسانیت اُس کا باعث ہو اُس کا حکم ظاہر ہے کہ وہ مذموم محض ہے خواہ ایک جانب سے ہو یا دونوں جانب سے۔

اب بعض نصوص ذم اختلاف و معاملہ متعلقہ اختلاف کے لئے لکھتا ہوں جن کا وعدہ مع تعیین محل فصل اول میں مذکور ہوا۔ قال الله تعالیٰ و لا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم الأية وقال تعالیٰ ولا تقف ما ليس لك به علم وقال تعالیٰ فاصلحوا بين اخويكم الى قوله ولا تلمزوا انفسكم ولا تنابزوا بالالقاب ثم الى قوله تعالیٰ ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضا، الأيات و الاحاديث.

(۱) عن عائشه رضی الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قال لا يكون لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلثة فاذا لقيه سلم عليه ثلث مرات كل ذلك لا يرد عليه فقد باء باثمه رواه ابو داؤد.

(۲) عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم اياكم والظن فان الظن اكذب الحديث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عبادالله اخوانا وفى رواية ولا تنافسوا متفق عليه (۳) عن ابى الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصدقة والصلوٰة قال قلنا بلى قال اصلاح ذات البين وفساد ذات البين هى الحالقة رواه ابو داؤد والترمذى وقال هذا حديث صحيح (۴) وعن الزبير قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم دب اليكم داءالامم قبلكم الحسد والبغضاء هى الحالقة لا اقول

تحلق الشعر ولكن تحلق الدين رواه احمد والترمذى (۵) وعن ابى صرمة ان النبى صلى الله عليه واله وسلم قال من ضار ضار الله به ومن شاق شاق الله عليه رواه ابن ماجة والترمذى وقال هذا حديث غريب

(٦) وعن ابى بكر الصديق رضى ا لله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ملعون من ضار مومنا او مكربه رواه الترمذى وقال هذا حديث غريب (۷) وعن ابن عمر رضى الله عنه صعد رسول الله صلى الله عليه واله وسلم المنبر فنادى بصوت رفيع فقال يا معشر من اسلم بلسانه ولم يفض الايمان الى قلبه لا توذوا المسلمين ولا تعير وهم ولا تبتعوا عوراتهم فانه من يتبع عورة اخيه المسلم يتبع الله عورته بفضحه ولو فى جوف رحله (رواه الترمذى)

(٨) وعن انس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لما عرج بى ربى مررت بقوم لهم اظفار من نحاس، يخمشون وجوههم وصدورهم فقلت من هولاء يا جبرئيل قال هولاء الذين يأكلون لحوم الناس ويقعون فى اعراضهم (رواه ابو داؤد)

(٩) وعن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم حسن الظن من حسن العبادة رواه احمد ابو داؤد (١٠) عن عائشة رضى الله عنها قالت اعتل بعير لصفية وعند زينب فضل ظهر فقال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لزينب اعطيها بعيرا فقالت انا اعطى تلك اليهودية فغضب رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فهجر ماذا الحجة والمحرم و بعض صفر رواه ابوداؤد (مشكوٰة)

ف: فى اٰخر الاحاديث دليل لتقئيد اول الاحاديث وكذا يدل

علیه حدیث کعب کما فی اللمعات عن السیوطی ومن خاف من مکالمة احد وصلته مایفسد علیه دینه ویدخل مضرة فی دیناه یجوزله مجانبته والبعد عنه ورب هجر جمیل خیر من مخالطة موذیة اه من رسالة العذرو النذر (۱۱) عن ابی سعید الخدری قال سمعت رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم یقول من رای منکم منکره فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان رواه مسلم والترمذی وابن ماجه والنسائی (ترغیب و ترهیب)

(۱۲) واثلة ابن الاسقع قلت یا رسول الله! ما العصبة قال ان تعین قومک علی الظلم (۱۳) دقة یز مالک رفعه خیرکم المدافع من عشیرته ما لم یا ثم هما لابی داؤد) (۱۴) اسامة قیل له لواتیت عثمان فکلمته فقال انکم لترون ان لا اکلمه الا اسمعکم اکلمه فی السردون ان افتح بابا لا اکون اوّل من فتحه الخ. (للشخین.)

(۱۵) ابو امام اذا رأئیتم امر الا تستطیعون غیره فاصبروا حتی یکون الله هو الذی یغیره للکبیر. (جمع الفوائد)

فصل سوم: اختلاف کی قسم سوم کے بیان میں یعنی جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو فروع میں سے ہے اور دلیل سے ہو خواہ دلیل نص ہو یا اپنا اجتہاد ہو یا اپنے کسی متبوع صالح للمتبوعیۃ کا اجتہاد یا فتویٰ ہو اور یہی ہے وہ اختلاف جو امت مرحومہ کی جماعت حقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک سے اس وقت چلا آرہا ہے اور مبنی اس اختلاف کا اسباب متعددہ ہیں جو کتب اصول و تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ و رسالہ رفع الکلام لابن تیمیہ وغیرمدون ہیں مثلاً (۱) ایک مسئلہ میں نصوص مختلفۃ الدلالۃ ہیں اور سب جمع نہیں ہو سکتے اور نسخ بھی متفق علیہ نہیں

ایک مجتہد نے ایک پر عمل کیا اور دوسرے کو قواعد کلیہ کے اقتضاء سے متروک العمل کر دیا دوسرے مجتہد نے اس کا عکس کیا اور یہ قواعد کلیہ گو ماخوذ عن النصوص ہیں مگر ہیں اجتہادی اس لئے جانبین میں عمل کی گنجائش ہے مجتہد کو اصالۃً اور مقلد کو تبعاً مثلاً مبیح و محرم و محرم کو ترجیح ہونا ایک قاعدہ ہے اور مثلاً مثبت کا نافی پر مقدم ہونا ایک قاعدہ ہے اور مثلاً کسی واقعہ کا بہ نسبت عورتوں کے مردوں پر زیادہ منکشف ہونا جیسے کسوف کا واقعہ اس میں روایت رجال کی تقدیم ایک قاعدہ ہے اور مثلاً حکایت فعل میں عموم نہ ہونا یہ ایک قاعدہ ہے وامثالہا۔ اور یہ حنفیہ کے قواعد ہیں۔ اسی طرح دوسرے مجتہدین کی تحقیق میں دوسرے قواعد ہیں مثلاً تقیید بالوصف یا تعلیق کی دلالت جانب مخالف سے حکم کی نفی پر یا حمل المطلق علی المقید یا قرآن فی النظم کی دلالت قرآن فی الحکم پر وامثالہا ایسے قواعد سے احد النصین کو دوسرے پر ترجیح دینے سے حکم میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

(۲) نصوص مختلفۃ الدلالۃ میں سے ایک مجتہد کو ایک نص پہنچی دوسرے مجتہد کو دوسری پہنچی یا ایک کو کوئی نص نہیں پہنچی اُس نے قیاس پر عمل کر لیا اس لئے باہم اختلاف ہو گیا اور نہ پہنچنے کی دو صورتیں ہیں یا تو بالکل ہی نہیں پہنچی یا سند محتج بہ سے نہیں پہنچی اور اس اخیر کی صورت کا اگر کسی کو خود یا بواسطہ ثقہ عالم کے تحقق ہو جاوے اُس پر قیاس کا چھوڑ دینا واجب ہے (۳) کبھی نصوص مختلفہ مذکورہ بالا میں اوصاف رُواۃ سے ترجیح دینے سے اختلاف ہو جاتا ہے جیسے زیادہ ثقہ ہونا زیادہ حافظ ہونا زیادہ فقیہ ہونا طول ملازمت وصحبت وامثالہا۔ (۴) نصوص ظاہراً دلالت میں مختلف ہیں اور سب ثابت بھی ہیں مگر باہم جمع ہو سکتی ہیں۔ پس ایک مجتہد نے خواہ کسی قاعدہ کلیہ سے یا کسی قرینہ مقالیہ یا مقامیہ سے خواہ ذوق اجتہادی سے ایک نص کے مدلول کو اصل حکم قرار دیا اور دوسرے نص کو ماول یا کسی عارض پر محمول کر لیا اور دوسرے نے اس کا عکس کیا اس لئے باہم اختلاف ہو گیا۔ مثلاً رفع یدین کے بارہ میں احادیث مختلفہ ثابت ہیں حنفیہ نے

اس بنا پر کہ اصل نماز میں سکون ہے لقوله عليه السلام لمار اهم رافعى ايد يهم عند السلام اسكنوا فى الصلوٰة عدم رفع کو اصل قرار دیا اور رفع میں تاویل کی کہ مثلاً اعلام اصم یا بعید کے لئے تھا اور شافعیہ نے اس بنا پر کہ نماز عبادت وجودیہ ہے اور رفع امر وجودی ہے اور عدم رفع امر عدمی ہے رفع کو اصل قرار دیا اور عدم رفع کو بیان جواز پر محمول کیا کہ اس سے ظاہر ہو جاوے کہ رفع موقوف علیہ صحت صلوٰۃ کا نہیں۔

(۵) کبھی نصوص میں مدلول کا اختلاف نہیں ہوتا مگر ایک ہی نص کا محمل مختلف ہو سکتا ہے۔ ایک مجتہد نے اپنے ذوق سے یا قواعد کلیہ سے ایک محمل پر محمول کر لیا دوسرے نے اُسی نص کو دوسرے محمل پر اس سے اختلاف ہو گیا مثلاً انتباذ کے لئے جمع بین البسر والتمر حدیث میں نہی وارد ہے اصحاب ظواہر نے اس جمع کو علی الاطلاق مثل جمع بین الاختین کے امر تعبدی قرار دیا اور دوسرے فقہا نے اس کو معلل قرار دے کر ارتفاع علت کے وقت اس جمع کی اجازت دی اور وہ علت خواہ احتمال سرعت تغیر ہو خواہ مراعاۃ مساکین بزمانہ جدب وقحط ہو۔ (۶) اجماع کے بعض اقسام کا بعض کے نزدیک حجت ہونا اور بعض کے نزدیک حجت نہ ہونا یہ بھی اسباب اختلاف سے ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایسا اجماع جس کے قبل اختلاف ہو چکا ہو اور ایسا اجماع جس کا داعی کوئی دلیل ظنی نہ ہو۔ (۷) کسی مسئلہ میں نہ نص ہے نہ اجماع بلکہ محض قیاسی ہے اور وجہ قیاس دونوں مجتہدوں کے نزدیک مختلف ہے اس لئے حکم میں اختلاف ہو گیا اور ابواب فقہ میں ایسے مسائل بکثرت ہیں اور اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ یہ باتفاق واجماع علماء امت محمود ومقبول ہے اور ان احادیث واقوال اکابر کا یہی محمل ہے: عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال سمعت رسول الله على الله عليه وآله وسلم يقول سالت ربى من اختلاف اصحابى من بعدى فاوحى الى يا محمد ان اصحابک عندى بمنزلة النجوم فى السماء بعضها اقوى

من بعض ولکل نور فمن اخذ بشی مماھم علیه من اختلافھم فھو عندی علی ھدی قال وقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم رواہ رزین (مشکوۃ باب مناقب الصحابۃ) فی المقاصد الحسنة من المدخل للبیھقی من حدیث سفیان عن افلح بن حمید عن القاسم بن محمد قال اختلاف اصحاب محمد رحمة للعباد و من حدیث قتادۃ ان عمر بن عبدالعزیز کان یقول ما سرنی لو ان اصحاب محمد صلی الله علیه وآله وسلم لم یختلفوا لانھم لو لم یختلفوا لم تکن رخصة ومن حدیث اللیث بن سعد عن یحیی بن سعید قال اھل العلم اھل توسعة وما برح المفتون یختلفون فیحل ھذا ویحرم ھذا فلا یعیب ھذا علی ھذا اہ وکان اختلاف موسی و ھارون علیھما السلام فی معاملة بنی اسرائیل من ھذا القبیل وغضب موسی علیه السلام کان قبل العلم بوجه اجتھاد ھارون علیه السلام اور اس اختلاف کا ایک یہ بھی حکم ہے کہ جب یہ محمود ومقبول ہے تو اس میں ایک کا دوسرے سے عداوت کرنا اور کسی کی تضلیل وتفسیق کرنا جیسا آج کل غلاۃ میں تحریراً وتقریراً معمول ہے سخت بدعت ومعصیت وتعصب ومخالفت سلف ہے۔

فصل چہارم: اختلاف کی قسم چہارم کے بیان میں یعنی جو اختلاف ایسے امور نہی میں ہو جو فروع میں سے ہے اور بلا دلیل محض رائے سے، ہو جیسے آج کل مدعیان عقل میں عام مرض ہوگیا ہے کہ بلا تحصیل علم دین مسائل دینیہ میں دخل دیتے ہیں اور بجائے دلیل کے اس کہنے کو کافی سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال ہے اور علماء کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔ حکم اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہ سخت معصیت اور مذموم ہے اور یہ احادیث اسی باب میں وارد ہیں۔

عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی قولہ حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا متفق علیہ (مشکوۃ باب العلم) (عوف بن مالک) رفعہ تفترق امتی علی بضع و سبعین فرقۃ اعظمھا فتنہ علی امتی قوم یقیسون الامور برایھم فیحلون الحرام ویحرمون الحلال للکبیر والبزار (ابن عمر و بن العاص) رفعہ لم یزل امر بنی اسرائیل معتد لا حتی نشا فیھم المولدون وابنا سبایا الامم فقالوا بالرأی فضلوا واضلو اللقز وینی (ابن سیرین) قال اول من قاس ابلیس وما عبدت الشمس والقمر الابالمقائیس للدارمی یعنی قولہ تعالیٰ خلقتنی من نارو خلقتہ من طین (المراد القیاس الغیر الما خوذ من الشرع). (من جمع الفوائد)

فصل پنجم: اختلاف کی قسم پنجم کے بیان میں یعنی جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو اصول میں سے ہے اور کفر و اسلام کے درجہ میں ہے اس کا حکم ظاہر ہے کہ اہل اسلام کو اہل کفر کے ساتھ اختلاف کرنا اور بلا ضرورت شدیدہ یا بلا مصلحت شرعیہ اختلاط وارتباط نہ کرنا محمود مطلق اور واجب ہے اور معاملات و معاشرات اس سے خارج ہیں جس کی حدود کی تفصیل اپنے محمل میں مذکور ہے اور اہل کفر کو اہل اسلام کے ساتھ اختلاف کرنا مذموم مطلق اور قبیح ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا اہل حق کو اہل باطل کے ساتھ دینی اختلاف کرنے کا حکم مؤکد وارد ہے۔ کقولہ تعالیٰ ولا تتبع اھوا ءھم عما جاءک من الحق وکقولہ تعالیٰ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وغیر ھما من الایات پھر ان میں بھی مسالم اور غیر مسالم کے احکام میں اختلاف ہے۔ وھما مذکوران فی سورۃ الممتحنہ۔ باقی تبلیغ و مناظرہ میں رعایتِ اخلاق کی اور قول خشن سے تحرز دونوں میں مشترک ہے۔ قال ولا

تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی هی احسن وقال تعالیٰ ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن وقال تعالیٰ وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن وقال تعالیٰ وان احد من المشرکین استجارک فاجره حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغه مامنه اوراسی طرح اہل باطل کو اہل حق کے ساتھ اختلاف کرنے کی مذمت اور اس پر وعید وارد ہے۔ کقوله تعالیٰ وان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شقاق بعید وکقوله تعالیٰ ولا یزالون مختلفین الامن رحم ربک وکقوله تعالیٰ ان ربک یقضی بینهم یوم القیمة فیما کانوا فیه یختلفون وغیرهما من الآیات۔

فصل ششم: اختلاف کی قسم ششم کے بیان میں یعنی جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو اصول میں سے ہے اور سنت وبدعت کے درجہ میں ہے اور اس اختلاف کا حکم بھی باستثناء احکام مخصوصہ بالکفار وہی ہے جو اوپر فصل پنجم میں ذکر کیا گیا ہے اور ان احادیث میں اسی اختلاف کا ذکر ہے۔

(۱) عن عبداللہ بن عمرو قال هجرت الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم یوما قال فسمع اصوات رجلین اختلفا فی ایة فخرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم یعرف فی وجهه الغضب فقال انما هلک ومن کان قبلکم باختلافهم فی الکتب رواه مسلم

(۲) وعن العرباض بن سارية فی حدیث طویل من قوله علیه السلام فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوابها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة رواه احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجه.

(۳) وعن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان بنى اسرائيل تفرقت على ثنتين و سبعين ملة و تفترق امتى على ثلث وسبعين ملة كلهم فى النار الاملة واحدة قالوا منهم يارسول الله! قال ما انا عليه و اصحابى رواه الترمذى.

(۴) وعن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الله لا يجمع امتى او قال امة محمد على ضلالة ويد الله على الجماعة ومن شذشذ فى النار رواه الترمذى (۵) وعن ابى امامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل ثم قراء رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم هذه الآية ماضربوه لك الاجد لا بل هم قوم خصمون، رواه احمد و الترمذى وابن ماجه (۶) وعن ابى ذر قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه رواه احمد و ابو دائود

(۷) وعن ابراهيم بن ميسرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام. (رواه البيهقى، مشكوة)

ف (۱) بدعت سے مراد وہ بدعت ہے جو باتفاق اہل حق بدعت اور جس میں اہل حق کے اجتہاد کی گنجائش ہو وہ مثل مسائل مختلف فیہا کے ہے جن کا حکم فصل سوم میں مذکور ہوا ہے اور ارشاد الطالبین کی اس عبارت کا یہی محمل ہے۔

علاوہ آ نکہ انچہ بدعت در بعضے اعمال آنہا راہ یافتہ بنا بر خطائے اجتہادی ست و مجتہد مخطی معذور ست (حواشی باب ہشتم تعلیم الدین)

ف (۲) اور معاملات و معاشرات کا استثناء یہاں بھی ہے بلکہ بدرجہ اولی لما

رواه مسلم عن عائشة رضی الله عنها ان رجلا استاذن علی النبی صلی الله علیه وسلم فقال ائذ نواله فلبئس ابن العشیره او بئس رجل العشیرة فلما دخل علیه الان له القول قالت عائشة فقلت یا رسول الله قلت له الذی قلت ثم النت له القول قال یا عائشة ان شر الناس منزلة عندالله یوم القیمة من ودعة او ترکه الناس اتقاء فحشه قال النووی وفی هذا الحدیث مداراة من یتقی فحشه وجواز غیبة الفاسق المعلن بفسقه ومن یحتاج الناس الی التحذیر منه باب اراة من یتقی فحشه اھ

فصل ہفتم: اختلاف کی قسم ہفتم کے بیان میں یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو اور متعلق بفعل عبد ہو (اختلاف غیر حقیقی کی تفسیر اور یہ کہ اختلاف غیر حقیقی واقع میں اختلاف نہیں ہے محض صورت اختلاف ہے۔ اور حقیقت اس کی تعدد ہے خطبہ میں گزر چکا ہے) مثالیں اس اختلاف کی مثلاً اسباب معاش میں عقلا و اہل تجارب کا اختلاف کسی نے زراعت کو اختیار کرلیا کسی نے تجارت کو کسی نے ملازمت کو جس میں ملازم اجیر خاص ہوتا ہے کسی نے اور کسی پیشہ کو جیسی وکالت وطبابت یا کوئی اور ٹھیکہ کا کام جس میں یہ پیشہ ور اجیر مشترک ہے سو اس کا اختلاف حقیقی نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ کوئی پیشہ ور دوسرے پیشہ کے ذریعہ معاش ہونے کی نفی نہیں کرتا اور نہ علی الاطلاق ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ غرض ان کے مقاصد میں تعارض نہیں ہر ایک نے خاص مصالح سے کسی ایک ذریعہ کو اختیار کرلیا۔ یہی معنی ہیں اختلاف حقیقی نہ ہونے کے اور ان ذرائع کا بفعل عبد ہونا بھی ظاہر ہے اسی طرح کا اختلاف مشائخ کی تدابیر میں ہے جو اصلاح نفس کیلئے اُنہوں نے تجویز کی ہیں کہ ہر شیخ طالب کی استعداد اور مناسبت کی بناء پر خاص تدابیر کو اختیار کرتا ہے اُن میں بھی باہم تعارض نہیں اور حکم اس اختلاف کا ظاہر ہے کہ اس میں کوئی محذور نہیں بلکہ در حقیقت یہ تو اختلاف ہی نہیں محض تعدد ہے

اور اسی قبیل سے ہے اختلاف حضرت داوٗد و حضرت سلیمان علیہما السلام کا حکم فی الحرث میں جو قرآن مجید میں مذکور ہے اور قضا بالا بن للکبری و الصغری میں جو حدیث شیخین میں مذکور ہے (مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام)

فصل ہشتم: اختلاف کی قسم ہشتم کے بیان میں یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو اور بفعل حق ہو اور تکوین کے متعلق ہو جس کو مقدمہ میں اختلاف طبائع سے تعبیر کیا ہے اُس کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی صورتیں اور مزاج اور الوان وغیرہا مختلف پیدا فرمائے ہیں ان آیات میں اسی اختلاف کا ذکر ہے۔

قال تعالیٰ الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانها و غرابیب سود ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه کذالک وقال تعالیٰ ومن اٰیاته خلق السمٰوات والارض و اختلاف السنتکم والوانکم وقال تعالیٰ والنخل والزرع مختلفا اکله وقال تعالیٰ یهب لمن یشاء اناثا ویهب لمن یشاء الذکور اویزوجهم ذکرانا واناثا و یجعل من یشاء عقیما وقال تعالیٰ واللہ خلق کل دابة من ماء فمنهم من یمشی علی بطنه ومنهم من یمشی علی رجلین ومنهم من یمشی علی اربع. وقال تعالیٰ ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنهار الاٰیة وقال تعالیٰ کل فی فلک یسبحون وغیرہا من الآیات اور اس اختلاف کا حکم اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ اس کے عین حکمت ہونے میں کسی کو کلام ہی نہیں ہوسکتا اور باوجود یہ کہ اختلاف کی اس قسم کا کوئی تعلق عبد کے کسی فعل اختیاری سے نہیں جیسا مابعد کے اقسام کا ہے جو تشریع کے متعلق ہیں پھر بھی اس کا ذکر کرنا ایک غلطی کے رفع کرنے کے لئے ہے جس کا ذکر خاتمہ کی تنبیہ ہشتم میں ہے۔

فصل نہم: اختلاف کی قسم نہم کے بیان میں یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو بجعل حق ہو اور تشریع کے متعلق ہو اور شریعت واحدہ میں ہو اس کی مثال اختلاف قراءت ہے اس کا حکم اس اعتبار سے کہ تشریع فعل حق ہے وہی ہے جو اوپر کی قسم میں گزرا کہ عین حکمت ہے اور اس اعتبار سے کہ اس پر عمل کرنا فعل عبد ہے یہ حکم ہے کہ سب قراءت قراءت رسول ہونے میں متساوی ہیں جس کو چاہے اختیار کرے کسی کو کسی پر ترجیح دینا تحکم ہے اگر ان میں ایسا اختلاف کیا جاوے گا تو قسم چہارم میں داخل ہو کر مذموم ہو جاوے گا اور ابتدائے اسلام میں جو سبعہ حروف یعنی سات لغات مختلفہ عرب کی اجازت تھی وہ اختلاف بھی اس قسم میں داخل ہے گو اُن میں یہ تفاوت ہے کہ قراءت کا نزول حقیقی ہے اور یہ سب قراءت لغت قریش میں ہیں اور حروف کا نزول حکمی ہے باعتبار نزول اذن کے۔

فصل دہم: اختلاف کی قسم دہم کے بیان میں یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو اور بجعل حق ہو اور تشریع کے متعلق ہو اور شرائع متعددہ میں ہو اس کی مثال اختلاف شرائع ہے جو مختلف انبیاء کو عطا کئے گئے اور شریعت متقدمہ کیلئے شریعت متاخرہ ناسخ ہوتی رہی اس کا حکم اس اعتبار سے کہ تشریع فعل حق ہے وہی ہے کہ عین حکمت ہے اور عبد کے اعتبار سے یہ ہے کہ اعتقاد سب کے حق ہونے کا فرض اور جزو ایمان ہے اور عمل کرنا صرف اُس شریعت پر فرض ہے جس کا یہ مکلف بنایا گیا ہے جیسے ہم پر شریعت محمدیہ پر کہ ناسخ ہے تمام شرائع سابقہ کی عمل فرض ہے اور اگر ایک ہی شریعت میں مثلاً شریعت محمدیہ ہی میں ایک حکم دوسرے کا ناسخ ہو وہ بھی اس خاص اعتبار سے شرائع متعددہ کے حکم میں ہو جاوے گی اور اس اختلاف کو باوجود یہ کہ بوجہ اختلاف حلت و حرمت کے ظاہراً اختلاف حقیقی معلوم ہوتا ہے اختلاف غیر حقیقی اس لئے کہا گیا کہ از منہ مختلفہ کے اعتبار سے دونوں حکم صحت وصدق میں مجتمع ہیں یعنی وحدت زمانیہ نہ ہونے کے سبب اُن میں تعارض نہیں اور اختلاف حقیقی سے ایسا ہی تعارض مراد ہے

جیسا مقدمہ میں ذکر کیا گیا فصول عشرہ بحمد اللہ ختم ہوئے۔

خاتمہ: اس میں بعض ضروری تنبیہات ہیں جو احکام مذکورہ فصول عشرہ پر بمنزلہ تفریعات ہیں۔

تنبیہ اول: عام عادت ہوگئی ہے کہ اگر ایسا اختلاف اطباء میں ہوتا ہے تو اُن کے معتقدین و منتسبین میں گروہ بندی ہو جاتی ہے اور فریق حدود شریعت یا حدود تہذیب سے متجاوز ہو کر دوسرے فریق پر مجالس عامہ وخاصہ میں لعن وطعن و تنقیص کرتا ہے بلکہ بعض اوقات اشتہار بازی تک نوبت آ جاتی ہے جس کا سبب بجز طمع مال وزر یا حب جاہ وشہرت یا حسد وتکبر وتعصب ونفسانیۃ کے کچھ نہیں ہوتا جس کا قبح فصل اول میں ظاہر ہو چکا اور اگر یہ اختلاف علماء میں ہو جاتا ہے تو اُس وقت اس کے متعلق کئی فرقے پیدا ہو جاتے ہیں بعض تو ایک ایک جماعت کے طرف دار ہو جاتے ہیں بعضے دونوں سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ پھر طرف داروں میں دو قسمیں ہو جاتی ہیں بعضے تو وہ ہیں جن کو حق و باطل کی کچھ خبر نہیں نہ تحقیقاً نہ تقلیداً مشروعاً یا اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ بھی خبر ہے کہ ہمارا متبوع باطل پر ہے یا حدود سے تجاوز کر رہا ہے پھر بھی اُس کی نصرت عمیاء کر رہے پھر اس نصرت میں نہ غیبت سے پرہیز ہے نہ بہتان سے نہ جھوٹ سے نہ دوسری جماعت کو تقریراً و تحریراً و اخباراً و اشتہاراً بدنام و رسوا کرنے سے باک ہے اور نہ اس کی پروا ہے کہ اس کا اثر کسی اسلامی قوت مقصودہ پر کیا پڑے گا اور دین کو ضعف پہنچے گا یا ان حرکات سے مخالفان دین کی آرزوئیں پوری ہو رہی ہیں یا ان کی قوت پہنچ رہی ہے اس جماعت کا عاصی اور مورد وعید شدید ہونا ظاہر ہے اور بعض وہ ہیں جو اپنے متبوع کو حق پر سمجھ کر اُن کی نصرت کرتے ہیں مگر وہ نصرت حد شریعت کے اندر رہے یعنی اپنے متبوع سے مدافعت کرتے ہیں اور اُس کے مقابل کو کوئی ضرر نفسانی یا مالی یا جاہی نہیں پہنچاتے اور اگر مدافعت سے بڑھ کر انتقام لیتے ہیں تو اس میں جزاء سیئۃ سیئۃ

مثلہا سے تجاوز نہیں کرتے گو اس کی رعایت بنا بر تجربہ پل صراط پر گزرنے سے کم دشوار نہیں۔ یہ لوگ نصرت حق میں ماجور اور مجازاۃ بالمثل میں معذور ہیں۔ اور جو دونوں سے بیزار ہیں وہ وہ ہیں جن کو دین کے ساتھ پہلے ہی سے محبت نہیں اور نہ وہ اطاعت احکام کو ضروری سمجھتے ہیں نہ اُن کو فکر عمل ہے نہ اُن کے قلب میں علماء کی عظمت و وقعت و محبت و عقیدت ہے اُن کو اعمال سے بچنے کا اور علماء پر اعتراض کرنے کا ایک بہانہ مل گیا۔ سو اُن کی حالت کا فیصلہ ظاہر ہے حاجت بیان نہیں اور نہ اُن سے خطاب کچھ مفید ہے صرف اتمام حجت کے لئے ایک نظیر جواب میں ذکر کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ ان صاحبوں کو اگر اتفاق سے کیمیا کی ہوس ہو جاوے اور کسی شخص کے متعلق یقین بلکہ شبہ بھی ہو جاوے کہ یہ اس کو جانتا ہے مگر اُس کی ظاہری حالت اُس کی تکذیب کرتی ہو تب بھی اُن کو کوئی امر اُس کی خدمت اور اطاعت سے مانع نہیں ہوتا محض اسی امید پر کہ اس سے اتنی بڑی دولت مل سکتی ہے اور اس کا دھوکہ باز ہونا بھی ثابت ہو جاوے تو خاص اُس سے تو علیحدگی اختیار کرے گا لیکن اگر کسی دوسرے پر اس کا مظنہ ہو جاوے تو یہی معاملہ اُس کے ساتھ بھی کرے گا اور بالکل اس شعر کا مصداق ہو جاوے گا:

طلبگار باید صبور و حمول   کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول
کشند از برائے دلے بارہا   خورند از برائے گلے خارہا

سو اگر ان صاحبوں کو دین کی طلب ہوتی تو اُس مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے یہی معاملہ ان کا علماء کے ساتھ بھی ہوتا گو وہ علماء باعمل بھی نہ ہوتے مگر اس کو تو دولت علم دین ہر حال میں دے سکتے ہیں پھر اُس میں دھوکہ بھی نہیں دیتے اگر کسی کو شبہ ہو کہ بعض علماء اپنی غلطیوں کی تاویلیں بھی کرتے ہیں کیا یہ دھوکہ نہیں ہے جواب یہ ہے کہ مسائل تو غلط نہیں بتلاتے یا مسائل دانی کا دعویٰ تو غلط نہیں کرتے نہ اُن کی تاویل کا یہ مطلب ہوتا ہے اُس کا حاصل تو یہ ہے کہ باوجودیکہ مسئلہ کے خلاف کوئی کام لیا مگر یہ

ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ تو اپنے حال پر صحیح ہے مگر ہم نے اس کے خلاف نہیں کیا سواس سے دوسرے کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچا خود اُن کا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ آپ بھگتیں گے اور ایک فرقہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ کسی کے طرفدار نہ کسی سے بیزار۔ اُن کی حالت بالکل بے خطر و بے ضرر ہے گو ناصر حق سے اُس کا اجر کم ہو مگر اس میں ترجیح یہ ہے کہ اس میں احتمال معصیت نہیں اور جس شخص کی نصرت پر حق کا غلبہ موقوف نہ ہو اُس کے لئے یہی طرز اسلم اور بے غبار ہے۔

تنبیہ دوم: بعضے لوگ محض حمیت قومی یا نصرت خاندانی کی بناء پر ہر حال میں اپنی برادری یا کنبہ یا اولاد کی طرف داری کو ضروری سمجھتے ہیں، جا بیجا کو نہیں دیکھتے اور اس کا نام قومی اتفاق رکھتے ہیں فصل دوم میں اس کا حکم مذکور ہو چکا۔

تنبیہ سوم: بعض جہلاء علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے یہاں ہر بات میں اختلاف ہے اب ہم کس کا اتباع کریں کس کو سچا سمجھیں کس کو جھوٹا سمجھیں سو فصل سوم میں جب اُس اختلاف کا قرآن وحدیث واقوال اکابرامت سے محمود ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اس اختلاف پر اعتراض کرنا حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اکابر اُمت پر اعتراض کرنا ہے۔ رہا یہ کہ پھر ہم کس کا اتباع کریں سو اس کا فیصلہ نہایت سہل ہے وہ یہ کہ جب کسی مریض کے باب میں ماہرین اطباء کا اختلاف ہوتا ہے یا کسی مقدمہ کے متعلق وکلاء کا اختلاف ہوتا ہے کیا تم سب کو چھوڑ کر مریض کے معالجہ سے اور مقدمہ کی پیروی سے بیٹھ رہتے ہو یا کسی اصول کی بنا پر اُن میں سے ایک کو ترجیح دے کر اپنے مقصود میں مشغول ہو جاتے ہو اسی طرح یہاں بھی ترجیح کے کچھ اُصول ہیں جو عقل صحیح سے معلوم ہو سکتے ہیں اُن ہی اُصول سے یہاں بھی ایک کو ترجیح دے کر کام میں لگنا چاہیے مگر اختلاف اطباء کے وقت اُن اصول کا اعمال اور اختلاف علماء کے وقت اُن اصول کا اہمال صرف اس وجہ سے ہے کہ وہاں مقصود دنیوی کو

ضروری سمجھتے ہیں اور وہ موقوف ہوا اتباع پر اور یہاں مقصود دینی کو ضروری نہیں سمجھتے اس لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں بعض لوگ اس سے بڑھ کر جہالت پر کارفرما ہوتے ہیں اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ علماء سب جمع ہو کر ایسے مسائل کا فیصلہ کر کے سب ایک شق پر متفق ہو جاویں اس کا حقیقی جواب سمجھنے کے لئے تو علوم شرعیہ میں مہارت کی ضرورت ہے جوان صاحبوں میں اس وجہ سے مفقود ہے کہ علم دین میں مشغول ہونا ان کے نزدیک منجملہ جرائم وتنزل کے ہے اس لئے ایک سطحی جواب عرض کرتا ہوں وہ بھی کافی ہے وہ یہ کہ کیا اس کے قبل کسی زمانہ میں ایسے علماء وسلاطین نہیں گزرے جنہوں نے اس ضرورت کا احساس کیا ہو اور اس کا انتظام بھی کر سکتے ہوں اگر جواب نفی میں ہے تو آفتاب نصف النہار کا انکار ہے اور اگر اثبات میں ہے تو اس سے اجمالاً سمجھ لیجئے کہ اس میں کوئی مانع شرعی ضرور تھا جس کے سبب اس کا قصد نہیں کیا گیا تو کیا ایک ممنوع شرعی کی ہم سے درخواست کی جاتی ہے۔ ع ایں خیال ست ومحال ست وجنوں۔ کیا علماء تمہاری خواہشوں پر اس آیت کو بھول جائیں گے **ولئن اتبعت اهواء هم بعد الذی جاء ک من العلم مالک من الله من ولی ولا نصیر.**

لطیفہ: ایک عالم سے جو کہ فارسی میں احقر کے استاد ہیں ایک عیسائی نے اعتراض کیا کہ اہل اسلام میں دینی تحقیق کی کمی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے اکثر مسائل مختلف فیہ ہیں اگر کافی تحقیق ہوتی تو سب میں متفقہ فیصلہ ہو جاتا اُنہوں نے جواب دیا کہ یہی تو دلیل ہے ان کی غایت تحقیق کی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی بے تحقیق کئے نہیں چھوڑا اور تحقیق کے لوازم عادیہ سے ہے اہل تحقیق میں اختلاف ہو جانا خصوص جب کہ محل تحقیق معانی میں سے ہو جبکہ مادیات مشاہدہ میں اختلاف ہو جاتا ہے ماشاء اللہ نہایت لطیف جواب ہے۔

تنبیہ چہارم: ایک عام طریقہ ہو گیا ہے مسائل دینیہ میں جہلاء کا دخل دینا اور

دلیل کے مقابلہ میں اس کہہ دینے کو کافی سمجھنا کہ ہمارا خیال یہ ہے اس کا مذموم ہونا فصل چہارم میں گزر چکا ہے اتنا اور مزید کرتا ہوں کہ کیا یہ حضرات کبھی کسی حکیم وڈاکٹر کی تجویز سننے کے بعد اُس کے خلاف رائے قائم کر کے یہ کہنے کی ہمت کر سکتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے کسی حاکم وافسر کے سامنے اُس کے حکم کے خلاف رائے ظاہر کر کے یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے۔ تو افسوس خدا اور رسول کے احکام کے سامنے یہ کہنے کی کیسے جسارت ہوتی ہے اگر کہا جاوے کہ وہ اللہ ورسول کے احکام ہی نہیں ہوتے یا تو وہ علماء کا اجتہاد ہوتا ہے یا اگر نصوص ہوتے ہیں تو اُن کی تفسیر علماء کی ہوتی ہے ہم علماء کے مقابلہ میں کہتے ہیں۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ نصوص کو بھی علماء جیسا سمجھتے ہیں تم قیامت تک نہیں سمجھ سکتے اور اگر اُن کا اجتہاد ہے تو وہ اجتہاد بھی ماخوذ نصوص ہی سے ہے اُس کے اخذ کا سلیقہ بھی علماء ہی کو ہے تم کو نہیں لہٰذا دونوں حالتوں میں علماء کے مقابلہ میں یہ کہنا درحقیقت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مقابلہ میں کہنا ہے۔

لطیفہ: میرا زمانہ فراغ درسیات کا قریب تھا کہ ایک وکیل جس کے ساتھ قانون کی کتابیں بھی تھیں ہمارے گھر مہمان ہوئے میں تفریحاً ایک اردو کتاب قانون کی اٹھا کر دیکھنے لگا اور امتحاناً ایک دفعہ کی تقریر اُن کے سامنے کر کے اُن سے تصویب چاہی انہوں نے کہا کہ اس دفعہ کا یہ مطلب نہیں اور جو مطلب انہوں نے سمجھا تھا وہ جی کو لگتا تھا دیکھئے اردو اپنی مادری زبان اور معمولی عبارت اور سمجھنے والا ایک فارغ طالب علم اور پھر بھی سمجھنے میں غلطی، تو یہ بیچارے اُردو خوان عربی کو یا عربی کے اردو ترجمہ کو کہ وہ دلالت علی المطلوب میں اور بھی بعید ہو جاتا ہے۔ صحیح صحیح کیسے سمجھ سکتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُس سے استنباط کیسے کر سکتے ہیں مجھ کو تو ایسے مدعیان کا منظر دیکھ کر بیساختہ یہ شعر یاد آ جاتا ہے:

گربہ میروسگ وزیر وموش رادیوان کنند
ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

تنبیہ پنجم: بعض لوگوں کو اتفاق میں یہاں تک غلو ہو جاتا ہے کہ کفار سے بھی کامل اتفاق رکھنا چاہتے ہیں حتی کہ اُن کے بعض شعائر مذہبی تک کو اختیار کر لیتے ہیں اور حتی کہ بعض مدعیان علم جوش اتفاق میں مشرکین کو اہل کتاب ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں اور حتی کہ اُن کفار کی خاطر احکام اسلامیہ میں تحریف کرنے کو گوارا کر لیتے ہیں اور یہ ہوا چند روز سے زیادہ چل گئی ہے۔ فصل پنجم میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

تنبیہ ششم: بعض منسوبین الی التصوف میں یہ مرض ہو گیا ہے کہ اُن کے یہاں بدعت وسنت کا فرق ہی لاشیء ہے اُن کا مذاق یہ ہے کہ ایسے امور میں نزاع واختلاف ناحقیقت شناسی سے ہے سب کو توسع سے کام لینا چاہیے اور یہ تو اُن کا ذکر ہے جو اللہ کا نام لینے والے اور کسی قدر مجاہدہ سے اپنے اخلاق کو درست کر چلے ہیں ورنہ اُن میں جو ذکر مجاہدہ سے محروم ہیں وہ تو اہل حق کے دشمن اور سنت سے نفور ہیں اور متبعین سنت کو برے القاب سے یاد کرتے ہیں اور اپنے تابعین کو اُن سے نفرت دلاتے ہیں اور بدعات کو سنن بلکہ فرائض سے بڑھ کر مثل جز وایمان کے اور اللہ ورسول کی محبت کی علامات سے ٹھہرا رکھا ہے اُن کی بیہودگی کا تو ذکر ہی نہیں میں اُن کا ذکر کرتا ہوں جن میں کچھ اثر ذکر وفکر کا ہے سو اُن کا مذاق جس کو وہ مذاق تصوف سمجھتے ہیں یہ ہے کہ ایسے امور میں باہم اختلاف نہ کرنا چاہیے بلکہ بعضے تو جو زیادہ غالی ہیں اسلام وکفر کے اختلاف میں بھی تنگی کو اچھا نہیں سمجھتے اور اُن کا مقولہ یہ ہے موسےٰ بدین خود، عیسےٰ بدین خود، اور ان کے دلائل اس قسم کے اقوال ہیں:

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام

با مسلماں اللہ اللہ بابر ہمن رام رام

سو اول تو خدا جانے یہ کس کا قول ہے دوسرے اگر کسی بزرگ کا بھی ہو تب بھی دو حال سے خالی نہیں اگر قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو اُس کو بزرگ کا قول ہی کہنا

جائز نہیں اور اگر موافق ہے تو موافقت کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ ان اقوال میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے وہ قرآن وحدیث کے معارض نہ رہے، فصل ششم میں بدعت میں توسع نہ ہونے کی تحقیق گزر چکی ہے۔

لطیفہ: میں بالکل نوعمر تھا اور کانپور میں تازہ تازہ مدرسی پر مامور ہوا تھا۔ والد صاحب مرحوم اتفاق سے ایک مقدمہ کی ضرورت سے اِلٰہ آباد آئے اور بیمار ہو گئے۔ میں بیماری کی خبر پا کر الٰہ آباد حاضر ہوا اُس زمانہ میں وہاں ایک ولایتی بزرگ تھے محمدی شاہ ذاکر شاغل با اوقات بزرگ تھے گو صاحب سماع تھے مگر دنیا دار نہ تھے۔ اکثر اہل مقدمہ اُن کی خدمت میں مقدمات میں دعا کرانے کے لئے جایا کرتے تھے۔ والد صاحب مرحوم اپنے ساتھ مجھ کو بھی ان کی خدمت میں لے گئے بہت اخلاق سے پیش آئے اور جب اُن کو معلوم ہوا کہ یہ طالب علم ہے تو فرمانے لگے مولوی اس آیت کا ترجمہ کرو۔ **لکل امة جعلنا منسکاهم ناسکوه فلاینا زعنک فی الامر وادع الی ربک انک لعلی هدی مستقیم**، دیکھو اس میں نزاع سے منع فرمایا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نزاع کفار سے منع نہیں فرمایا چنانچہ **لا تنازعهم** نہیں فرمایا گیا بلکہ کفار کو نزاع رسول سے منع فرمایا ہے چنانچہ **لا ینازعنک** اس میں صریح ہے تو آیت سے تو نزاع اہل باطل مع الحق کی نہی ثابت ہے نہ کہ اس کا عکس کیونکہ اس کا عکس تو دعوت الی الحق ہے جو **وادع الی ربک** کا مدلول ہے آگے دونوں حکموں کی علت ہے **انک لعلی هدی مستقیم** یعنی چونکہ آپ ہدی مستقیم پر ہیں اس لئے آپ کو حق ہے کہ دوسروں کو اپنی راہ کی طرف بلائیں اور وہ لوگ ہدی پر نہیں اس لئے ان کو حق نہیں کہ آپ کو اپنی راہ کی طرف بلائیں یہ بسط ہے اُس تقریر کا جو شاہ صاحب کے جواب میں عرض کی گئی شاہ صاحب سن کر بالکل خاموش ہو گئے مگر خوش رہے، اگر کسی طالب علم کو شبہ ہو کہ بعض

مفسرین نے فلا ینا زعنک کی تفسیر میں فلا تنازعھم کہا ہے تو جواب صحیح نہ رہا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان بعض کی تفسیر پر مطلق نزاع مراد نہیں بلکہ نزاع خاص مراد ہے یعنی نزاع غیر احسن، فصل پنجم میں تبلیغ و مناظرہ کے متعلق ان دونوں کا فرق گزر چکا ہے اور فصل ششم میں اُن آیات کا اشتراک کفار و مبتدعین میں گزر چکا ہے۔

تنبیہ ہفتم: بعض لوگ اختلاف غیر حقیقی کے ساتھ اختلاف حقیقی کا سا معاملہ کرتے ہیں اور اختلاف حقیقی کی بھی وہ قسم جو اصول دینیہ میں ہو کہ اُس میں ایک شخص دوسرے کو گمراہ کہتا ہے چنانچہ بعض مدعیان تصوف سلاسل میں ایک دوسرے پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں جس سے دوسرے کی تنقیص ہوتی ہے کوئی چشتی کو بڑھاتا ہے اور نقشبندی کی اہانت کرتا ہے کوئی بالعکس اس کا حکم فصل ہفتم میں مذکور ہو چکا ہے کہ اس اختلاف میں کوئی محذور نہیں بلکہ یہ اختلاف ہی نہیں محض تعدد طرق ہے جیسے ایک کراچی سے حج کو چلا گیا۔ دوسرا بمبئی سے اس میں کسی کی تنقیص کرنا جہل محض اور تعصب قبیح ہے۔

تنبیہ ہشتم: مسئلہ اتفاق کے متعلق اکثر محرکین اتفاق اپنی تقریروں میں ایک غلطی کرتے ہیں وہ یہ کہ ان مقررین کا بالعموم یہ شیوہ ہو گیا ہے کہ دلائل تکوینیہ سے بھی اپنے مدعا کی اس طرح تائید کیا کرتے ہیں کہ دیکھو زمین کے اجزاء میں اگر اجتماع و اتفاق نہ ہوتا تو اس پر ہمارا استقرار نہ ہو سکتا اگر آسمان کے اجزاء میں اتفاق نہ ہوتا تو ہم اُس کے منافع سے محروم رہتے ان سب کی ذات اور منافع کا وجود اتفاق ہی پر موقوف ہے اس استدلال کا غلط ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ اتفاق تکوینی اگر استحسان اتفاق کی دلیل ہو سکتی ہے تو اسی طرح اختلاف تکوینی جس کا ذکر فصل ہشتم میں ہے۔ استحسان اختلاف کی بھی دلیل ہو سکے گی۔ ولم یقل به احد .

لطیفہ: جب میری شادی ہوئی تو برادری کے ایک ممتاز شخص کو جن سے والد صاحب مرحوم کی کچھ کشیدگی تھی والد صاحب نے دعوت شرکت کیلئے مجھ سے رقعہ

لکھوایا۔ میں نے اُس میں اتفاق کے محاسن میں اجتماع اجزاء ارض وسماء کا بھی ذکر کیا تھا اُنہوں نے جواب میں وہ حدیث ذکر کی جس میں باہم آسمانوں میں اور زمینوں میں پانچ پانچ سو برس کا فصل وارد ہے اور لکھا کہ یہ حدیث افتراق کے استحسان پر دال ہے۔ او کما قال۔ اب مجھ کو سوچنے سے اپنی کمزوری یاد آتی ہے کہ واقع میں میرا استدلال ہی لا شیء تھا اس لئے اس کا جواب بے شک لا جواب ہے اور اس غلطی استدلال کے ذکر کا وعدہ فصل ہشتم کے اخیر میں گزرا ہے۔

تنبیہ نہم: بعض لوگوں کو قرآن مجید کا حقیقی نزول سات قراءت میں اور حکمی نزول سات لغات میں جن کو حدیث میں سبعہ احرف فرمایا گیا ہے۔ سن کر قرآن مجید کے محفوظ قطعی ہونے پر نعوذ باللہ شبہ ہو جاتا ہے کہ محفوظ قطعی میں اختلاف کیسا اس غلطی کا منشا یہی ہے کہ اختلاف کے معنی تعارض کے سمجھ گئے جس میں ایک کا اثبات دوسرے کی نفی ہے ایسا تعارض فی الواقع منافی محفوظیت کے ہے مگر یہاں تو اختلاف ہی نہیں۔ صرف تعدد ہے اور حفاظت جیسے امر واحد کی ہو سکتی ہے اُمور متعددہ کی بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سبع قراءت کا اس وقت تک محفوظ ہونا اور سبعہ احرف کا جب تک وہ باقی تھے محفوظ رہنا مشاہد ہے۔ فصل نہم میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

تنبیہ دہم: بعض اہل باطل کو نسخ احکام پر یہ شبہ ہو گیا ہے کہ نسخ فرع ہے تعارض کی اور متکلم واحد کے دو کلاموں میں تعارض ہونا مستلزم ہے متکلم کے یا ذہول عن الکلام السابق کو یا جہل عن مصلحۃ الکلام اللاحق کو اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے پس نسخ ہی منفی ہے۔

جواب اس کا ظاہر ہے کہ ان دونوں حکموں میں محض صورۃً تعارض ہے حقیقۃً تعارض نہیں بوجہ اختلاف ازمنہ حکم کے جیسا طبیب ماہر کے نسخوں میں خاص یہ اختلاف ہوتا ہے کہ وہ اول منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے پھر مسہل کا پھر تبرید کا پھر تقویت کا اور یہ سب وہ پہلے ہی سے تجویز کر لیتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ سب نسخے علی الترتیب استعمال

کراؤں گا وہاں کسی کو یہ شبہ نہیں ہوتا پس اشکال کی بناء ہی منہدم ہے۔لہٰذا اشکال بھی منعدم ہے اس کا تعارض حقیقی نہ ہونا فصل دہم میں مذکور ہو چکا ہے۔

التفریع علی المجموع: مجموعہ اجزاء رسالہ سے امور ذیل ثابت ہوئے۔

(۱) اختلاف کے اقسام عشرہ میں سے اختلاف مذموم صرف چار اختلاف ہیں یعنی قسم دوم۔

وچہارم وپنجم وششم: اور وہ بھی جانبین سے نہیں بلکہ صرف صاحب باطل کی طرف سے۔

باقی صاحب حق کی طرف سے تو یہ اقسام بھی محمود اور مطلوب ہیں اور بقیہ چھ اقسام تو علی الاطلاق محمود ہیں اور اگر قسم ہشتم کو اُس وجہ کی بناء پر جو کہ فصل ہشتم میں مذکور ہے ان اقسام میں مستثنیٰ کر دیا جائے تب بھی اختلاف محمود کی پانچ قسمیں رہ جاتی ہیں تو ہر حال میں زیادہ اقسام اختلاف کے محمود ہی رہے ایک صورت میں چھ قسمیں اور ایک صورت میں پانچ قسمیں اور دوسری جانب چار ہی قسمیں ہیں پس علی الاطلاق اتفاق کو محمود اور اختلاف کو مذموم کہنے کا حکم غلط ہو گیا۔

(۲) اختلاف محمود کے بعض اقسام وہ بھی ہیں کہ وہ صرف محمود ہی نہیں بلکہ شرعاً واجب اور اُن کے مقابل اتفاق شرعاً حرام ہے ان سب کی تفصیل فصول سابقہ میں جدا جدا مذکور ہو چکی ہے اور ساتھ ساتھ دلائل بھی مذکور ہوئے ہیں بعض دلائل بطور تتمہ کے اور بھی ذکر کرتا ہوں۔

قال اللہ تعالیٰ ، وقال انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیمۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا الأیۃ وقال تعالیٰ وقالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لو لیہ ما شھدنا مھلک اھلہ وانا لصادقون و مکروا مکرا ومکرنا مکرا وھم لا یشعرون وقال تعالیٰ واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او

یخرجوک ویمکرون ویمکروا اللہ وغیرھا من الأیات وعن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لابی ذریا ابا ذر ای عری الایمان اوثق قال اللہ و رسولہ اعلم قال الموالاۃ فی اللہ والحب فی اللہ والبغض فی اللہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان وعن ابی ذر فی حدیث طویل قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ رواہ احمد، وروی ابو داؤد الفصل الاخیر و عن ابی رزین فی حدیث طویل انہ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احب فی اللہ وابغض فی اللہ رواہ البیھقی. (مشکوۃ)

(۳) جب بعض افراد اتفاق کے حرام اور بعض افراد اختلاف کے واجب ہوئے اور واجب غیر ہے حرام سے تو ثابت ہوا کہ بعض اختلاف خیر ہے اتفاق سے اور بعض اتفاق شر ہے اختلاف سے، عارف رومی اسی باب میں فرماتے ہیں:

جنگ ہا بیں کان اصول صلح است ۔۔۔ چوں نبی کہ جنگ اوبہر خداست
طرفہ آں جنگے کہ اصل صلحہا ست ۔۔۔ شادآں کایں جنگ اوبہر خداست
غالب است و چیر برہر دوجہاں ۔۔۔ شرح ایں غالب نگنجد در دہاں
ذرۂ کو محوشد در آفتاب ۔۔۔ جنگ اوبیرون شداز وصف وحساب
چوں زذرہ محوشد نفس و نفس ۔۔۔ جنگش اکنوں جنگ خورشیدست وبس
رفت ازوے جنبش طبع و سکوں ۔۔۔ ازچہ از انا الیہ راجعون

(خطبہ دفتر سادس)

(۴) جب بعض اختلاف محمود بلکہ واجب بھی ہے اور جو اختلاف مذموم ہے وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ صرف صاحب باطل کی طرف سے جیسا ابھی نمبر (۱) میں بھی گزرا ہے تو ہر نا اتفاقی کے وقوع پر بعض لوگوں کا جانبین کو ملامت کرنا یا بلا تحقیق ایک پر

ملامت کرنا ظلم ہے بلکہ سب سے اول اس کی تحقیق ضروری ہے کہ کس کا اختلاف محمود ہے کس کا مذموم۔ پھر صاحب محمود کی نصرت اور صاحب مذموم پر ملامت کا حق ہے اور اشتباہ کی صورت میں سکوت واجب ہے جیسا تنبیہ اول میں مفصلاً بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جو دلائل مطلوبیت اتفاق کے ہیں وہ مطلق نہیں بلکہ اُن کے خاص محامل ہیں جیسے دلائل مطلوبیۃ اختلاف کے بھی خاص محامل ہیں ان سب کی تفصیل فصول رسالہ میں مذکور ہوئی ہے۔ ان دلائل مطلوبیۃ اتفاق میں سے ایک خاص دلیل کے متعلق جو کہ کثیر الدور علی الالسنہ ہے ایک خاص غلطی عام ہو رہی ہے اُس کا مختصر دفع بطور تتمہ کے ضروری سمجھتا ہوں وہ دلیل یہ آیت ہے **واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكر وانعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا الآية** اور وہ غلطی یہ ہے کہ اس آیت میں دو لفظ دیکھ لیتے ہیں ایک **جمیعا** کہ اجتماع پر دال ہے۔ دوسرا **لا تفرقوا** کہ افتراق سے ناہی ہے اور اُس کی قید پر نظر نہیں کرتے اس لئے محل بے محل اس کو استدلال میں پیش کر دیتے ہیں۔ یہ ہے وہ غلطی عام، اور دفع اس غلطی کا اس قید میں نظر کرنا ہے اور وہ قید اعتصام **بحبل الله** کی ہے جس کی تفسیر احکام دینیہ کا التزام اعتقادی و عملی ہے۔ تقریر مدلول آیت کی بلحاظ قید یہ ہے کہ تم سب اعتصام اختیار کرو اور اس میں تفرق مت کرو کہ کوئی اعتصام اختیار کرے کوئی نہ کرے پس مقصود بالذات اعتصام ہے نہ کہ اجتماع اور منہی عنہ ترک اعتصام ہے نہ کہ تفریق۔ پس اگر اعتصام میں تفرق ہوتا ہو اس طور سے کہ بعض نے اعتصام کیا بعض نے نہ کیا تو اس تفرق سے بچنے کے لئے اعتصام کو نہ چھوڑیں گے بلکہ اعتصام کے لئے تفرق کو گوارا کر لیں گے اور اگر ترک اعتصام سے اجتماع حاصل ہوتا ہو اس طور سے کہ سب نے اعتصام ترک کر دیا اور بے دینی پر مجتمع ہو گئے تو اس اجتماع کے لئے اعتصام کو ترک نہ کریں گے بلکہ اعتصام کے لئے اجتماع کو

ترک کردیں گے، خوب سمجھ لو، یہ تو دفع ہے غلطی کا۔

اوراس آیت میں ایک فائدہ عظیمہ علمیہ وعملیہ متعلقہ اتفاق پر بھی دلالت ہے یعنی اس میں اتفاق واجتماع مطلوب کے حاصل ہونے کا ایک سہل اور کامیاب طریقہ بھی بتلایا گیا ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ سب مل کر احکام الٰہیہ کا اتباع کرنے لگیں اس سے خود بخود بلا کسی تدبیر مستقل کے لزوماً اتفاق پیدا ہو جاوے گا۔ ورنہ بدون اس کے بڑی سے بڑی تدبیر بھی ناکام ہے۔ اول تو حدوث ہی میں ورنہ بقا میں تو ضرور، اور راز اُس کا یہ ہے کہ ایسا اتفاق اغراض پر مبنی ہوگا اور اغراض میں تبدل ہوتا رہتا ہے اُسی کے ساتھ اتفاق بھی رخصت ہو جاوے گا۔ اور جو اتفاق احکام الٰہیہ پر مبنی ہوگا چونکہ احکام بدلتے نہیں اس لئے وہ اتفاق بھی باقی رہتا ہے اور ایسی تدابیر کے غیر نافع ہونے کی طرف دوسری آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ **هو الذی ایدک بنصره وبالمؤمنین والف بین قلوبهم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم.** یہ مجمل تقریر ہے آیت اعتصام کے دو مدلولوں کی ایک دفع غلطی متعلق اتفاق اور دوسری تعلیم تدبیر اتفاق اور مفصل تقریر مدلول اوّل کی احقر کے وعظ الاعتصام بحبل اللہ کے ثلث دوم میں جو اسی آیت کے بیان میں ہے اور مدلول ثانی کی وعظ الاتفاق کے ثلث دوم اور ورق اخیر میں جو ایک دوسری آیت کے بیان میں ہے شائع ہو چکی ہے اگر شوق ہو ملاحظہ فرمالیا جاوے۔ الحمد للہ رسالہ ختم ہوا اور غالباً اپنے موضوع میں یہ پہلا رسالہ ہے واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

کتبہ: اشرف علی عفی عنہ لیوم النحر من ذی الحجۃ ۱۳۴۶ ہجری

اسباب
القحط والغلاء

حضرت حکیمُ الاُمت مُجدد المِلت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العُلوم القرآنیۃ واقف الاُسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاُسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التَّھَانَوِیْ

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اسباب القحط والغلاء

یعنی مہنگائی اور قحط کے اسباب

(قال الرومی مشیراً الی بعضہا)

ابرناید از پئے منع زکات

(اس کا دوسرا مصرعہ سرخی آئندہ میں مرقوم ہوگا۔ ۱۲ منہ)

ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث طویل میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نہیں کیا کم کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر مبتلا ہوئے قحط سالی اور سخت مشقت میں اور نہیں بند کی کسی قوم نے زکوٰۃ اپنے مال سے مگر محروم کئے گئے بارش آسمانی سے۔

پس اگر بہائم نہ ہوتے تو بالکل بارش ہی نہ ہوا کرتی۔'' الحدیث اور معجم طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر روک لیا اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو۔'' الحدیث۔ امام احمد نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے ''نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہوا ان میں زنا مگر پکڑے جاویں گے قحط میں'' الحدیث (من علاج القحط والوبا) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ ''نہیں کیا کم کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر قطع کیا گیا ان سے رزق'' الحدیث۔ روایت کیا اس کو مالک نے (من المشکوٰۃ باب تغیر الناس) ان احادیث سے اسباب قحط و گرانی و امساک باراں و کمی

رزق کے یہ معلوم ہوئے: نمبرا۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔ نمبر۲۔ زکوٰۃ نہ دینا۔ نمبر۳۔ زنا کرنا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو البتہ کشادہ کر دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان سے اور زمین سے (شروع پارہ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور مطلق تقویٰ میں کمی کرنا سبب ہے پیداوار اور بارش آسمانی اور زمینی کی کمی کا جب اسباب اس کے مشخص ہو گئے تو علاج اس کا ان اسباب کا ازالہ ہے یعنی ایمان کی درستی تمام معاصی سے توبہ واستغفار کرنا خصوص حقوق العباد میں کوتاہی کرنے سے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے اور زنا اور اس کے مقدمات سے کہ وہ بھی بحکم زنا ہی ہیں جیسے بری نگاہ کرنا نامحرم سے باتیں بقصد لذت کرنا اس کی آواز سے لذت حاصل کرنا خصوص گانے بجانے سے چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس کو علاج فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے روبرو (اعمال سیاہ سے) استغفار کرو پھر (اعمال صالح سے) اس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر بارش کو بڑی کثرت سے بھیجے گا (پارہ ۱۲ رکوع ۴) اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو موثر سمجھ کر علاج مذکور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت شکایت کا یارائے زنی و پیشین گوئی یا تخمینی کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعت وقت ہے۔ ہم اسباب طبعیہ کے منکر نہیں مگر اس کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو سبب نہ کہے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے مگر جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا۔ گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے سو کیا یہ غلطی نہیں ہوگی یہی حالت ہم لوگوں کی ہے۔

فروع

نمبرا: بعض لوگ امساک باراں کیلئے کچھ تعویذ لکھ کر آسمان کے نیچے رکھتے ہیں۔
نمبر۲: بعض جو پہلوں سے اسلم ہیں چندہ کے طور پر کچھ جنس ونقد جمع کر کے کھانا

پکوا کر تقسیم کرتے ہیں۔

نمبر۳: بعض جوان پچھلوں سے بھی اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور نماز استسقاء پڑھتے ہیں۔سوامراوّل تو تاثیر میں کالعدم ہے اور اگر مجہول الحقیقت ہو تو بوجہ عدم جواز مضر ہے اور امر ثانی نافع ہے مگر نا کافی ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہو چنانچہ جمع کرنے میں وجاہت سے کام لینا یا تقسیم میں اپنے نفس کو یا اپنی اہل خصوصیت کو بدون حاجت یا بدون انداز حاجت دوسرے مساکین پر مقدم رکھنا اور اہل اثر کا اس میں مالکانہ تصرف کرنا جیسا کہ یہ امور مشاہد ہیں تو برعکس اور زیادہ مضر ہے۔امر سوم بدلیل وُرودِ سنت کافی ہے مگر جبکہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنی اور روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اُس دعا واستسقاء کی استغفار ہے چنانچہ حصن حصین میں جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء کی وارد ہے اس میں فارسل السماء علینا مدراراً کے قبل یہ جملے ہیں۔انت المستغفر الغفار استغفرک للحامات من ذنوبنا ونترب الیک من عوام خطایانا۔پھر فارسل الخ کو متفرع فرمایا گیا ہے جس سے ضرورت جمع واضح طور پر ثابت ہے۔

اسباب البلاء والوباء

یعنی وباؤں اور مصیبتوں کے اسباب

(قال الرومی مشیراً الی بعضہا)

وزنا افتد وبا اندر جہات

(اس کا پہلا مصرعہ پہلی سرخی میں لکھا گیا ہے۔۱۲ منہ)

ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نہیں ظاہر ہوئیں بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتیٰ کہ کھلم کھلا کرنے لگیں۔مگر مبتلا ہوئی طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں کہ جو اُن

کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔“” اور معجم طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں زنا مگر ظاہر ہوئی ان میں موت یعنی وباء الحدیث۔ اور سماک بن حرب نے عبدالرحمٰن سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب ظاہر ہوتا ہے سود اور زنا کسی بستی میں حکم فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کی ہلاکت کا۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ڈھانک دیا کرو برتن کو اور بند کر دیا کرو مشکیزہ کو کیونکہ سال بھر میں ایک شب ہوتی ہے کہ اُس میں وباء نازل ہوتی ہے۔ جس برتن یا مشکیزہ پر اس کا گزر ہوتا ہے جو کہ ڈھکا ہوا اور بند نہ ہو اس میں وہ وباء داخل ہو جاتی ہے (من علاج القحط والوباء) اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ نہیں رائج ہوا زنا کسی قوم میں مگر کثرت سے ہونے لگی ان میں موت الحدیث روایت کیا اس کو مالک نے (من المشکوٰۃ باب تغیر الناس) ان احادیث سے اسباب طاعون وامراض عجیبہ اور مطلق وباء اور ہلاکت جان بالموت یا بالقتل یا ہلاکت مال بالقحط یا بالغارت کے یہ معلوم ہوئے۔

نمبر۱: زنا اور مطلق کثرت فحش جس میں زناء کے مقدمات اور امرد پرستی سب داخل ہیں۔

نمبر۲: سود کا لین دین۔

نمبر۳: برتنوں کا شب کو کھلا رہنا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ پس نازل کی ہم نے ان ظالموں پر (یعنی ظالمانِ بنی اسرائیل پر) ایک آفت سماوی (یعنی طاعون کمافی التفاسیر) اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے اھ (پارہ یکم قریب نصف) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مطلق نافرمانی بھی سبب ہوتا ہے طاعون کا۔ جب اسباب مشخص ہو گئے تو علاج اس کا ان اسباب کا ازالہ ہے۔ یعنی فرماں برداری اور معاصی کا ترک کرنا اور ہر نافرمانی سے توبہ واستغفار کرنا خصوص فحش مثل زنا ومقدمات زنا ولواطت ومقدمات لواطت مثل نظر بد وتلذذ بالکلام وغیرہ سے اور سود کے لین دین سے اور یہ تدبیر دافع بھی ہے اور مانع بھی اور

شب کے وقت برتنوں کو ڈھانکنا اور یہ تدبیر صرف حافظ اور مانع ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس تدبیر کو علاج فرمایا ہے کہ تم اپنے پروردگار کے روبرو (اعمال سیئہ سے) استغفار کرو پھر (اعمال صالحہ سے) اُس کی طرف متوجہ ہو وہ بیشک تم کو وقت مقرر (یعنی ختم عمر) تک خوش عیشی دے گا یعنی اسباب پریشانی و بلیات سے محفوظ رکھے گا۔اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو موثر سمجھ کر علاج مذکور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت وشکایت یا تعداد اموات یا سب وشتم طاعون و وباء شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعت وقت ہے ہم اسباب طبعیہ کے منکر نہیں مگر اس کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے (جیسا کہ اس کے قبل اسباب القحط والغلاء کے مضمون میں بھی لکھا گیا ہے) ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو نہ دیکھے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے سو کیا یہ غلطی نہ ہوگی یہی حالت ہم لوگوں کی ہے۔

فروع

نمبرا: بعض لوگ دفع یا حفظ وبا وبلا کے لئے بستی کو چھوڑ کر خواہ اس نواح میں یا دوسرے بلاد میں منتقل ہوجاتے ہیں اور ادویہ حافظہ ودافعہ کا استعمال کرتے ہیں۔

نمبر۲: بعض لوگ جو پہلوں سے اسلم ہیں تعویذ ابواب پر یا اعناق میں چسپاں و آویزاں کرتے ہیں یا آدمیوں پر اور بعضے جانوروں امثل چیلوں وغیرہ کے گوشت وغیرہ تصدق کرتے ہیں یا کسی بکرے وغیرہ پر کسی خاص طریق سے کچھ دعا پڑھ کر اس کو ذبح کرکے باہم گوشت تقسیم کرکے کھاتے ہیں یا سورۂ تغابن وغیرہ پڑھا کرتے ہیں یا علاوہ اذان نماز کے زائد اذانیں پکار پکار کر کہتے ہیں۔

نمبر۲: بعضے جوان پچھلوں سے بھی اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور بزرگوں سے دعا

کراتے ہیں۔ سوامر اول تو تاثیر میں جس حد تک عام لوگوں کا زعم ہے کہ اس کو موثر طبعی غیر متخلف سمجھتے ہیں اس درجہ میں کالعدم ہے ہاں باذن الخالق مع احتمال التخلف اثر ثابت ہے اور اگر موثر یقینی سمجھے یا دوسری بستی میں منتقل ہو جائے یا حرام دوا استعمال کرے تو بوجہ معصیت ہونے کے مضر اور سبب غضب حق ہے اور امر ثانی کے اجزاء بجز جز واخیر یعنی زائد اذانوں کے کہ خلاف سنت ہے باقی اجزاء نافع ہیں مگر نا کافی ہیں اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہوں۔ مثلاً جانوروں کو آدمیوں پر مقدم کرنا یا گوشت ہی کی تخصیص کا اعتقاد کرنا یا یہ سمجھنا کہ اس گوشت میں بلا لپٹی ہوئی ہے یا مساکین کی تقسیم کے لئے اسی طرح چندہ جمع اور خرچ کرنا جیسا کہ مضمون سابق کے فروع نمبر۲ میں مذکور ہوا ہے تو برعکس اور زیادہ مضر ہے اور اذان للمطاعون کا غیر مشروع ہونا مدلل و مفصل امداد الفتاویٰ جلد سوم ص ۱۷۷ میں مذکور ہے اور امر ثابت بدلیل حدیث **لا یرد القضاء الا الدعاء** کافی ہے مگر جبکہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنی اور روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اس دعا کی توجہ الی اللہ وترک معاصی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

ان اللہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ۔ اور ایک لمبی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا لباس وطعام وغیرہ سب حرام ہے اور وہ دعا کرتا ہے۔ **فانی یستجاب لہ** (تو اس کی دعا کیسے قبول کی جائے گی۔ ۱۲ منہ) جس سے ضرورت جمع واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔

لطیفہ

اس مضمون میں اور مضمون سابق میں ایک عجیب رعایت ہے کہ ایک مضمون کے ہر جزو کے محاذات میں دوسرے مضمون کا ایک ایک جزو واقع ہے کہیں تقابل کے ساتھ کہیں تشاکل وتماثل کے ساتھ چنانچہ باہم تطابق سے یہ رعایت معلوم کر کے حظ ہوگا۔

بعض المسائل العشریہ

اطلاع

دلائلہا مذکورہ فی رسالہ زکوۃ الفرض فی نبات الارض ۱۲ منہ

جہاں لفظ عشر آئے گا عشر و نصف دونوں کو عام ہوگا۔

نمبر۱: عشر یا نصف عشر ارض عشریہ میں جس کی تعریف عنقریب آتی ہے کل پیداوار میں واجب ہوتا ہے نہ اس میں کوئی نصاب شرط ہے اور نہ قرض وغیرہ مانع ہے نہ اخراجات زراعت کے اس میں منہا کئے جاتے ہیں البتہ جو لوگ کسی خاص حصہ پیداوار پر زراعت میں کام کرتے ہیں۔ ان کے حصہ کا عشر خود ان کے ذمے ہے۔

نمبر۲: نابالغ بچہ و مجنون کی زمین میں بھی عشر واجب ہے۔

نمبر۳: ارض وقف میں بھی عشر واجب ہے۔

نمبر۴: ہر پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے خواہ غلہ ہو خواہ پھل۔ پس کھیت اور باغ دونوں میں واجب ہے۔

نمبر۵: مقدار عشر میں تفصیل یہ ہے کہ جس کی آبپاشی بارش سے ہوئی ہو۔ اس میں دسواں حصہ پیداوار کا واجب ہے اور جس کی آبپاشی چاہ سے یا نہر کے خریدے ہوئے پانی سے ہوئی ہو اس میں بیسواں حصہ واجب ہے اور اگر دونوں طرح ہوئی ہو تو غالب کا اعتبار ہے اور اگر دونوں طریقے مساوی ہوں تو بعض کے نزدیک بیسواں حصہ اور بعض کے نزدیک عشر کا تین ربع یعنی چالیس میں سے تین واجب ہیں۔

نمبر۶: خوید وغیرہ جو کاٹ لی جاتی ہے اس میں بھی عشر واجب ہے اور جو بعد تیاری غلہ کے بھوسہ نکلتا ہے اس میں واجب نہیں۔

نمبر۷: جب پھل قابل اطمینان ہو جائے اس وقت کے حساب سے عشر ہے۔

نمبر۸: تیاری سے پہلے جس قدر خرچ کرے گا ان سب کا حساب یاد رکھے اس کا

بھی عشر دینا پڑے گا۔

نمبر۹: اگر پھل توڑنے سے پہلے یا کھیت کاٹنے سے پہلے کسی آفت غیر اختیاری مثل برف یا غرق یا حرق وغیرہ سے پھل یا غلہ ہلاک ہوجائے عشر ساقط ہوجاتا ہے اور اگر چوری ہوجائے یا جانور کھا جائے اس سے ساقط نہیں ہوتا۔

نمبر۱۰: پکنے سے پہلے کھیت بیچ ڈالا تو اس کا عشر مشتری کے ذمہ ہے اور اگر پکنے کے بعد بیچا تو بائع کے ذمہ ہے یہی حکم پھل کا ہے۔

نمبر۱۱: جو زمین اجارہ پر دی جائے اس کا عشر بقول صاحبین کہ مفتی بہ ہے کاشت کار کے ذمہ ہے کہ وہ پیداوار کا مالک ہے اور اگر مزارعت یعنی بٹائی پر ہے تو مالک زمین و کاشتکار دونوں کے ذمہ ہے اپنے اپنے حصہ میں۔

نمبر۱۲: عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے یعنی مساکین جو اصول و فروع میں سے اور ہاشمی نہ ہوں اور زوج و زوجہ نہ ہو۔

نمبر۱۳: عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس کو مفتوح کیا تھا اس وقت تک برابر وہ مسلمان ہی کی ملک میں چلی آئی ہو خواہ بروئے میراث یا بروئے خرید یعنی درمیان میں غیر مسلم کی ملک نہ آئی ہو اور جو ایسی نہ ہو وہ خراجی کہلاتی ہے۔

نمبر۱۴: خراج کی دو قسم ہیں ایک موظف کہ اس کا لگان ایک مقررہ مقدار ہے۔ مثلاً روپیہ بیگہ یا کم و بیش دوسرا خراج مقاسمۃ کہ پیداوار کا کوئی حصہ کسی خاص نسبت سے لے لیا جاتا ہے مثلاً نصف یا ثلث وغیرہ۔

نمبر۱۵: خراجی زمین میں خراج واجب ہوتا ہے۔

نمبر۱۶: لیکن خراج موظف تو قدرت انتفاع زراعت سے واجب ہوتا ہے باوجود امکان زراعت کے اگر زمین کو معطل چھوڑے رکھے گا یہ خراج واجب ہوجائے گا البتہ جب قدرت زراعت کی نہ ہو تب ساقط ہوجاتا ہے اور خراج مقاسمۃ مثل عشر کے اس وقت واجب ہوگا جب واقع میں پیدا بھی ہو۔

نمبر ۱۷: اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے زمین خرید لے وہ خراجی ہوگی۔

نمبر ۱۸: اگر مسلمان کسی غیر مسلم کے ہاتھ عشری زمین بیچ ڈالے تو وہ بھی خراجی ہو جائے گی۔

نمبر ۱۹: خراج کے مصارف مصالح عامہ ہیں اور علماء و مدرسین و مفتیین وطلبہ کی خدمت بھی ان میں داخل ہے۔

نمبر ۲۰: عشر اور خراج دونوں ایک زمین میں واجب نہیں ہوتے۔

نمبر ۲۱: خراجی زمین سے عشر نہ نکالا جائے گا۔

نمبر ۲۲: اسی طرح جس زمین میں عشر واجب ہے اگر اس سے خراج لیا جاتا ہو تو عشر ساقط نہ ہوگا جس طرح مال تجارت سے انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔

نمبر ۲۳: خراج موظف بالاجماع مالک زمین کے ذمہ ہے کاشتکار کے ذمہ نہیں، البتہ خراج مقاسمۃ کا حکم مثل عشر کے ہے۔

نمبر ۲۴: اگر خراجی زمین کا محصول بادشاہ وقت کی طرف سے معاف ہو تب بھی اگر وہ خراج موظف ہے تو وہ مالک زمین کے ذمے رہے گا۔ آگے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے مثلاً مفتی ہے مدرس ہے واعظ ہے تو اس کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے اور اگر مصرف نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مصرف میں اس کو پہنچا دے۔ مدارس اسلامیہ کا مد چندہ اس کے لئے بہت مناسب ہے البتہ اگر انتفاع بالارض پر قدرت نہ ہو تو خراج ساقط ہے اسی طرح خراج مقاسمۃ میں تفصیل ہے۔

نمبر ۲۵: اور اگر بوجہ معافی ہونے کے اس کے محصول کے مقدار کی تعیین میں کوئی دشواری ہو تو اس کے قرب وجوار کی اراضی غیر معافی کا محصول معتبر ہے۔

نمبر ۲۶: ارض وقف کا بھی عشر یا خراج پیداوار سے نکال کر بقیہ کو مصارف میں صرف کیا جائے گا۔

تنبیہ

ارض خراجی میں خراج کا حق شرعی ہونا اب تک احقر کو بھی محقق نہ تھا اب اس تحقیق کے بعد اراضی معافی کے متعلق یہ امر خصوصیت کے ساتھ قابل تنبیہ واہتمام ہے اس کے خراج کا قرب وجوار کی اراضی سے اندازہ کرکے مدارس اسلامیہ میں پہنچا دیا کریں ورنہ اس کے ذمہ یہ حق شرعی واجب رہے گا اور عشر کے حق شرعی ہونے سے بے خبری یا انکار یہ تو غفلت و غلطی عظیم ہے۔

ضمیمہ

فی ردالمحتار تحت قول الدر المختار یجب العشر مانصہٗ ثبت ذلک بالکتاب والسنة والاجماع والمعقول ای یفرض لقوله تعالٰی واتوا حقه یوم حصاده فان عامة المفسرین علی انه العشر ونصفه بینه قوله صلی الله علیه وسلم ماسقت السماء ففیه العشر وماسقی بغرب اودالیة ففیه نصف العشر ص ۷۸ قلت وایضاً لقوله تعالٰی یایها الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ماکسبتم ومما اخرجنالکم من الارض الآیة.

اس عبارت میں تصریح ہے کہ یہ عشر فرض ہے مثل زکوٰۃ کے قرآن سے اور حدیث سے اور اجماع سے اور قیاس سے۔ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں کوتاہی یا غفلت کرنا کیسی چیز ہے۔

احکام المرض

نمبر ۱: بعضے لوگ بخار وغیرہ کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً بڑا کم بخت مرض ہے و مثل ذالک سو یہ ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ اُم سائب نے جاڑہ بخار کو برا کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار کو برا مت کہو وہ بنی آدم کے گناہوں کو دور کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

نمبر ۲: اسماء الٰہیہ وادعیہ ماثورہ سے جھاڑ پھونک بھی جائز ہے حدیثوں میں عام

امراض کے واسطے یہ معالجات وارد ہیں۔ الف۔ مریض پر داہنا ہاتھ پھیرتا جائے اور یہ پڑھے: اذهب الباس رب الناس واشف انت هوالشافی لاشفاء الا شفاء ک شفاء لایغادر سقما روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔ ب: قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس پڑھ کردم کرنا روایت کیا اس کو مسلم نے۔ ج: تکلیف کے موقع پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھنا مسلم کی روایت میں آیا ہے۔ بسم اللہ تین باراور اعوذ بعزة الله وقدرته من شرما اجدوا حاذر۔ د۔ یہ دعا پڑھنا بھی مسلم کی روایت میں آیا ہے یعنی پڑھ کردم کرے۔ بسم الله ارقیک من کل شیء یوذیک من شر کل نفس اوعین حاسد الله یشفیک بسم الله ارقیک ۔ ہ۔ بخار کے لئے یہ آیت بھی لکھی جاتی ہے: قلنا یا نارکونی برداوسلامًا علیٰ ابراهیم اور جاڑے بخار کے لئے یہ آیت بسم الله مجریها ومرسٰها ان ربی لغفور الرحیم۔ و: یہ دعا بھی ابوداؤد اور ترمذی میں آئی ہے۔ اسأل الله العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک سات مرتبہ۔ ز: بخار اور دوسرے امراض کے لئے یہ دعا ترمذی میں ہے۔ بسم الله الکبیر اعوذ بالله العظیم من شر کل عرق نعارومن شرحر النار۔

نمبر۳: اگر تعویز میں کوئی آیت لکھنا ہو تو باوضو لکھنا چاہئے اور دوسرا بھی باوضو ہاتھ میں لے البتہ جس کاغذ پر وہ آیت لکھی ہے اگر وہ دوسرے کاغذ میں لپیٹ دیا جائے تو بے وضو اس کو ہاتھ میں لینا درست ہے۔

نمبر۴: اسی طرح اگر طشتری وغیرہ میں آیت لکھی جائے تو اس کے احکام بھی مثل نمبر۳ کے ہیں۔

نمبر۵: بیماری سے تنگ نہ ہو حدیثوں میں اس کے یہ منافع ہیں۔

الف: گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا سونا بھٹی سے صاف ہو کر نکلتا ہے روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ ب: بیماری میں جو عبادت غیر فریضہ ناغہ ہو جائے صحت

ہی کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے روایت کیا اس کو شرح سنہ میں۔ ج: جب اللہ تعالیٰ کو کوئی مرتبہ دینا ہوتا ہے جس کے لئے بندہ کے اعمال کافی نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسد یا اولاد یا مال کو کسی بلا میں مبتلا کر دیتے ہیں پھر صبر دیتے ہیں جس سے وہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔

د: گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور آئندہ کیلئے نصیحت ہو جاتی ہے روایت کیا اس کو ابوداؤد نے پس بیماری میں عبرت حاصل کر کے آئندہ کیلئے اعمال کی اصلاح کرے۔

ہ: مرض میں مریض کی دعا مثل ملائکہ کے قبول ہوتی ہے تو مریض سے دعا کرانا بہتر ہے (اگر اس کو بار نہ ہو) روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

نمبر۶: بعضے لوگ ذرا تکلیف میں نماز چھوڑ دیتے ہیں یا فرائض بیٹھ کر پڑھنے لگتے ہیں اول کا گناہ ہونا ظاہر ہے ثانی بھی بدون سخت تکلیف کے جائز نہیں۔ اسی طرح بلا عذر صحیح تیمم درست نہیں۔ اسی طرح سنتوں کا ترک کرنا بھی بلا عذر درست نہیں البتہ خفیف عذر سے سنتیں بیٹھ کر پڑھ لے تو مضائقہ نہیں۔ بعضے کپڑوں کے یا بستر کے ناپاک ہونے سے نماز چھوڑ دیتے ہیں مگر بدلنا چاہئے۔ البتہ اگر بدلنے میں بھی سخت تکلیف ہو تو ویسے ہی نماز پڑھ لے۔

نمبر۷: بعضوں کو منہ بھر قے آتی ہے جو شرعاً نجس ہے وہ لوگ برتن کو منہ لگا کر کلی کرتے ہیں سو اس طرح کلی کرنے سے برتن ناپاک ہو جاتا ہے چاہئے کہ اس برتن سے چلو میں پانی لے کر کلی کرے پھر ہاتھ پاک کرے یہ مختصر احکام تھے متعلق مرض کے۔

علاج القحط والوباء

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منجاد الجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

قحط کی پریشانی اور وباء کی بیماری میں عام لوگ طرح طرح کی ظاہری تدابیر اور مادی علاج کی فکر کرتے ہیں، باطنی علاج اور معنوی تدابیر کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اس کتاب میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے قحط اور وباء دور کرنے کا شرعی علاج اور روحانی تدبیر بتلائی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علاج القحط والوباء

الحمدللّٰہ الذی جعل لکل داء دواء. ووضع لکل مرض و عرض شفاء، ودفع عن عبادہ برحمتہ عناء و بلاء، ورفع عنھم بلفظہ غلاء ووباء، والصلاۃ والسلام علی رسولہ ونبیہ محمد الھادی الی معالجۃ الآفات والعاھات، وعلی آلہ وصحبہ المتزکّین المزکّین عن القاذورات والسیئات.

امابعد! کئی سال گزر گئے کہ ہندوستان میں بلائے قحط ووبائے طاعون مسلط ہے جس سے اکثر لوگ بوجہ فوت ہونے مقاصدِ دنیوی ودینی کے پریشان ہیں اور اپنے فہم اور علم کے موافق اُس کے اسباب اور ان اسباب کے رفع کی تدبیریں بھی سوچتے ہیں جن میں سے بعض میں ناکامی اور بعض میں اُلٹی پریشانی پیش آتی ہے اور وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ان اہل الرائے نے تشخیص اسباب ہی میں غلطی کی ہے جس سے بطریق بناء الفاسد علی الفاسد میں بھی غلطی ہوئی اور سبب غلطی تشخیص کا یہ ہوا کہ اکثر عقلاء نے اسباب کو ان ہی اسباب طبعیہ میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور حوادث کو ان ہی اسباب کے ساتھ منوط و مربوط قرار دیا ہے اور یہی اوّل غلطی ہے۔ ہر چند کہ اسباب طبعیہ کی تاثیر سے جو کہ عقلاً ونقلاً ثابت وصحیح ہے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر اُن کو طبعاً و ضرورتاً مؤثر سمجھنا یا اسباب کو ان میں منحصر سمجھنا محض غلط ہے۔ دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان اسباب سے احیاناً مسبب کو تخلف بھی ہو جاتا ہے اور کبھی دوسرے

اسباب پر مسبب کا ترتب ہوتا ہے۔

پس اسباب کی دو قسم ہیں: اسباب ظاہری اور اسباب باطنی۔ قسم اوّل کی تحقیق مشاہدہ و عقل سے ہوتی ہے اور قسم ثانی پر مطلع ہونے کے لیے صاحب وحی کے اخبار کی ضرورت ہے جو شخص انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہے اس پر فرض ہے کہ مثل قسم اوّل اسباب کے قسم ثانی کی بھی تصدیق کرے اور آیات و احادیث کو تتبع کر کے اپنے مصائب و غموم کے معالجہ میں باطنی تدبیر سے بھی مدد لیا کرے بلکہ اگر اپنے مصائب و حوادث کے اسباب طبعیہ بھی سمجھ میں آ جائیں تب بھی تدبیر باطنی سے غافل و مستغنی نہ ہو کیوں کہ جس طرح یہ حوادث بلا واسطہ اسباب باطنی سے پیدا ہوتے ہیں اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان حوادث کے اسباب تو طبعی ہوتے ہیں مگر ان اسباب کے اسباب باطنی ہوتے ہیں۔ مثلاً قارون کا زمین میں دھنس جانا، اُس کا کوئی طبعی سبب نہ تھا محض باطنی سبب تھا یعنی ایذاء رسانی حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور قوم نوح کا غرق ہونا اس کا ظاہری سبب طبعی تھا یعنی پانی کا بڑھ جانا اور اس پانی بڑھنے کا سبب باطنی تھا یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب۔

پس ممکن ہے کہ کسی شخص کو کوئی مرض صعب کے مادہ خلطی کے فساد سے پڑا ہو مگر خود یہ فساد کسی گناہ کے شامت سے ہوا ہو، اس لیے جمیع حوادث میں تدبیر باطنی کی حاجت واقع ہوئی، چوں کہ ان اسباب باطنی کی اطلاع عام لوگوں کو نہیں ہے اس لیے اُس سے منتفع نہیں ہو سکتے۔ بناءً علیہ قلب میں وارد ہوا (اور بعض احبا کی استدعا سے یہ وارد قوی ہو گیا) کہ ان آفات و بلیات درپیش شدہ کے اسباب میں جو کچھ حضرت شارع علیہ السلام سے بروایات صحیحہ ثابت ہے اُس سے اپنے بھائیوں کو اطلاع دی جاوے تا کہ اُس کی تدبیر کر کے اُس سے نجات پاویں، اس لیے یہ صفحہ ہدیۂ اخوان کرتا ہوں اور ''علاج القحط والوباء'' اُس کا نام رکھتا ہوں۔

اس میں کل تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ کبھی دنیوی مصیبت گناہ کی وجہ سے بھی ہوتی ہے جو کہ اُس کا سبب باطنی ہے۔

فصل دوم میں بالخصوص قحط ووباء کے اسباب کی تعیین کی گئی ہے۔

تیسری فصل میں ان مصائب کے دفع کرنے کی باطنی وشرعی تدبیر بتلائی گئی ہے۔

یاالٰہی! اس تحریر کو خلق کے لیے نافع اور ان تشویشات کے لیے دافع فرمایئے اور قیامت کے روز میرے معاصی کے لیے شافع اور درجات کے لیے رافع بنایئے۔

"وَحَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل، نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ الْكَفِيْل"

فصل اوّل

اِس بیان میں کہ دنیوی مصیبتیں کبھی گناہ کی وجہ سے بھی آتی ہیں

اس باب میں تھوڑا سا مضمون اپنے رسالہ "جزاء الاعمال" سے منتخب کر کے نقل کرتا ہوں۔ قرآن مجید میں جو قصص اُمم عاصیہ کے مذکور ہیں وہ اس دعوے کی صاف دلیل ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو گناہوں ہی نے غرق کیا۔ قوم عاد پر ہوا کا تسلط اس گناہ ہی کی وجہ سے ہوا۔ ثمود کا چیخ سے ہلاک ہو جانا اس گناہ ہی سے ہوا۔ قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں کا اُلٹا جانا اور اوپر سے پتھر برسایا جانا شامتِ گناہ ہی سے ہوا۔ قوم فرعون کا غرق ہو جانا بدولت اسی گناہ کے ہوا۔

قارون کا زمین میں دھنس جانا اس گناہ ہی کے سبب سے ہوا۔ بنی اسرائیل پر دشمنوں کا غالب ہونا اور ان کو ابدی ذلت نصیب ہونا، بعضوں کا اُن میں سور بندر بنایا جانا اس گناہ ہی کے باعث ہوا۔ اب حدیثیں لیجئے۔

(اس رسالہ میں تمام حدیثیں ''مشکوۃ شریف'' و ''خیر المواعظ'' و ''حصن حصین'' و ''الجواب الکافی'' سے نقل کی گئی ہیں)۔

مسند میں ہے: ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''بے شک آدمی محروم ہوجاتا ہے رزق سے گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے وہب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی غضب ناک ہوتا ہوں اور جب غضب ناک ہوتا ہوں لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک پہنچتا ہے اور اس کے علاوہ اور آیات و احادیث واقوالِ محققین اس کے مؤید ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ روم میں فرمایا ہے کہ ظاہر ہوگئی خرابی خشکی اور دریا میں لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے تاکہ چکھائے ان کو ان کے بعضے اعمال کا مزہ، شاید وہ باز آ جاویں اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا ہے کہ جو کچھ پڑتی ہے تم پر مصیبت وہ تمہارے کردار کے سبب سے ہے۔ مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اچھی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بُری باتوں سے منع کرتے رہو۔

قبل اس کے کہ تم لوگ مجھ سے دُعا کرو اور میں قبول نہ کروں اور مجھ سے مدد مانگو اور میں مدد نہ کروں اور مجھ سے حاجتیں مانگو اور میں نہ دوں۔

قال العارف الرومی:

ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم — آں زبیباکی و گستاخی است ہم

فصل دوم

خاص قحط و وبا و طاعون کے اسباب میں

''ابن ماجہ'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دس آدمی مہاجرین میں سے حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے جن میں ایک میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے مہاجرین! پانچ باتیں ہیں اور میں تمہارے لیے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں پڑو۔

۱.....نہیں ظاہر ہوئی بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتیٰ کہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر مبتلا ہوئے طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں کہ جو اُن کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئے ہوں گے۔.........۲.....اور نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر مبتلا ہوئے قحط سالی اور سخت مشقت اور ظلم حاکم میں۔

۳.....اور نہیں بند کی کسی قوم نے زکوٰۃ اپنے مال کی مگر محروم کیے گئے بارش آسمانی سے، پس اگر بہائم نہ ہوتے تو بالکل بارش ہی نہ ہوا کرتی۔

۴.....اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے دُشمن کو غیر قوم سے، پس بجبر لے لیا انہوں نے ان کے مالوں کو۔

۵.....اور نہیں ترک کیا اُن کے سرداروں نے فیصلہ کرنا موافق حکم الٰہی کے مگر پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے قتل و قتال اُن کے آپس میں۔''

فقط اس حدیث سے کئی گناہوں کے مختلف وبال معلوم ہوئے جس میں کثرت فحش سے طاعون و وبا و امراض عجیبہ کا ہونا اور کم ناپنے اور تولنے، زکوٰۃ نہ دینے سے قحط سالی وغیرہ کا ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ’’بے شک جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں بچوں کو موت دیتے ہیں اور عورتوں کو بانجھ کردیتے ہیں، پھر انتقام نازل ہوتا ہے ایسی حالت میں کہ ان میں ایک بھی قابل رحمت کے نہیں رہتا۔‘‘ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ مطلق گناہ بچوں کی موت کا عام سبب ہے۔

’’معجم طبرانی‘‘ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ’’نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر روک لیا اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو اور نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں زنا مگر ظاہر ہوئی ان میں موت یعنی وبا اور نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں سود کا معاملہ مگر مسلط ہوا ان پر جنون یعنی عقل سلیم کا تباہ ہو جانا اور نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں قتل کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے مگر مسلط کیا اللہ نے ان پر ان کے دشمن کو اور نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں عمل قوم لوط کا مگر ظاہر ہوا اُن میں خسف (یعنی اس کی سزا یہ ہے، گو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کو ملتوی فرمادیں) اور نہیں چھوڑا کسی قوم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مگر نہ قبول ہوئے ان کے اعمال اور نہ سنی گئی اُن کی دُعا۔‘‘ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم تولنے، ناپنے سے بارش کی کمی اور زنا سے وبا واقع ہوتی ہے۔

اور سماک بن حرب نے عبدالرحمٰن سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب ظاہر ہوتا ہے سود اور زنا کسی بستی میں حکم فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ زنا اور سود دونوں سبب ہیں ہلاکت کے اور ہلاکت کی یہی دو صورتیں ہیں: مال کا تلف ہونا اور جان کا تلف ہونا جو کہ قحط و وبا میں ہوتا ہے۔

امام احمد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے: ’’نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہوا اُن میں زنا مگر پکڑے جاویں گے قحط میں اور نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہوا ان میں

رشوت مگر پکڑے جاویں گے رُعب اور خوف میں۔"

"صحیح مسلم" میں حدیث ہے کہ ڈھانک دیا کرو برتن کو اور بند کر دیا کرو مشکیزہ کو کیوں کہ سال بھر میں ایک شب ہوتی ہے کہ اُس میں وبا نازل ہوتی ہے جس برتن یا مشکیزہ پر اُس کا گزر ہوتا ہے جو کہ ڈھکا ہوا اور بند نہ ہو اُس میں وبا داخل ہو جاتی ہے۔

پس مجموعۂ احادیث مرقومہ سے قحط و وبا کے چند اسباب مشخص ہوئے۔

۱۔ کثرت بے حیائی، ۲۔ زنا، ۳۔ کم ناپنا تولنا۔ ۴۔ زکوٰۃ نہ دینا۔

۵۔ مطلق گناہ، ۶۔ سود کا لین دین، ۷۔ شب کو برتنوں کا کھلا رہنا

قال العارف الرومی رحمه الله مشيرا الیٰ بعض الأسباب

ابر ناآید از پے منع زکوٰۃ وز زنا افتد وبا اندر جہات

اگر کسی کو شبہ ہو کہ اِن اعمال بد سے صرف بدعملوں کو سزا ہونی چاہیے، قحط سالی و وبا عام کیوں واقع ہوتی ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اکثر لوگ خود بچتے ہیں مگر کرنے والوں کو باوجود قدرت کے ہاتھ یا زبان سے بزور نہیں روکتے، یا بہ نرمی کہتے ہوئے بھی لحاظ کر جاتے ہیں یا ویسے بھی نفرت و ناگواری نہیں ہوتی، برابر اُن فساق فجار سے انبساط و اختلاط کرتے ہیں۔ سو مجرم کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا خود ایک مستقل جرم ہے، اس کی سزا میں یہ لوگ مبتلائے عقوبت ہو جاتے ہیں۔

سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بچو اس عقوبت سے کہ خاص بے حکمی کرنے والوں پر نہ پڑے گی، یعنی اور بھی اس میں شریک کیے جاویں گے۔

مسند میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں اُن میں جب کوئی شخص گناہ کرتا تھا، منع کرنے والا اُس کے پاس آ کر منع کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر، جب اگلا روز ہوتا اُس کے پاس بیٹھتا، اُس کے ساتھ کھاتا پیتا، گویا کہ کل کے روز کوئی گناہ کرتے دیکھا ہی نہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے یہ حالت دیکھی ایک کے قلب کا اثر دوسرے پر ڈال دیا اور سب کو ملعون بنایا ان

کے نبی حضرت داؤداور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے۔ یہ صرف اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور وہ لوگ حد سے نکلتے تھے۔ قسم اس ذات پاک کی کہ جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ یا تو تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور نافرمانی کرنے والوں کا ہاتھ پکڑ کر اس کو روک دو اور اس کو راہِ راست پر جبراً لگادو ورنہ اللہ تعالیٰ ایک کے قلب کا دوسرے پر اثر ڈال کر تم کو بھی ملعون بناوے گا، جیسا اُن نافرمانوں کو ملعون بنایا۔"

اور مسعر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک فرشتہ کو حکم ہوا کہ فلاں بستی کو غرقِ زمین کر دے۔ اُس فرشتہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! اُس میں فلاں شخص بڑا عابد ہے۔ ارشاد ہوا کہ شروع اسی سے کر، کیوں کہ کسی وقت میرے واسطے اُس کے چہرے میں تغیر نہیں آیا، یعنی نافرمانوں کو دیکھ کر غیظ وغضب پیدا نہیں ہوا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی امر خلافِ شرع دیکھیں، پھر اس کو متغیر نہ کریں۔ قریب ہے کہ شامل کر لیں اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں اپنے نزدیک سے۔

"صحیح مسلم" میں حدیث ہے: ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "جو شخص دیکھے تم میں سے کسی امر خلاف شرع کو اس کو ہاتھ سے روکنا چاہیے، اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے کہنا چاہیے، اگر یہ بھی قدرت نہ ہو یعنی زبان سے کہنے میں بھی اندیشہ مضرت ہے تو دل سے سخت نفرت و ناگواری رکھے اور یہ ایمان کا نہایت کم درجہ ہے۔" یعنی اگر دل سے بھی ناگواری نہیں تو اس شخص کے ایمان کی بھی خیر نہیں ہے اور اگر اُس پر کوئی شبہ کرے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ معاصی سے خود بھی بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی منع کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ نہیں مانتے تو ان سے قطع تعلق کر دیتے ہیں، پھر ایسے لوگ کس لیے مبتلائے قحط ووبا ہوتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تسلط بلا جس طرح عقوبت کیلئے ہوتا ہے بعض اوقات محض رفعِ درجات وتضاعف اجر وثواب کیلئے ہوتا ہے، سوایسے فرماں برداروں کیلئے یہ قحط ووبا رحمت محض ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی نسبت سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ ایک عذاب ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے بھیجتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو اہلِ ایمان کے لیے رحمت بنایا ہے جس شخص کی بستی میں طاعون واقع ہو اور وہ وہاں ہی ٹھہرا رہے استقلال اور طلب ثواب کے لیے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہ ہی واقع ہوگا ایسے شخص کو مثل اجر شہید کے ملتا ہے۔''

اور ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زلزلہ کے بیان میں فرمارہی تھیں کہ اگر لوگ توبہ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اس بستی کو منہدم کردیتا ہے۔ کسی نے پوچھا: اے اُم المؤمنین! کیا ان لوگوں کے لیے یہ عذاب ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، اہل ایمان کے لیے تو موعظت و رحمت ہے اور کافروں کے لیے عقوبت عذاب اور ناراضی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بات اس سے زیادہ خوشی کی نہیں سنی اور راز اس کی رحمت ہونے میں اہل طاعت کے لیے یہ ہے کہ ہر مصیبت اپنے اثر کی وجہ سے مصیبت ہوتی ہے کہ اُس سے قلب میں غم الم اور تنگی پیدا ہوتی ہے اور واقعی راحت واذیت کا دارومدار قلب ہی پر ہے۔ دیکھئے اگر کسی کے پاس ظاہراً تمام اسباب عیش و فرحت جمع ہوں مگر اُس کے دل میں کوئی حزن قوی ہو تو وہ تمام سامان گرد ہے اور اگر ظاہر میں خستہ وشکستہ حالت میں ہو مگر دل میں اس کے مسرت واطمینان ہو وہ بادشاہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس چوں کہ یہ بندہ مقبول بوجۂ غلبہ حب الٰہی وتسلیم ورضا کے ہر حال میں راضی ہے اس لیے یہ ظاہری بلا بھی اس کے حق میں نعمت ہے بخلاف نافرمانوں کے کہ اُن کا قلب خود ظلمت سے پُر ہے، ذرا سی مصیبت سے ان کو سخت اضطراب اور صدمہ ہو جاتا ہے تو مصیبت ان کے حق میں ہے اور آیت ''وَمَآ

اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ" (الشوریٰ:۳۰) میں یہی اہل مصیبت مخاطب ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ایک شے کا ایک شخص کے حق میں رحمت ہونا اور دوسرے کے حق میں زحمت ہونا ایک ہی حالت میں ممکن ہے۔

قال العارف الرومی رحمہ اللہ:

پیش قبطی خوں بود آں آب نیل — آب باشد پیش سبطی جمیل
جادہ باشد بحر زاسرائیلیان — غرقہ گہ باشد زفرعون عواں
باد بد بر عادیاں گر زد تبر — لیک بد بر ہود و بر قومش ظفر
گلستان باشد بر ابراہیم نار — لیک بر نمرود باشد زہر مار
برسمندر باشد آتش خانداں — لیک باشد بر دگر مرغاں زیاں
نزد عاشق درد و غم حلوا بود — لیک حلوا بر خساں بلوا بود

اور گو صورتِ بلا میں ان فرماں برداروں کو نافرمانوں کے ساتھ ظاہری شرکت ہوگئی مگر آخرت میں کہ عالم امتیاز وانکشافِ حقائق کا ہے ہر شخص اپنے باطن کے موافق ثمرہ پائے گا۔ مسند میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ "جب کھلم کھلا ہونے لگیں معاصی میری اُمت میں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب عام بھیجے گا۔" میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ان لوگوں میں اچھے لوگ نہ ہوں گے؟ فرمایا: "ہاں کیوں نہ ہوں گے" میں نے عرض کیا کہ پھر ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ ارشاد فرمایا کہ "جو کچھ اوروں پر واقع ہوا ہے اُن پر بھی واقع ہوگا، پھر رجوع کریں گے یہ اچھے لوگ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف۔"

فصل سوم

ان مصائب سے بچنے اور دفع کرنے کی تدبیریں

ظاہر ہے کہ حقیقت علاج کی ازالہ سبب مرض ہے۔ جب ان مصائب و بلیات کا سبب اوپر کی دو فصلوں میں عموماً وخصوصاً معلوم ہوگیا اس سے علاج اور تدبیر بھی ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ ان معاصی سے پرہیز کیا جاوے اور جو کر چکا ہے اُس سے سچی توبہ و معذرت کی جاوے اور دوسروں کو بھی ان معاصی سے روکا جاوے جن پر پورا اختیار چلتا ہے ان کو جبراً روکیں اور نیک راہ پر لگائیں جیسے اپنے اہل وعیال، نوکر چاکر، ماتحت، شاگرد، مرید، رعایا وغیرہم، جن کو زبانی کہہ سکتا ہے ان کو زبانی فہمائش نرمی یا سختی سے جس طرح ممکن ہو کی جاوے۔ آخر ہارے درجہ دل سے ہی ناگوار سمجھا جاوے اور ضرورت سے زائد ایسے لوگوں سے ملنا جلنا، ہنسنا بولنا ترک کر دیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ گناہ معاف کراؤ اپنے پروردگار سے، بے شک وہ بخشنے والے ہیں، بھیجیں گے تم پر بارش کثرت کے ساتھ اور ترقی کریں گے تمہارے مال اور اولاد میں، اور کر دیں گے تمہارے لیے باغ اور نہریں۔

ابن ابی الدنیا نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زمانہ مبارک میں زمین کو زلزلہ آیا، آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھ کر فرمایا کہ "ٹھہر جا ابھی تیرے ہلنے کا وقت نہیں آیا" پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "تمہارے پروردگار کو تم سے توبہ کرانا منظور ہے، سو تم توبہ کر کے اس کو راضی کرو۔"

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں نے کتب حکمت میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، مالک ہوں، سب بادشاہوں کا دل میرے ہاتھ میں ہے۔ پس جو شخص میری اطاعت کرتا ہے ان بادشاہوں کو اُس شخص پر مہربان کرتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے میں اُن بادشاہوں کو اُس شخص پر عذاب بنا دیتا ہوں۔ سو تم بادشاہوں کو بُرا بھلا کہنے میں اپنے کو مت لگاؤ بلکہ مجھ سے توبہ

کرو، میں ان کو تم پر مہربان کر دوں گا۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص کثرت سے استغفار کرے اور اس پر مداومت کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے خلاصی کی راہ نکال دیتا ہے اور فکر و غم سے کشادگی دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے۔

قال العارف الرومی رحمہ اللہ:

غم چو بینی زود استغفار کن　　غم بامر خالق آمد کار کن

جس طرح اعمال سیئہ سے بچنا اور توبہ کرنا آفات و مصائب کا دافع ہے اسی طرح اعمال صالحہ کی پابندی بھی اُس میں مؤثر قوی اور نافع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اہل کتاب تورات و انجیل پر اُن کے عہد میں اور قرآن مجید پر اس دور میں پورے طور سے عمل کرتے تو ہر آئینہ کھاتے اور وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں تلے سے، یعنی آسمان سے بارش ہوتی اور زمین سے نباتات و غلہ پیدا ہوتا اور خاص کر بعض اعمال دفعِ بلا میں بالخاصہ مفید ہیں۔ ایک ان میں سے نماز اور روزہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک درمیان کے گناہ کا کفارہ ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔ ظاہر ہے کہ جب مصیبت گناہ کے سبب ہوگی اور نماز سے گناہ کی معافی ہوتی ہے لامحالہ نماز سے مصیبت دفع ہوگی اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر عظیم پیش آتا فوراً کھڑے ہو جاتے۔ کسوف و خسوف و استسقاء میں نماز پڑھنا حدیث میں مشہور ہے اور مطلق آیات عظیمہ کے ظہور کے وقت بھی نماز کا امر آیا ہے، اسی سے ہمارے فقہاء نے بادِ تند و تاریکی شدید و زلزلہ وغیرہ کے وقت نوافل پڑھنے کو لکھا ہے۔

ایک اُن میں صدقہ خیرات کا دینا ہے۔ حدیث میں ہے کہ صدقہ بجھا دیتا ہے پروردگار کے غصہ کو اور دفع کرتا ہے بُری حالت سے مرنے کو۔ روایت کیا اُس کو ترمذی نے۔

ایک ان میں سے دُعا و التجا کرنا ہے جناب ارحم الراحمین میں دفع بلا کے لیے۔ حدیث میں ہے کہ نہیں لوٹاتی قضا کو مگر دُعا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور حدیث

میں ہے کہ دُعا نفع دیتی ہے اُس مصیبت سے کہ نازل ہو چکی اور اُس سے جو نازل نہیں ہوئی یعنی نازل ہوئی بلا اُس سے دفع ہوتی ہے اور جو نازل نہیں ہوئی وہ آتی نہیں۔ روایت کیا اس کو حاکم نے اور بہت حدیثیں اس کی فضیلت وتاکید میں ہیں۔اسی طرح اور اعمالِ صالحہ کے خواص بھی اس کے قریب قریب وارد ہیں۔

یہ تو بیان تھا علاج کلی کا جو کہ عام اور مشترک ہے تمام آفات وبلیات کے لیے جس میں قحط ووبا بھی داخل ہے اور علاج جزئی جو خاص ہے قحط ووبا کے ساتھ، یہ ہے کہ اس کے اسباب ہفت گانہ سے جو اوپر مذکور ہوئے اجتناب شدید کیا جاوے۔اب سہولت ناظرین کے لیے ان تینوں فصلوں سے خلاصہ کر کے ایک دستور العمل لکھا جاتا ہے جس کا برتاؤ دفع بلیات کے لیے ضروری ہے۔

دستور العمل

۱.....بھائیو! نمازوں کی پابندی کرو، خود بھی پڑھو اور اپنے اہل وعیال ومتعلقین کو بھی پڑھاؤ۔جو بچہ سات برس کا ہو اُس کو زبان سے کہہ کر پڑھاؤ، جو نماز نہ پڑھے اُس پر تشدد کر کے پڑھاؤ، اُس سے ناراضی ونفرت ظاہر کرو۔

۲.....خیرات اپنی مقدور بھر محتاجوں، مسافروں کو دیتے رہو، بالخصوص ایسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دو جو گھروں میں آبرو لیے پڑے ہیں اور کسی سے اپنا حال بھی نہیں کہتے۔

۳.....استغفار بکثرت کرو، یعنی دل میں اپنے گناہوں پر پشیمان ہو، زبان سے بھی خوب لجاجت وسماجت وعاجزی سے جناب باری میں گناہوں کی معافی کے لیے عرض کیا کرو اور حتی الامکان گریہ وزاری میں مشغول ہو، اگر رونا نہ آوے تو رونے کی شکل بناؤ۔

۴.....زنا، فحش اور بے حیائی کی باتوں سے بہت اہتمام کے ساتھ بچو۔آنکھ کو نامحرم عورت یا مشتہی امرد پر بدنگاہ کرنے سے بچاؤ کہ یہ آنکھ کا زنا ہے۔کان میں نامحرم کی آواز لذت کے ساتھ مت پڑنے دو خصوص گانے بجانے کی آواز کہ یہ کان کا زنا ہے۔زبان کو بیہودہ باتوں سے یا نامحرم کے ساتھ دل خوش کرنے کے لیے باتیں

کرنے سے بہت بچاؤ کہ یہ زبان کا زنا ہے۔

۵.... کسی کا حق مت دبا رکھو خواہ قلیل ہو یا کثیر، کسی عزیز کا ہو یا غیر عزیز کا، مسلمان کا ہو یا کافر کا۔ زمین داروں اور سوداگروں کا فرقہ اس بلا میں بہت مبتلا ہے، ان کو زیادہ احتیاط درکار ہے۔ ریل میں قانون سے زیادہ لے جانا بھی اس خیانت میں داخل ہے۔

۶.... زکوٰۃ حساب کر کے سالانہ ادا کرتے رہو۔ زیور اور مالِ تجارت اور نقد روپیہ اور گوٹہ اور ٹھپہ اور سچی زری کا کام ان سب میں جب کہ بقدرِ نصاب ہو اور ایک سال گزر جاوے زکوٰۃ واجب ہے اور زمین و باغ کی پیداوار سے جب کہ عشری زمین میں ہو اگر بارانی ہو تو دسواں اور اگر چاہی یا نہری ہو بیسواں حصہ واجب ہے۔

۷.... سود کا لین دین قطعی بند کردو جس میں آج کل کا رہن اور بیع بالوفا بھی داخل ہے۔

۸.... شب کو برتن کھلے مت چھوڑ و اور کچھ نہ ہو تو ایک لکڑی بسم اللہ کر کے اس پر آڑی رکھ دو۔........... ۹.... اور کُل اوامر کی پابندی اور کُل نواہی سے اجتناب نہایت اہتمام واستحکام کے ساتھ رکھو۔

۱۰.... اور دوسرے بھائی مسلمانوں کو بھی ہمیشہ روکتے ٹوکتے رہو۔ اپنا مشرب یہ مت رکھو کہ موسیٰ بدین خود عیسی بدین خود۔ جن پر بس چلتا ہو ہاتھ سے روکو ورنہ زبان سے سمجھاؤ، بدرجہ مجبوری دل ہی سے نفرت رکھو۔

۱۱.... اور ہمیشہ جناب باری میں ظاہری و باطنی آفات وفتن سے پناہ مانگتے رہو اور تضرع سے التجا و دُعا کیا کرو۔ دُعا میں خشوع وخضوع وطہارتِ ظاہری و باطنی و رو بہ قبلہ ہونا اور بار بار عرض کرنا، قبولیت کی اُمید رکھنا، توقف قبولیت سے تنگ دل نہ ہونا ملحوظ رکھو، بالخصوص نماز پنج گانہ کے بعد اور آخر شب میں بالخصوص خاتمہ کی دُعاؤں (بخاری شریف کا ختم اور حصن حصین کا ورد بھی دفع بلا کیلئے مجرب ہے) کی خوب کثرت کرو اور اپنے احباب واعزہ کو سکھلاؤ۔ یہ طب روحانی میں سے گیارہ جُز کا ایک نسخہ ہے، اس کو برت کر تو دیکھو ان شاءاللہ تعالیٰ سب اعراض وامراض سے امن وامان

ہو جائے گا اور آئندہ ہمیشہ کے لیے اطمینان رہے گا۔ بہت سے یونانی علاج کر کے دیکھ لیے ایک دفعہ ایمانی علاج تو کر کے دیکھ لو۔

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں را ہم بخواں
آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را
سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزموں را یک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شود سرسبز سنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

خاتمہ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا ﷻ وَاغْفِرْلَنَا ﷻ وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ٥ (البقرہ:۲۸۶) لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ٥ (الانبیاء:۸۷)

حدیث میں ہے کہ اس آیت سے جو دُعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ حدیث میں ہے کہ جو مبتلائے غم ہو اس کو پڑھے اس کا غم دُور کر کے غم کے بدلے خوشی نصیب کرے۔ روایت کیا اس کو ابن حبان وغیرہ نے۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ. اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ، اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ، اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ، وَ نُوْرَ بَصَرِيْ، وَجِلَاءَ حُزْنِيْ، وَذَهَابَ هَمِّيْ.

حدیث میں ہے کہ یہ ننانوے مرض کی دوا ہے۔ ان میں ادنیٰ مرض ہم و غم ہے۔ روایت کیا اس کو حاکم نے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ، وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ، وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَللّٰهُمَّ بِحَقِّهِ اَللّٰهُمَّ بِحَقِّهِ عِنْدَكَ اِرْفَعْ عَنِ الْخَلْقِ مَا نَزَلَ بِهِمْ، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْهِمْ مَنْ لَا يَرْحَمُهُمْ فَقَدْ حَلَّ بِهِمْ مَالَا يَرْفَعُهُ غَيْرُكَ وَلَا يَدْفَعُهُ سِوَاكَ. اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنَّا يَا كَرِيْمُ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ اِفْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ لَهُ اَهْلٌ، وَلَا تَفْعَلْ بِنَا يَا مَوْلَانَا مَا نَحْنُ لَهُ اَهْلٌ اِنَّكَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ جَوَّادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَّؤُوْفٌ رَحِيْمٌ. قَدْ فَرَغْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مِنْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ ۱۴۱۸ھ

حدیث میں ہے کہ جس کو کسی بلائے عظیم کا اندیشہ ہو یا وہ آپڑی ہو تو یہ کلمات پڑھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تعویذ درودوسی آیت برائے
آسیب وجن وخوف سارق وغیرہ

بعد نماز فجر ومغرب خواندہ شود

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ o اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ o اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ o غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ o آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ o ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ o اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ o وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ. وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ط لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَo اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ o وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَo

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى.وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًاo وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًاo

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ o فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ o وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَرَبِّهٖ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ o وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ o

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا o فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا o فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا o اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌo رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِo اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ o وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ o لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍo دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌo اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌo فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ط اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍo يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا. لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ o فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ o يُرْسَلُ

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ.سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى.يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ. وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِیَ دِيْنِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ يُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.

تمام شد

تقریر دافع اشکال متعلق از دخول مقام طاعون

سوال: اس احقر سے ایک طبیب ماہر فن نے سوال کیا کہ جب حدیثوں سے عدوی یعنی تعدیہ مرض کی نفی ثابت ہوتی ہے تو پھر مقام طاعون میں جانے کی ممانعت کی کیا وجہ ہے، البتہ اگر عدوی ثابت مانا جاوے تو وجہ اس نہی کی ظاہر ہے کہ مرض سے بچانے کے لئے ہے، انتہی بخلاصتہ؟..............احقر نے اس کے جواب میں ایک تقریر عرض کی تھی، چونکہ مجمع حاضرین کو جن میں اکثر اہل علم تھے اس سے شفاء ہوئی، اس لئے اس کا ضبط اور اشاعت کرنا مستحسن معلوم ہوا۔ وھو ہذہ:

قلتُ :اس کی تحقیق موقوف ہے اس پر کہ عدوی کے متعلق تحقیق کی جاوے کہ اس کی اصل ہے یا نہیں، سو اس باب میں دو قسم کی حدیثیں ہیں، اوّل وہ جن سے ظاہراً عدوی کی نفی ہوتی ہے، جیسے حدیث **لا عدوی**، اور دوسری وہ جن سے اس کے وجود کا شبہ پڑتا ہے ،جیسے حدیث **فر من المجذوم کما تفر من الاسد** ، یعنی جذامی سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے، اور بھی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں، چونکہ ظاہراً اس میں صورت تعارض کی معلوم ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشادوں میں بوجہ آپ کے صادق و مصدوق ہونے کے حقیقۃً تعارض ہو نہیں سکتا **لان المتعارضین یستلزم صدق احدھما کذب الأخر و الکذب ینافی النبوۃ**، اس لئے ان حدیثوں میں جمع کرنا ضرور ہوا، پس جمع کے باب میں علماء نے دو مختلف مسلک اختیار کیے، بعض نے **لا عدوی** کو اپنے ظاہر پر رکھ کر **فر من المجذوم** وغیرہ میں تاویل کی، اور بعض نے **فر من المجذوم** کو ظاہر پر رکھ کر **لا عدوی** کو ظاہر سے منصرف کیا۔

چنانچہ اہل مسلک اوّل نے یہ کہا کہ عدوی مطلقاً وراُساً منفی ہے، اس کا کسی درجہ میں بھی وجود نہیں، اور جذامی سے بچنے کا جو اُمر فرمایا ہے، نہ کہ احتمال عدوی سے بلکہ سدِّ ذرائع کے طور پر اعتقاد عدوی سے حفاظت کرنے کے لئے، یعنی اگر جذامی سے اختلاط کیا، اور اتفاق سے ابتداءً اس کو بھی مستقل سبب سے جذام ہوگیا، تو اس شخص کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید جذام کا تعدیہ ہوا ہے اور اس میں فساد اعتقاد ہے، پس اس سے دُور ہی رہنا چاہئے تاکہ کسی حال میں تعدیہ کا احتمال پیدا نہ ہو۔

اور اہل مسلک ثانی نے یہ کہا کہ عدوی کی نفی سے مطلقاً نفی کرنا مقصود نہیں، کیونکہ اس کا مشاہدہ ہے، گو اس مشاہدہ کا اہل مسلک اوّل یہ جواب دے سکتے ہیں کہ مشاہدہ اگر ہے تو صرف اس قدر ہے کہ ایک مریض کے اختلاط کے بعد دوسرا شخص مریض ہوگیا، مگر اس تسبب اوّل کا ثانی کے لئے، اور ترتب ثانی کا اوّل پر، یہ کیسے ثابت ہوا، اقتران فی الوجود دلیل تاثیر نہیں ہوسکتی، مگر اہل مسلک ثانی نے اس کو خلافِ ظاہر سمجھ کر یہ کہا کہ مطلق عدوی کی نفی اس سے مقصود نہیں، بلکہ اس عدوے کی نفی مقصود ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے، اور جس کے معتقدین سائنس اب بھی قائل ہیں؟ یعنی بعض امراض میں خاصیت طبعی لازمی ہے، کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں، تخلف کبھی ہوتا ہی نہیں، سو اس کی نفی فرمائی گئی ہے، اور یہ معنی جس طرح نص سے منفی ہیں، اسی طرح مشاہدہ سے بھی منفی ہیں، چنانچہ مثلاً کسی مقام پر طاعون ہی پھیلتا ہے، بعد ارتفاع کے جب دیکھا جاتا ہے تو اموات کی تعداد محفوظین کی تعداد سے بہت کم ہوتی ہے، اگر عدوی ضروری ہوتا تو اس کا عکس ہوتا، بلکہ کوئی بچتا ہی نہیں، غرض تعدیہ کے طبعی ولازمی ہونے کی نفی فرمائی گئی ہے، اور اگر مثل دوسرے اسباب محتملہ کے اس کو بھی مفضی فی الجملہ ومؤثر فی وقتِ دون وقتِ مان لیا جاوے، جیسے محققین اطباء جس جگہ افعال وخواص قویٰ طبعیہ واعضاء کے یا اغذیہ وادویہ کے بیان کرتے ہیں، وہاں باذن خالقہا کی قید بھی لگا دیتے ہیں، اس طرح سے عدوی کے قائل ہونے میں کچھ حرج نہیں، اور

فرار من المجذوم کی علت اسی درجہ کے احتمال عدوی کو قرار دیا ہے۔ اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سائل کے جواب میں (جس نے ایک اُونٹ کے خارشتی ہونے کے بعد دوسرے اُونٹوں کے خارشتی ہو جانے کا اشکال پیش کیا تھا) یہ فرمانا کہ فمن اعدی الاوّل، یعنی پہلے اُونٹ کو کس نے بیماری لگا دی تھی، اس مسلک کے مزاحم نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ مقصود اسی تعدیہ کی نفی ہو، جس کا قائل وہ سائل تھا، غرض عدوی کے باب میں یہ تحقیق ہے جس پر جواب مقصود موقوف ہے۔

اب اس کے بعد جواب اصل سوال کا معلوم ہو جاوے گا، یعنی نہی عن الدخول فی مکان الطاعون کی علت ان دونوں مسلکوں پر جدا جدا ہوگی، پس اہل مسلکِ اوّل جو کہ عدوی کو راًساً و اساساً منفی کہتے ہیں، یہ کہیں گے کہ یہ نہی بوجہ احتمال عدوی کے نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ شاید مقام طاعون میں جانے سے کسی مستقل سبب سے اس کو بھی طاعون ہو جاوے، اور اس کو یا دوسروں کو یہ وسوسہ ہو کہ دوسروں کا طاعون اس کو لگ گیا۔ اور خواہ مخواہ اعتقاد خراب ہو، اس لئے خود جانے ہی سے جس میں احتمال تھا، فساد اعتقاد کا منع فرما دیا، اور اہل مسلکِ ثانی جو کہ مرتبۂ سبب غیر لازم التاثیر میں عدوی کو ثابت مانتے ہیں یہ کہیں گے کہ اسی واسطے جانے سے منع فرما دیا کہ شاید وہاں کے طاعون کا اس میں بھی اثر ہو جاوے، گو دوسرا بھی احتمال ہے کہ یہ اثر نہ ہو، غرض بلا ضرورت خطرۂ ہلاکت میں کیوں پڑے گو وہ یقینی نہ ہو مگر ہلاکت کے اسباب مثل تناول سم وغیرہ کا ارتکاب بھی تو قصداً بلا ضرورت نقلاً وعقلاً ممنوع ہے، گو اس سے کبھی بچ بھی جاتا ہے، البتہ جس کی مضرت اس سے بھی کم محتمل ہو جیسے معمولی بد پرہیزی وہ داخل نہی نہ ہوگی۔ اور اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ جب عدوی اسباب مشکوکہ میں سے ہے تو نہی عن الدخول تو موجّہ ہو گیا، لیکن نہی عن الخروج کیوں ہے، چاہئے کہ خروج جائز ہو کیونکہ خطرہ محتمل الضرر میں واقع ہونے کے بعد اس سے خارج ہو جانا عقلاً اور بدلائل نصوص نقلاً بھی جائز بلکہ اولیٰ ہے، جیسے مرض کہ اسباب مشکوکہ موت سے ہے، اور تداوی سے

غرض خروج عن المرض ہوتا ہے اور اجماعاً جائز ہے، اسی طرح یہاں بھی خروج جائز ہونا چاہئے تھا، تو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بے شک اس کا مقتضا فی نفسہ تو یہی تھا، جیسا صاحب شبہ نے کہا ہے لیکن عقل اور نقل نے ایک دوسرا قاعدہ بھی مقرر و مسلم رکھا ہے کہ جہاں ایک شخص کے ضرر مشکوک سے بچنے میں دوسرے شخص کا جس کا اس کے ذمہ حق اعانت ہو یقینی ضرر لازم آوے وہاں اس کو ضرر مشکوک سے بچنے کی اجازت نہیں، مثلاً کسی گھر میں آگ لگ گئی اگر پڑوسی نہیں بجھاتے ہیں تو درجۂ شک میں احتمال ہے کہ شاید اس آگ کا صدمہ اُن بجھانے والوں کو بھی پہنچے مگر شک ہی شک ہے، ممکن ہے کہ کچھ صدمہ نہ پہنچے، تو کیا اِن پڑوسیوں کو یہ اجازت ہوگی کہ کھڑے دیکھا کریں اور بجھانے کی کوشش نہ کریں، غرض قاعدۂ سابقہ کو خطرۂ مشکوکہ سے خارج ہونا جائز ہے، مقید ہوا اس قید کے ساتھ کہ جب اس خروج میں دوسرے کا ضرر یقینی نہ ہو، اور طاعون سے فرار کرنے میں دوسرے لوگ جو باقی رہ جاتے ہیں اُن کا کسرِ قلب اور زیادہ توحش وضیاع ہے جو کہ مضار یقینیہ ہیں، اس لئے أثقل المضر تین کے دفع کے لئے اخف المضر تین کو گوارا کیا جائے گا۔ ﴿اور خروج کو ناجائز کہا جاوے گا﴾

اور یہ حکم کچھ خروج ہی کے ساتھ خاص نہیں، اگر کسی طور پر معلوم ہو جاوے کہ مقامِ طاعون میں میرے نہ جانے سے کسی کا یقینی ضرر ہے، وہاں بھی اس کے ضرر یقینی کے دفع کے واسطے اس کے ضرر مشکوک پر جو کہ دخول میں تھا نظر نہ کی جاوے گی، مثلاً مقام طاعون میں کوئی عورت بیوہ ہوگئی، اور اس جگہ سب اس کے مخالف ہیں اور بضرورت عدت و نیز اس لئے کہ اموال و امتعہ کا نقل وہاں سے اس کو متعذر ہے، وہاں اس کا قیام ضروری ہے، اور دوسرے شہر میں اس عورت کا کوئی محرم ہے کہ اس کے پاس رہنے سے وہ اس کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کر سکتا ہے تو اس صورت میں اس کے لئے نہی عن الدخول نہ رہے گا۔ اور اس ضرورت سے اس کو اس جگہ جانے کی اجازت بلکہ بشرط عدم حرج تاکید ہوگی، اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ جیسے خروج میں دوسروں کا

ضرر ہے اسی طرح عدم خروج میں اس کا ضرر یقینی ہے کہ ہلاک ہو جاوے گا تو دونوں ضرر برابر ہوئے اور حق نفس مقدم ہے حق غیر پر۔ سواس شبہ کی گنجائش اس لئے نہیں کہ گفتگو اس تقدیر پر ہو رہی ہے کہ عدوی یقینی نہیں جو اُوپر سمع و مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے، پس دونوں مسلکوں میں سے کسی مسلک کے جواب پر کوئی غبار نہیں رہا۔ رہی یہ بات کہ ان دونوں مسلکوں میں ارجح کون مسلک ہے، سواس میں اپنے مذاق و اجتہاد کے موافق ہر شخص کو اختیار ہے جس مسلک کا چاہے قائل ہو، اختلاف اُمتی رحمة ایسے ہی اُمور میں وارد ہے تو جس طرح احکام فرعیہ کا اختلاف رحمت ہے اسی طرح حکم متفق علیہ کے دلائل و علل کا اختلاف بھی رحمت ہے، جس کو جو مسلک اقرب معلوم ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے، اور ہر مسلک میں ایک خاص حکمت ہے، چنانچہ جن پر تفویض کا غلبہ ہے اُن کے مناسب مسلکِ اوّل ہے اور جن پر اسباب کا غلبہ ہے ان کے مناسب مسلک ثانی ہے یا غلو فی التفویض کا علاج مسلک ثانی ہے اور غلو فی الاسباب کا علاج مسلکِ اوّل ہے، یہ تو ذوق و حکمت کے اعتبار سے ہے، باقی اقرب الی التحقیق مجھ کو مسلکِ ثانی معلوم ہوتا ہے۔ **ولکل وجهة هو مولیها ، والله اعلم بالصواب و عنده اُم الکتاب و الیه یرجع الحقائق فی کل باب۔**

۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ (تتمہ اُولیٰ ص ۲۱۷)

بدحالی کا علاج

حال: میرے قبلہ وکعبہ دام ظلکم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ! میری جو حالت ہے وہ ابتداء سے جناب کو معلوم ہے کہ سراپا عصیان میں غرق ہوں قلب ہے۔

وہ اس قدر تباہ و برباد ہوگیا ہے کہ اس قدر مدت خدمت میں رہتے ہوئے ہوگئی مگر خدا کی قسم آج روزِ اوّل ہے مثل ہے کہ بارہ (۱۲) برس دِلی میں رہے اور بھاڑ ہی جھونکا مجھے بھی خدمتِ اقدس میں رہتے ہوئے بارہ برس گذر گئے ہوں گے مگر جیسا تھا ویسا ہی ہوں بس اپنی حالت پر یہ شعر یاد آتا ہے کہ ؎

ان کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اللہ کی قسم قلب اس قدر گندا ہے کہ جس کی کچھ انتہا نہیں۔ دن بھر ایک عجیب ادھیڑ بن میں گذر جاتا ہے ہر وقت خیالات فاسدہ واہیہ جمع ہوتے ہیں اور قلب کو پریشان رکھتے ہیں۔ چونکہ بارہا سن چکا ہوں کہ وساوس کی طرف التفات ان کے ازالہ کے لئے بھی مضر ہوتا ہے اس لئے التفات نہیں کرتا۔ مگر اللہ کی قسم دل کو کیا کروں کہ ان سے دُکھتا ہے اور تکلیف ہوتی ہے کبھی تو وہ حالت ہوتی ہے کہ ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہوتا ہوں کہ اور کسی کا خیال ہی نہیں اور کبھی ایسا ڈوبتا ہوں کہ شاید قعر میں جا پڑتا ہوں۔ میں اپنی حالت پوری بیان نہیں کرسکتا کچھ اس شش و پنج میں رہتا ہوں کہ کبھی جو حالت ہے اس میں یقین ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ تجھے ضرور بخش دیں گے اور کبھی صورت نا اُمیدی کی پیدا ہو جاتی ہے۔ وساوس اس قدر آتے ہیں کہ کم بخت...... تو اور تیرے اعمال اس قابل کہ بخشے جاویں اے اللہ! تو ہی مددگار ہے میرے...... میں تباہ ہوگیا برباد ہوگیا بارہا جناب

سے دریافت کر کے اللہ کا نام لینا شروع کیا مگر کیا کروں افسوس صد افسوس کیا کہوں
چھوٹ گیا، پورا نہ کر سکا پھر سنا کہ اگر کرنے کے بعد چھوڑ دے تو یہ بہت مضر ہے اس
سے نہ ہی کرے یہ سمجھ کر پھر جرأت دریافت کرنے کی نہ ہوئی کہ کیا منہ لے کر سامنے
جاؤں مگر پھر خیال آیا کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے شیطان نے اس بہانہ سے راہ ماری ہے
یہ سوچ کر دل پر ایک چوٹ لگی، رویا جھینکا حق تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ۔

احب الصالحین و لست منھم　لعل اللہ یرزقنی صلاحا

میں کسی قابل نہیں مگر آپ کو سب قدرت ہے مولانا اللہ میری دست گیری فرمایئے
میں نے بے شک بارہا دریافت کر کے اس کو ترک کر دیا افسوس شیطان نے راہ ماری
جو کام شروع کیا اس کو ترک کیا قسمت کی طرف منسوب نہیں کر سکتا کہ شکایت ہے۔
پس چپ ہوں اب کبھی کبھی روتا ہوں اور افسوس کرتا ہوں نہ تو علمی لیاقت حاصل کی
اور نہ جو حاصل کیا اس پر عمل کیا میرے بڑے...... کس کے پاس جاؤں۔ سب کو دیکھتا
ہوں کہ کام میں لگتے ہیں اور دولت لوٹ رہے ہیں اور یہ حرماں نصیب یوں محروم
ہے۔ حضرت کی توجہ تو پوری ہے اس لئے کہ اگر پوری توجہ نہ ہو تو بس نہ معلوم کیا ہو
جاوے۔ اللہ کی قسم ایمان کی خبر نہیں یہ حالت تو توجہ ہونے پر ہے بڑے...... میں کیا
کروں خدمت کی حاضری سے سنتے سنتے بہت باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ ان ہی میں
سے یہ بھی جانتا ہوں کہ بے اپنے کئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مگر بدبختی دیکھو کہ سب کچھ
جان کر کچھ نہیں کرتا۔ کم نصیبی نہیں تو اور کیا ہے اتنے بڑے دربار میں اور محروم افسوس
صد افسوس اللہ میری دست گیری کیجئے اور یہ کہتے ہوئے بھی شرماتا ہوں اس لئے کہ
بے خود کئے ہوئے کچھ ہوتا نہیں غرضیکہ اصلی اور مختصر حالت یہ ہے کہ چکی کے دو پاٹوں
میں آ گیا ہوں دونوں طرح کے خیالات آتے ہیں اگر ایک طرف نا اُمیدی ہے تو
دوسری طرف اُمید ہے اگر ایک طرف گناہ ہیں تو فوراً دوسری طرف رحمت پر نظر ہے
اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت والا کی دعاء اور حق تعالیٰ کی توفیق سے اتنا ضرور ہے کہ

جب گناہ کا خیال ہوتا ہے تو اس کے دو ہی منٹ بعد توفیق استغفار ہو جاتی ہے۔ الٰہی تیرا شکر ہے لاکھ لاکھ شکر ہے کبھی تو اپنی ان باتوں کو دیکھتا ہوں اور ان پر نظر ہوتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری اصلاح ہو گئی۔ مگر فوراً ہی دوسری طرف اپنے گناہ اور اپنے خیالات اور اپنی حالت سامنے ہو جاتی ہے وہ اصلاح ہو جانے کی ساری خوشی خاک میں مل جاتی ہے میری پہلے عادت تھی کہ میں فضول باتیں کہ جن کا نہ سر ہوتا تھا نہ پیر سوچا کرتا تھا اور گھنٹوں اس میں محو رہا کرتا تھا اب بھی وہ خیالات برابر آتے ہیں مگر فوراً ہی خیال آ جاتا ہے کہ فضول ہیں استغفار پڑھ کر حق تعالیٰ کا نام مبارک لینے لگتا ہوں غرضیکہ ایک عجب حالت ہے ''لا الیٰ ھؤ لاء ولا الی ھؤلاء'' اگر کچھ امید ہے تو اس سے کہ کچھ اُمید نہیں حالت جو ہے کسی دوسرے کے سامنے بیان کرتے ہوئے شرماتا ہوں کہ کہے گا کہ اللہ اکبر ظاہر میں تو یہ پارسائی اور باطن میں یہ خباثت مگر آپ سے کیا چھپاؤں جب امام **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتا ہے میں کیا عرض کروں مجھے کیا لُطف آتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ارے حق تعالیٰ کی درگاہ تک یہ حمد و ثناء پہنچی دل سے نکلتا ہے **اللھم ربنا لک الحمد**۔ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے سُن لیا اس خط کو لکھ رہا ہوں اور مختلف خیالات آ رہے ہیں۔ مگر سوچتا ہوں کہ جو حالت بھی ہے اچھی یا بُری کہہ تو دوں اگر ان سے بھی پوشیدہ کیا تو بجز حرمان کے اور کیا ہے کئی مرتبہ پرچہ دینے کا بعد عصر اِرادہ ہوا تو اس میں اس لئے رُکا کہ زبانی اس تفصیل سے عرض نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ خط لکھا بس میں پھر اتنا کہوں گا کہ عجب حالت ہے گناہ اس قدر ہیں کہ دنیا میں شاید کسی اور کے نہ ہوں گے۔ بلکہ یقیناً نہ ہوں گے اور پھر بے فکر اے اللہ کیا کروں حیران ہوں جانے کیا کیا بک گیا۔ اب یوں پوچھتا ہوں کہ خود تو کچھ ہوتا نہیں گناہوں کی پوٹیں ہیں اب کروں تو کیا۔

اللہ تعالیٰ سے قریب قریب ہر وقت معافی مانگتا ہوں مگر نئے گناہ اتنے ہو جاتے ہیں کہ ان ساری باتوں کے بے کار ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ جب کبھی بُرے

خیالات کا غلبہ ہوتا ہے یا بُری نگاہ ہو جاتی ہے تو بس وہ دن میرا غارت ہو جاتا ہے سارے کاموں میں بے برکتی اس طرح معلوم ہوتی ہے جس طرح کہ مجھے محسوسات نظر آتے ہیں گناہ کی بے برکتی اور قلب کا تکدر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے آنکھوں کے سامنے کوئی شے کھول کر رکھ دی اور اس کی سیاہی معلوم ہوگئی۔ قلب بالکل سیاہ و برباد ہو گیا۔ نکما ہوں مگر اس در کا ہوں مدت ہوگئی ہے۔ کتے کی طرح پڑا ہوا ہوں کہاں جاؤں کس سے کہوں اب تو اسی دَر پر پڑا رہوں گا۔ اور یہیں جان دینا ہے ۔

عمر بھر اب نہ نکلنا ہو ترے کوچہ سے دم اسی در پہ نکل جائے تمنا ہے یہی

بڑے...... میرے لئے ایک دُعا کرے اس کی مجھے بہت ہی تمنا ہے وہ یہ کہ بس تم اپنے ہاتھ سے میرے اُوپر خاک ڈال دو۔ اور ایمان کے ساتھ اس جہان سے جانا نصیب ہو جاوے۔ یہ آخری تمنا ہے خدا کے لئے اوقات خاص میں میرے لئے تو یہی دُعا کرو کہ بس تم مجھے قبر میں اُتار دو۔ مجھے پھر ایمان کی سلامتی نظر نہیں آتی۔ میں بہت کچھ بک چکا۔ اب میرا معمول یہ ہے کہ میں نے بعد عشاء کے چار رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ لینا مقرر کر لیا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ ہو جاتی ہیں اور چونکہ ایک جگہ بیٹھ کر تو ذکر کیا مگر چھوٹ گیا اس لئے صرف پانچ سو کی تعداد اس وقت مقرر کر لی ہے اس کو بھی بعد عشاء ہی پورا کر لیتا ہوں اس میں کسی کی قید نہیں کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے غرض یہ کہ جو حالت بھی ہو اس کو پورا کر لینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ ہو بھی جاتا ہے اس میں سراسر نفس کی آرام طلبی ہے مگر صرف اس لئے کہ اس طرح برابر جاری ہے اس پر عامل ہوں اگر میری اس تدبیر میں کوئی نقص ہو تو مطلع فرمایا جاوے۔

اس لئے کہ یہ ایجاد بندہ گندہ دَرگندہ ہے۔ توبہ توبہ کیا کہہ دیا بس اس شش و پنج میں رات دن کٹتا ہے آپ حالت کو جانتے ہو ذرا سے کو پالا ہے خود جو تھا کہہ دیا اور خط صرف اس لئے لکھا ہے تا کہ پوری کیفیت عرض کرسکوں۔ ورنہ زبانی رہ جاتا ہے اور اس میں بھی اصل حالت بیان نہ ہوسکی مگر آگے فراست شیخ پر چھوڑتا ہوں کہ وہ

ہر ایک کی حالت اور استعداد کو جانتے ہیں میری استعداد بہت خراب اور مضمحل اور کمزور ہوگئی ہے مجھے یہ بات اسی طرح معلوم ہوتی ہے جیسے کہ میرے سامنے ایک دیوار ہے اور اس کو صاف بالکل بلا شبہ دیکھ رہا ہوں اس کا جواب چاہے تحریر میں اور خواہ کان پکڑ کر بلا کر زبانی جس طرح چاہو دے دیجئے غرض کہ اس کو آپ پر چھوڑتا ہوں جو چاہو کرو۔ زیادہ کیا عرض کروں تمہارا نافرمان بیٹا۔

تحقیق: برخوردارع معشوق من ست آنکہ بہ نزدیک تو زشت ست تم کو اس مجموعی حالت پر حسرت ہے مجھ کو مسرت ہے یہ تمام حالات دو اُمر کی دلیل ہیں جو کہ اعلیٰ مقاصد سے ہیں ایک اپنی بدحالی کا احساس دوسرا خوش حالی کی فکر چار اُمر کو اپنا معمول کرلو پھر عدم حرمان میرا ذمہ معاصی سے نفس کو ہمت کے ساتھ روکو۔ اور کوتاہی پر فوراً استغفار کرو۔ تیسرا ماضی و مستقبل کو مت سوچو نفع کا قصد کرو۔ چوتھا حالات سے وقتاً فوقتاً اطلاع دو گو وہ اطلاع کے قابل بھی نہ ہوں اور اس سب کے ساتھ میری رائے میں تمہارے اعضاء رئیسہ میں حرارت کا اثر ہے علاج طبی ضرور کرو۔ اس کا بھی ان حالات میں دخل ہے اور اس دستور العمل کے بعد بے فکر رہو ۔

من غم تو میخورم تو غم مخور برتو من مشفق ترم از صد پدر

(تمہارا خیر خواہ دل سوز۔ اشرف علی۔ ص۱۹۹)

اَکْمَلُ الْاَدْیَان

فِیْ اَسْھَلِ اللِّسَان

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہاد الجلی اعنی بہ

مَولانا محمّد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

صوبہ برہما سے ایک سوال آیا تھا کہ یہاں ایک شخص اُردو زبان کے بند کرنے کی سعی کررہا ہے اور علماء کی توہین کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ یہ اس سوال اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا لقب ہے۔

اَکمَلُ الاَدیَانُ فِی اَسھَلِ اللّسَانِ

درتوضیح وتسہیل جواب بالا ازمنشی عبدالواحد صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

صوبہ برہما سے ایک برہمی مسلمان کے متعلق جوایک سوال آیا تھا، کہ وہ اس صوبہ میں اُردوزبان کی تعلیم کو بند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اوراس سلسلہ میں اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے اس نے اسلام اور مسلمانوں کے مولویوں کی توہین کا بھی ارتکاب کیا ہے، لہٰذا دریافت کیا گیا ہے کہ شخص مذکور کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الوقت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی ادام اللہ فیوضہم العالی نے جوفتویٰ حوالہ قلم فرمایا ہے وہ ہرطرح حق اور واجب الاتباع ہے۔صوبۂ برہما ہندوستان کا ایک حصہ ہےاوروہاں مسلمان بکثرت آباد ہیں جو اُردوزبان کواپنی قومی زبان سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ ڈسٹرکٹ کونسل کی روئیداد تک کواُردو زبان میں شائع کرانے کے لئے کوشاں ہیں،ایسی صورت میں اس برہمی مسلمان کا فعل شرعی حیثیت سے تو نہایت قبیح اور منکر ہے ہی جیسا کہ حضرت اقدس نے ارشادفرمایا ہے، اقتصادی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے لئے مضرت رساں ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کی قومی زبان کی تعلیم بند کرانے کا مفہوم سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ قومی حیثیت سے اس حصہ ملک میں مسلمانوں کی کوئی بھی وقعت نہیں ہے، حالانکہ صوبۂ

مذکور میں بفضلہٖ تعالیٰ مسلمان ایسے ہی صاحب ثروت ہیں جیسے ہندوستان کے دوسرے حصص میں، بلکہ بعض مسلمان تاجر تو اس حیثیت کے وہاں موجود ہیں جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں پائے بھی نہیں جاتے ، ایسی صورت میں اس صوبہ میں اُردو زبان کی تعلیم کا بند کیا جانا مسلمانوں کی بہت بڑی حق تلفی اور توہین ہے معلوم نہیں کہ وہ برہمی مسلمان کس قماش کا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے پیروں میں کلہاڑی مار رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس نے برہمی زبان کے ذریعہ انگریزی زبان میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی ہے اور ایک برہمی قومی سکول میں ماسٹر ہو گیا ہے، اور اس پاس نمک ہی کی وجہ سے وہ بجائے اُردو کے برہمی زبان کی حمایت کر رہا ہے، لیکن اپنے اس تھوڑے سے نفع کی وجہ سے اپنے قومی مفاد کو نظر انداز کر دینا ایک تعلیم یافتہ گریجویٹ سے بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے، کیا اعلیٰ تعلیم کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے کہ اپنی قومی حیثیت اور اسلامی وقعت کو مٹا دیا جائے ، ایسے لوگ اگر تعلیم ہی نہ پاتے تو بہتر تھا۔ اس لئے کہ اگر برہما کا کوئی بدھشٹ ایسی نامعقول حرکت کا مرتکب ہوتا تو اس کو یہ کہہ کر خاموش کیا جا سکتا تھا کہ وہ غیر قوم کا آدمی ہے، اس کو مسلمانوں کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے لیکن یہ شخص مسلمان ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہا ہے، لہٰذا اس کی مثال ایسے پامرد ہاتھی کی سی ہے جو اپنی ہی فوج پر حملہ کر دیتا ہے۔ برہما کے تمام مسلمانوں کو اس شخص کی تحریروں اور تقریروں پر اظہار نفرت کرنا چاہئے اور یوں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شخص ان کی جماعت ہی سے الگ ہے۔ جب تک وہ اپنی اس نامعقول حرکت سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کی قومی زبان کی مخالفت پر بدستور مصر رہے۔

مسلمانوں کو اپنی قومیت قائم رکھنے کے لئے اس اَمر کی ضرورت ہے کہ وہ انگریزی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔ اگر وہ مذہبی تعلیم سے بالکل بے بہرہ رہیں گے تو ان کی قومیت کا شیرازہ ہرگز قائم نہیں رہ سکتا، اور یہ اَمر محتاج بیان نہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم سوائے اُردو زبان کے ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ کی

مروّجہ زبان میں نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ جن حصص ملک میں ہندی، گجراتی، دکشنی، ٹمبل، بنگلہ وغیرہ وغیرہ زبانیں بولی جاتی ہیں، وہاں مسلمانوں کے بچوں کو ہندوستان کی اسی عام زبان میں جس کو ''اُردو'' کہتے ہیں مذہبی اور بقدر ضرورت دنیاوی تعلیم دی جارہی ہے، اور چونکہ حکام وقت نے بھی اپنی ضروریات پر لحاظ کر کے مذہبی تعلیم کا دیا نا جانا ضروری سمجھ لیا ہے اور اس لئے اُردوداں اُستادوں کی جگہ جملہ مدارس سرکاری میں رکھی جاتی ہے جس پر علی العموم مسلمان ہی مقرر ہوئے ہیں۔ اگر برہمی مسلمانوں کے اس نادان دوست کی تقریر پر خدانخواستہ عمل ہوتو ہندوستان بھر کے مدارس میں سے مسلمان اُستادوں کو یک لخت الگ ہونا پڑے جو مسلمانوں کے لئے ایک دوسرا نقصان ہے جس کی تلافی اس برہمی مسلمان کے کسی برہمی قومی اسکول میں ٹیچر ہوجانے سے نہیں ہوسکتی، کیا اس برہمی اُستاد کی تنخواہ اس قدر ہے کہ وہ ان مسلمان استادوں کی تنخواہوں کے برابر ہوسکے جو ہندوستان بھر کے سرکاری مدارس میں مسلمان بچوں کو مذہبی تعلیم دیتے ہیں۔

اُردو زبان کے جو عیوب اس برہمی ''بی۔اے'' نے بیان کئے ہیں اُن کی کیفیت یہ ہے:

(۱) پہلے مولوی لوگ بچوں کو مفت عربی پڑھاتے تھے، اب ان کو ماہواری تنخواہ کے وعدہ سے دام فریب میں پھنسایا گیا اور انہوں نے کانٹے کا شبہ نہ کر کے چارے پر نظر جمائی۔

اس میں بظاہر اُردو کا کوئی بھی قصور معلوم نہیں ہوتا، نہ یہ اَمر قیاس آسکتا ہے کہ اُردو پڑھانے کے لئے اس صوبہ کے تمام مولوی تنخواہ دار ہوگئے ہوں اور اس وجہ سے عربی کی مفت تعلیم بالکل بند ہوگئی ہو، بلکہ سرکاری مدرسوں میں اُردو کی تعلیم جاری رہنے سے یقیناً اسلامی اعلیٰ تعلیم کا شوق پیدا ہوگا اور وہ فکر معاش سے فارغ ہوکر اپنے قومی مدرسے کھول لیں گے، جس میں عربی زبان پڑھائی جائے گی اور ہندوستان کی طرح اس صوبہ میں بھی علمائے اسلام نظر آنے لگیں گے۔

(۲) اُردو زبان میں کھوکھلا پن ظاہر ہے، مگر یہ نہیں بتایا کہ برہمی زبان اُردو کے مقابلہ میں ٹھوس اور بھاری ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اُردو زبان میں عبارت بہت لمبی

چوڑی ہوتی ہے، اور مطلب کم، تو یہ بالکل غلط ہے، اس لئے کہ دنیا بھر کی کل زبانیں (فارسی، عربی اور ترکی کے سوا) مختصر نویسی اور تھوڑی عبارت میں زیادہ مطلب ظاہر کرنے میں اُردو زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، پھر اس کو کھوکھلا بتانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

(۳) اُردو زبان کو دلفریب بے مغز کیلا بتانا بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ جو کیلا بے مغز ہوتا ہے وہ شیریں نہیں ہو سکتا، اور اُردو ایسی شیریں زبان ہے کہ جو ہندوستان کے تمام صوبوں میں پسند کی جاتی ہے اور سب جگہ اس کے بولنے اور سمجھنے والے موجود ہونے کی وجہ سے اسی کو ہندوستان کی عام زبان کہا جاتا ہے۔

(۴) اُردو دانوں کو دھوبی کا کتا بتانا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ مثل ایسے شخص کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو نکما ہو، مگر یہ بات نہیں۔ اُردو پڑھنے سے اوّل تو مسلمانوں کے بچے اپنی مذہبی باتوں سے واقف ہو کر پکے مسلمان بن جاتے ہیں، جو ایک بہت بڑی دولت ہے، اور قومی حیثیت قائم اور مضبوط رہنے سے مسلمانوں کی قومیت کے لئے بالضرور نافع ہے، برہمی یا کسی دوسری زبان کے سیکھنے سے یہ بات ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اس برہمی مسلمان کی طرح مذہبی اُمور سے جاہل رہ کر اپنی قوم ہی کے لئے ضرر رَساں بن جانے کا اندیشہ ہے، اور ایسا شخص جو مذہب سے ناواقف یا لا مذہب ہو گورنمنٹ کے لئے بھی مفید ثابت نہیں ہوتا، بلکہ بہت سی خرابیوں کا باعث ہوتا ہے جن کی بناء پر گورنمنٹ نے سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا ہے، دوسرے اُردو داں اشخاص بالکل بیکار ہی نہیں رہتے بلکہ اس برہمی مسلمان سے جس نے اُردو نہیں پڑھی زیادہ معاش پیدا کر سکتے ہیں اور اپنی قوم کو نفع پہنچاتے ہیں، یہ اور بھی مفید کام ہے، جو اُردو نہ جاننے والے شخص نہیں کر سکتے۔

(۵) اُردو دانوں پر یہ مثل بھی صادق نہیں آ سکتی کہ انہوں نے پانی کے اندر کے سایہ کو پکڑنے کی کوشش میں اپنے مُنہ کی چیز بھی کھو ڈالی، جیسا کہ اُوپر درج ہوا، مسلمان اپنی مذہبی ضرورتوں سے واقف ہو جاتے ہیں جو برہمی سیکھنے سے ہرگز واقف نہیں ہو

سکتے تھے، اور اس کے علاوہ معاش پیدا کرنے میں بھی اس برہمی مسلمان سے جو برہمی قومی اسکول میں غیر قوم والوں کا نمک خوار بنا ہے پیچھے نہیں رہتے، لہٰذا یہ طعن اس کا بالکل فضول اور عقل کے خلاف ہے۔

(۶) کارروائی کونسل کا ترجمہ اُردو میں کیا جانا منظور نہ ہونے پر اس برہمی مسلمان کا خوش ہونا بھی اس کی نافہمی کی دلیل ہے، کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس نقصان میں وہ خود بھی شریک ہے، اس کے علاوہ کونسل میں کسی درخواست کا ایک دفعہ نامنظور ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ سوال آئندہ کبھی نہیں اُٹھ سکے گا، بلکہ ایسی درخواستیں جو کسی قوم کی جانب سے ہوں بار بار پیش ہوسکتی ہیں، اور آخر کار منظور ہو کر رہتی ہیں، اس لئے اُمید ہے کہ مسلمان ممبر صاحب پھر یہ تحریک پیش کریں گے، اور ضرور منظور ہوگی، اس لئے کہ مسلمانوں کی تعداد اس صوبہ میں اتنی کم نہیں کہ ان کی درخواستوں پر لحاظ نہ ہو۔

بہرحال اس برہمی مسلمان کی یہ کارروائی نہایت ہی افسوس ناک ہے، مذہبی حیثیت سے وہ ایک ایسے گناہ کا مرتکب ہوا ہے جو نہایت ہی قبیح اور منکر ہے، جیسا کہ حضرت اقدس کے فتوے سے ظاہر ہوگا، اور قومی حیثیت سے اس کو مسلمانوں کا نادان دوست کہا جاسکتا ہے جو اسلام کے دشمنوں کی خدمت انجام دے رہا ہے اور اس کے نتیجہ سے جو اس کے لئے بھی مضرت رساں ہے بالکل بے خبر ہے، لہٰذا دوسرے مسلمانانِ صوبہ ''برہما'' کا فرض ہے کہ اس کی برادرانہ طریقہ پر فہمائش کریں اور جب تک وہ اس ناجائز حرکت سے باز نہ آجائے یہ سمجھ لیا جائے کہ گویا وہ قومی جماعت سے باہر ہے اور اس کے مقابلہ میں ایسی کوشش کریں کہ صوبہ ''برہما'' میں مسلمانوں کے قومی مفاد کو نقصان نہ پہنچ سکے، بلکہ اس سرگرمی سے اُردو زبان کی حمایت کی جائے کہ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کی حق تلفی نہ کرنے پائیں۔

کتبہ: محمد عبدالواحد فاروقی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (تتمہ خامسہ ص ۳۲۴)

❁❁❁

حیاۃ المسلمین

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار التی منہا والجلی اعنی بہ
مولانا محمد اشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

حیاۃ المسلمین

رُوحِ اوّل

اِسلام وایمان کے بیان میں

(دونوں لفظوں کا مطلب قریب ہی قریب ہے)

❶ ۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ (سچا) دین اللہ کے نزدیک یہی اسلام ہے۔(آل عمران آیت ۱۹)

❷ ۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو تلاش اور اختیار کرے گا سووہ (دین) اس شخص سے (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مقبول (اور منظور) نہ ہوگا اور وہ (شخص) آخرت میں خراب ہوگا۔(آل عمران آیت ۸۵)

❸ ۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مرجاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہوجاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔(البقرہ آیت ۲۱۷)

ف: دنیا میں اعمال کا غارت ہونا یہ ہے کہ اس کی بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا ہے۔مرنے کے بعد جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی اور آخرت میں ضائع ہونا یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر یہ شخص پھر مسلمان ہوجاوے تو بی بی سے پھر نکاح کرنا پڑے گا بشرطیکہ بی بی بھی راضی ہو اور اگر وہ راضی نہ ہو تو زبردستی نکاح نہیں ہوسکتا۔اور

❹ ۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو تم (ضروری عقیدوں کی تفصیل سُن لو وہ یہ ہے کہ) اعتقاد رکھو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول (حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) اپنے رسول (یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی (یعنی قرآن کے ساتھ) اور اُن کتابوں کے ساتھ (بھی) جو کہ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے) پہلے (اور نبیوں پر) نازل ہوچکی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے

ساتھ کفر کرے اور (اسی طرح جو) اس کے فرشتوں کے ساتھ (کفر کرے) اور (اسی طرح) اس کی کتابوں کے ساتھ (کفر کرے) اور (اسی طرح جو) روزِ قیامت کے ساتھ (کفر کرے) تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا بلاشبہ جو لوگ (پہلے تو) مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے (اور اس بار بھی اسلام پر قائم نہ رہے ورنہ پہلی بار کا اسلام سے پھر جانا معاف ہو جاتا بلکہ) پھر کافر ہو گئے پھر (مسلمان ہی نہ ہوئے ورنہ پھر بھی ایمان مقبول ہو جاتا بلکہ (کفر میں بڑھتے چلے گئے (یعنی مرتے دم تک کفر پر قائم رہے) اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ اُن کو (بہشت کا) رستہ دکھلائیں گے۔ (النساء آیت ۱۳۶ و ۱۳۷)

5۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیشک جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے (یعنی ایمان اختیار نہ کیا) تو ہم ان کو عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے (اور وہاں ان کی برابر یہ حالت رہے گی کہ) جب ایک دفعہ ان کی کھال (آگ سے) جل چکے گی تو ہم اُس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری (تازی) کھال پیدا کر دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب ہی بھگتتے رہیں۔ بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے بہت جلد ہم ان کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے (مکانوں کے) نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) ان کے لیے اُن (بہشتوں) میں بیبیاں ہوں گی صاف ستھری اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ میں داخل کریں گے۔ (النساء آیت ۵۶ و ۵۷)

ف: ان آیتوں میں اسلام والوں کیلئے جنت کی نعمتیں اور اسلام سے ہٹنے والوں کے لیے دوزخ کی طرح طرح کی مصیبتیں تھوڑی سی بیان کی گئی ہیں۔ دوسری آیتوں میں اور حدیثوں میں جنت کی طرح طرح کی نعمتیں اور دوزخ کی طرح طرح کی مصیبتیں بہت سی بیان ہوئی ہیں۔

اے مسلمانو! دُنیا کی زندگی بہت تھوڑی سی ہے اگر اسلام پر قائم رہ کر مان لیا کہ کچھ تھوڑی سی تکلیف بھی بھگت لی تب بھی مرنے کے ساتھ ہی ایسے عیش اور چین دیکھو گے کہ یہاں کی سب تکلیفیں بھول جاؤ گے اور اگر کسی لالچ سے یا کسی تکلیف سے بچنے کے لیے کوئی شخص خدانخواستہ اسلام سے پھر گیا تو مرنے کے ساتھ ہی ایسی مصیبت کا سامنا ہو گا کہ دنیا کے سب عیش بھول جائے گا پھر اس مصیبت سے کبھی بھی نجات نہ ہو گی۔ تو جس کو تھوڑی سی بھی عقل ہو گی وہ ساری دنیا کی بادشاہی کے لالچ میں بھی اسلام کو نہ چھوڑے گا۔ اے اللہ ہمارے بھائیوں کو ہدایت کر اور ان کی عقلیں درست رکھ!

رُوحِ دوم

تحصیل و تعلیم علم دین

(یعنی دین کا سیکھنا اور سکھلانا)

❶ ۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم (دین کا) طلب کرنا (یعنی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا) ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (ابن ماجہ)

ف: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت ہو، شہری ہو یا دیہاتی ہو، امیر ہو یا غریب ہو، دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور علم کا یہ مطلب نہیں کہ عربی ہی پڑھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی باتیں سیکھے خواہ عربی کتابیں پڑھ کر خواہ اُردو کی کتابیں پڑھ کر، خواہ معتبر عالموں سے زبانی پوچھ کر، خواہ معتبر واعظوں سے وعظ کہلوا کر، اور جو عورتیں خود نہ پڑھ سکیں اور نہ کسی عالم تک پہنچ سکیں، وہ اپنے مردوں کے ذریعہ سے دین کی باتیں عالموں سے پوچھتی رہیں۔

❷ ۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ اے ابو ذر (یہ ایک صحابی کا نام ہے) اگر تم کہیں جا کر ایک آیت قرآن کی سیکھ لو یہ تمہارے لیے سو رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تم کہیں جا کر ایک مضمون علم (دین) کا سیکھ لو خواہ اس پر عمل ہو یا عمل نہ ہو یہ تمہارے لیے ہزار رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث سے علم دین حاصل کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ثابت ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بعضے لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ جب عمل نہ ہو سکا تو پوچھنے اور سیکھنے سے کیا فائدہ، یہ غلطی ہے۔

دیکھو اس میں صاف فرمایا ہے کہ خواہ عمل ہو یا نہ ہو دونوں حالت میں یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ اس کی تین وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہوگئی تو گمراہی سے تو بچ گیا یہ بھی بڑی دولت ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی تو عمل کی بھی توفیق ہو جاوے گی۔

تیسری وجہ یہ کہ کسی اور کو بھی بتلا دے گا۔ یہ بھی ضرورت اور ثواب کی بات ہے۔

3۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان آدمی کوئی علم (دین کی بات) سیکھے پھر اپنے بھائی مسلمان کو سکھلا دے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دین کی جو بات معلوم ہوا کرے وہ دوسرے بھائی مسلمانوں کو بھی بتلا دیا کرے، اس کا ثواب تمام خیر خیرات سے زیادہ ہے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ ذرا سی زبان ہلانے میں ہزاروں روپیہ خیرات کرنے سے بھی زیادہ ثواب مل جاتا ہے۔

4۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ (التحریم آیت ۶) اس کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو بھلائی (یعنی دین) کی باتیں سکھلاؤ۔ (حاکم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے بیوی بچوں کو دین کی باتیں سکھلانا فرض ہے۔ نہیں تو انجام دوزخ ہے۔ (یہ سب حدیثیں کتاب ترغیب سے لی گئی ہیں۔)

5۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ ایمان والے کے عمل اور نیکیوں میں سے جو چیز اس کے مرنے کے بعد بھی اس کو پہنچتی رہتی ہے ان میں یہ چیزیں بھی ہیں ایک علم (دین) جو سکھلایا ہو (یعنی کسی کو پڑھایا ہو یا مسئلہ بتلایا ہو) اور اس (علم) کو پھیلایا ہو (مثلاً دین کی کتابیں تصنیف کی ہوں یا ایسی کتابیں خرید کر وقف کی ہوں یا طالب علموں کو دی ہوں یا طالب علموں کو کھانے، کپڑے کی مدد دی ہو جن سے علم دین پھیلے گا اور یہ بھی مدد دے کر اس پھیلانے میں ساجھی ہو گیا) دوسرے نیک اولاد جس کو چھوڑ مرا ہو (اور بھی کئی چیزیں فرمائیں)۔ (ابن ماجہ و بیہقی)

6۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی اولاد والے نے اپنی اولاد کو کوئی دینے کی چیز ایسی نہیں دی جو اچھے ادب (یعنی علم[1]) سے بڑھ کر ہو۔ (ترمذی و بیہقی)

7۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو شخص تین بیٹیوں کی یا اسی طرح تین بہنوں کی عیالداری (یعنی ان کی پرورش کی ذمہ داری کرے پھر ان کو ادب

[1] کذا فی القاموس والصراح ۱۲ منہ

(یعنی علم) سکھلا دے اور ان پر مہربانی کرے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بےفکر کر دے (یعنی اُن کی شادی ہو جاوے جس سے وہ پرورش سے بےفکر ہو جاویں) اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جنت کو واجب کر دے گا۔ ایک شخص نے دو کی نسبت پوچھا آپ نے فرمایا دو میں بھی یہی فضیلت ہے۔ ایک شخص نے ایک کی نسبت پوچھا آپ نے فرمایا ایک میں بھی یہی فضیلت ہے۔[1] (شرح السنہ)

ف: ان حدیثوں میں اور اسی طرح اور بہت سی حدیثوں میں علم دین اور تعلیم دین یعنی دین کے سیکھنے اور سکھلانے کا ثواب اور اس کا فرض ہونا مذکور ہے اصل سیکھنا اور سکھلانا تو وہی ہے جس سے آدمی عالم یعنی مولوی بن جاوے مگر ہر شخص کو نہ اتنی ہمت، نہ اتنی فرصت۔ اس لیے میں دین سیکھنے اور سکھلانے کے ایسے آسان طریقے بتلاتا ہوں جس سے عام لوگ بھی اس فرض کو ادا کر کے ثواب حاصل کر سکیں، تفصیل ان طریقوں کی یہ ہے:

❶۔ جو لوگ اُردو حروف پہچان سکتے اور پڑھ سکتے ہیں یا آسانی سے اُردو پڑھنا سیکھ سکتے ہیں وہ تو ایسا کریں کہ اُردو زبان میں جو معتبر کتابیں دین کی ہیں جیسے بہشتی زیور اور بہشتی گوہر اور تعلیم الدین اور قصد السبیل اور تبلیغ دین اور تسہیل المواعظ کے سلسلہ کے وعظ جتنے مل جاویں ان کتابوں کو کسی اچھے جاننے والے سے سبق کے طور پر پڑھ لے اور جب تک کوئی ایسا پڑھانے والا نہ ملے ان کتابوں کو خود دیکھتا رہے اور جہاں سمجھ میں نہ آوے یا کچھ شبہ رہے وہاں پنسل وغیرہ سے کچھ نشان کر دے، پھر جب کوئی اچھا جاننے والا مل جاوے اس سے پوچھ لے اور سمجھ لے اور اس طرح جو حاصل ہو وہ مسجد میں یا بیٹھک میں دوسروں کو بھی پڑھ کر سُنا دیا کرے اور گھر میں آ کر اپنی عورتوں اور بچوں کو سُنا دیا کرے اسی طرح جنہوں نے مسجد یا بیٹھک میں سُنا ہے وہ بھی اس کو اپنے دھیان میں چڑھا کر جتنا یاد رہے اپنے گھروں میں آ کر گھر والوں کو سنا دیا کریں۔

❷۔ اور جو لوگ اُردو نہیں پڑھ سکتے وہ کسی اچھے لکھے پڑھے سمجھ دار آدمی کو اپنے یہاں بلا کر اس سے اسی طرح وہی کتابیں سن لیا کریں اور دین کی باتیں پوچھ لیا کریں،

[1] یہ حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں

اگر ایسا آدمی ہمیشہ رہنے کے لیے تجویز ہو جاوے تو بہت ہی اچھا ہے اگر اس کو کچھ تنخواہ بھی دینا پڑے تو سب آدمی تھوڑا تھوڑا چندہ کے طور پر جمع کر کے ایسے شخص کو تنخواہ بھی دے دیا کریں۔ دنیا کے بے ضرورت کاموں میں سینکڑوں ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں اگر دین کی ضروری بات میں تھوڑا سا خرچ کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر ایسا آدمی جو تم کو دین کی باتیں بتلاوے اور ایسی کتابیں اپنی عقل سے تجویز مت کرنا بلکہ کسی اچھے اللہ والے عالم سے صلاح لے کر تجویز کرنا۔

❸۔ ایک کام یہ پابندی سے کریں کہ جب کوئی کام دنیا کا یا دین کا کرنا ہو جس کا اچھا یا بُرا ہونا شروع سے نہ معلوم ہو اس کو دھیان کر کے کسی اللہ والے عالم سے ضرور پوچھ لیا کریں اور وہ جو بتلاوے اس کو خوب یاد رکھیں اور دوسرے مردوں اور عورتوں کو بھی بتلا دیا کریں اور اگر ایسے عالم کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو تو اس کے پاس خط بھیج کر پوچھ لیا کریں اور جواب کے واسطے ایک لفافہ پر اپنا پتہ لکھ کر یا لکھوا کر اپنے خط کے اندر رکھ دیا کریں کہ اس طرح سے جواب دینا اس عالم کو آسان ہوگا اور جلدی آوے گا۔

❹۔ ایک اس بات کی پابندی رکھیں کہ کبھی کبھی اللہ والے عالموں سے ملتے رہیں، اگر ارادہ کر کے جاویں تو بہت ہی اچھی بات ہے اور اگر اتنی فرصت نہ ہو اور ایسا عالم پاس بھی نہ ہو جیسے گاؤں والے ایک طرف پڑے رہتے ہیں تو جب کبھی شہروں میں کسی کام کو جانا ہو اور وہاں ایسا عالم موجود ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس جا کر بیٹھ جایا کریں اور کوئی بات یاد آ جائے تو پوچھ لیا کریں۔

❺۔ ایک کام ضروری سمجھ کر یہ کیا کریں کہ کبھی کبھی مہینہ دو مہینہ میں کسی عالم کی صلاح سے کسی وعظ کہنے والے کو گاؤں یا اپنے محلّہ میں بلا کر اس کا وعظ سنا کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف دل میں پیدا ہو کر اس سے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ مختصر بیان ہے دین سیکھنے کے طریقوں کا اور طریقے بھی کیسے! بہت آسان، اگر پابندی سے ان طریقوں کو جاری رکھیں گے تو دین کی ضروری باتیں بے محنت حاصل ہو جاویں گی اور اس کے ساتھ ہی دو باتوں کا اور خیال رکھیں کہ وہ بطور پرہیز کے ہیں۔ ایک یہ

کہ کافروں کے اور گمراہوں کے جلسوں میں ہرگز نہ جاویں۔ اول تو کفر کی اور گمراہی کی باتیں کان میں پڑنے سے دل میں اندھیرا پیدا ہوتا ہے۔

دوسرے بعض دفعہ ایمان کے جوش میں ایسی باتوں پر غصہ آ جاتا ہے۔ پھر اگر غصہ ظاہر کیا تو بعض دفعہ فساد ہو جاتا ہے، بعض دفعہ اس فساد سے دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے، بعض دفعہ مقدمہ کا جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، جس میں وقت بھی خرچ ہوتا ہے اور روپیہ بھی، یہ سب باتیں پریشانی کی ہیں اور اگر غصہ ظاہر نہ کر سکے تو دل ہی دل میں گھٹن اور رنج پیدا ہوتا ہے خواہ مخواہ بیٹھے بٹھلائے غم خریدنا کیا فائدہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی سے بحث مباحثہ نہ کریں کہ اس میں بھی اکثر ویسی ہی خرابیاں ہو جاتی ہیں جن کا ابھی بیان ہوا اور ایک بڑی خرابی ان دونوں باتوں میں اور ہے جو سب خرابیوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ یہ کہ ایسے جلسوں میں جانے سے یا بحث کرنے سے کوئی بات کفر کی اور گمراہی کی ایسی کان میں پڑ جاتی ہے جس سے خود بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے پاس اتنا علم نہیں جو اس شبہ کو دل سے دُور کر سکے تو ایسا کام کیوں کرے جس سے اتنا بڑا نقصان ہونے کا ڈر ہو اور اگر کوئی خواہ مخواہ بحث چھیڑنے لگے تو سختی سے کہہ دو کہ ہم سے ایسی باتیں مت کرو، اگر تم کو پوچھنا ہی ضروری ہو تو عالموں کے پاس جاؤ اگر ان سب باتوں کا خیال رکھو گے تو دوا اور پرہیز کو جمع کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ دین کے تندرست رہو گے کبھی دین کی بیماری نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

رُوحِ سوم

قرآنِ مجید کا پڑھنا اور پڑھانا

❶۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تم سب میں اچھا وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلاوے۔ (بخاری)

❷۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جا کر کلام اللہ شریف کی دو آیتیں کیوں نہ سیکھ لے یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں (کے ملنے) سے زیادہ بہتر ہے اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے زیادہ بہتر ہیں اور ان کی گنتی کے جتنے اونٹ ہوں ان سب سے وہ آیتیں بہتر ہیں۔ (مسلم)

ف: جس کی وجہ ظاہر ہے کہ اونٹ تو دنیا ہی میں کام آتے ہیں اور آیتیں دونوں جہان میں کام آتی ہیں اور اونٹ کا نام مثال کے طور پر لیا گیا کیونکہ عرب اونٹوں کو بہت چاہتے تھے ورنہ ایک آیت کے مقابلہ میں بھی ساری دنیا کی کوئی حقیقت نہیں (مرقاۃ) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پورا قرآن بھی نہ پڑھا ہو تھوڑا ہی پڑھا ہو اس کو بھی بڑی نعمت حاصل ہوگی۔

❸۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس کا قرآن خوب صاف ہو وہ (درجہ میں) فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو بندوں کے اعمال نامے لکھنے والے اور عزت والے اور پاکی والے ہیں اور جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اٹکتا ہو اور وہ اس کو مشکل لگتا ہو اس کو دو ثواب ملیں گے۔ (بخاری و مسلم)

ف: دو ثواب اس طرح سے کہ ایک ثواب پڑھنے کا اور ایک ثواب اس محنت کا کہ اچھی طرح چلتا نہیں مگر تکلیف اُٹھا کر پڑھتا ہے۔

اس حدیث میں کتنی بڑی تسلی ہے اس شخص کے لیے جس کو قرآن اچھی طرح یاد نہیں ہوتا وہ تنگ ہو کر اور نا اُمید ہو کر یہ سمجھ کر چھوڑ نہ دے کہ جب یاد ہی نہیں ہوتا تو پڑھنے ہی سے کیا فائدہ؟ آپ نے خوشخبری دے دی کہ ایسے شخص کو دو ثواب ملیں گے۔

❹ ۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس کے سینہ میں کچھ بھی قرآن نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے اُجاڑ گھر۔(ترمذی ودارمی)

ف:اس میں تاکید ہے کہ کوئی مسلمان قرآن سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

❺ ۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس شخص نے کلام اللہ میں سے ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی دس نیکی کے برابر ہوتی ہے(تو اس حساب سے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں)اور میں یوں نہیں کہتا الم ایک حرف ہے بلکہ اس میں الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔(ترمذی ودارمی)

ف:یہ ایک مثال ہے اسی طرح جب پڑھنے والے نے الحمد کہا تو اس میں پانچ حرف ہیں تو اس پر پچاس نیکیاں ملیں گی۔اللہ اکبر کتنی بڑی فضیلت ہے۔پس ایسے شخص کی حالت پر افسوس ہے کہ ذراسی کم ہمتی کر کے اتنی بڑی دولت حاصل نہ کرے۔

❻ ۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس نے قرآن پڑھا اور اس کے حکموں پر عمل کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ خوب صورت ہوگی جو دنیا کے گھروں میں اس حالت میں ہو کہ آفتاب تم لوگوں میں آجاوے(یعنی اگر آفتاب تمہارے پاس آجاوے تو اس وقت گھروں میں کتنی روشنی ہو جاوے۔اس روشنی سے بھی زیادہ روشنی اس تاج کی ہوگی)سو اس شخص کی نسبت تمہارا کیا خیال ہوگا جس نے خود یہ کام کیا ہے(یعنی قرآن پڑھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے اس کا کیا کچھ مرتبہ ہوگا!)۔(احمد وابوداؤد)

ف:اس حدیث میں اولاد کے قرآن پڑھانے کی کتنی بڑی فضیلت ہے سو سب مسلمانوں کو چاہیے کہ اولاد کو ضرور قرآن پڑھائیں اور لڑکوں کو بھی اور لڑکیوں کو بھی اگر کاروبار میں پورا پڑھانے کی فرصت نہ ہو تو جتنا پڑھا سکو پڑھاؤ جیسا حدیث نمبر۲ میں معلوم ہوا اور اگر حفظ نہ کرا سکو تو ناظرہ ہی پڑھاؤ اور اگر حفظ کرانے کی توفیق ہو تو سبحان اللہ اس کی اور بھی فضیلت ہے جیسا کہ ابھی اس کی حدیث لکھتا ہوں۔

❼ ۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو شخص قرآن پڑھے اور اس کو

حفظ کرے اور اس کے حلال کو حلال جانے اور اس کے حرام کو حرام جانے (یعنی عقیدہ اس کے خلاف نہ رکھے جیسے اوپر والی حدیث پر عمل کرنے کو فرمایا تھا اس میں اس پر عقیدہ رکھنے کو فرمایا) تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کی سفارش (بخشش کے لیے) اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس شخصوں کے حق میں قبول فرما دے گا کہ ان سب کے لیے دوزخ لازم ہو چکی ہوگی۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی)

ف: اس حدیث میں حفظ کرنے کی فضیلت پہلے سے بھی زیادہ ہے، اور ظاہر ہے کہ گھر والوں میں سب سے زیادہ قریب کے علاقہ والے ماں باپ ہیں تو یہ سفارش بخشش کی ماں باپ کے لیے یقینی ہے، تو اس سے اپنی اولاد کو حافظ بنانے کی فضیلت کس درجے کی ثابت ہے۔

8 ۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ دلوں کو بھی (کبھی) زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اس کو پانی پہنچ جاتا ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ اور وہ کون سی چیز ہے جس سے دلوں کی صفائی ہو جاوے؟ آپ نے فرمایا موت کا زیادہ دھیان رکھنا اور قرآن مجید کا پڑھنا۔ (بیہقی شعب الایمان میں)

9 ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں دیہاتی لوگ بھی تھے اور ایسے بھی تھے جو عرب نہ تھے (مطلب یہ کہ ایسے لوگ بھی تھے جو بہت اچھا قرآن نہ پڑھ سکتے تھے، کیونکہ دیہاتیوں کی تعلیم کم ہوتی ہے، اور جو عرب نہیں ان کی زبان عربی پڑھنے میں زیادہ صاف نہیں ہوتی) آپ نے فرمایا پڑھتے رہو سب خاصے ہیں۔ (ابوداؤد و بیہقی)

(یعنی اگر بہت اچھا نہ پڑھ سکو تو دل تھوڑا نہ کرو اور اچھا پڑھنے والے ان کو حقیر نہ سمجھیں اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ یہ خیال نہ کرے کہ ہماری زبان صاف نہیں یا ہماری عمر زیادہ ہو گئی اب اچھا نہ پڑھا جاوے گا تو ہم کو ثواب کیا ملے گا یا شاید گناہ ہو۔

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کی کیسی تسلی فرما دی اور سب کو پڑھنے کا حکم دیا۔ (یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں)

⑩۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو شخص قرآن کی ایک آیت سننے کے لیے بھی کان لگاوے اس کے لیے ایسی نیکی لکھی جاتی ہے جو بڑھتی چلی جاتی ہے (اس بڑھنے کی کوئی حد نہیں بتلائی، اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ بڑھنے کی کوئی حد نہ ہوگی، بے انتہا بڑھتی چلی جاوے گی) اور جو شخص اس آیت کو پڑھے وہ آیت اس شخص کے لیے قیامت کے دن ایک نور ہوگی (جو اس نیکی کے بڑھنے سے بھی زیادہ ہے۔) (احمد)

ف: اللہ اکبر قرآن مجید کیسی بڑی چیز ہے کہ جب تک قرآن پڑھنا نہ آوے کسی پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سن ہی لیا کرے وہ بھی ثواب سے مالا مال ہو جاوے گا، اللہ کے بندو یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

⑪۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آوے گا اور ان کو بخشوادے گا۔ (مسلم)

⑫۔ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کا پڑھنے والا قیامت کے روز آوے گا۔قرآن یوں کہے گا کہ اے پروردگار! اس کو جوڑا پہنا دیجئے۔پس اس کو عزت کا تاج پہنا دیا جاوے گا۔پھر کہے گا اے پروردگار اس سے خوش ہو جایئے، پس اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے گا۔پھر اس سے کہا جاوے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور درجوں پر چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک ایک نیکی بڑھتی جاوے گی۔(ترمذی وابن ماجہ وخزیمہ وحاکم)

ف: اس پڑھنے اور چڑھنے کی تفصیل ایک اور حدیث میں آئی ہے کہ جس طرح سنبھال سنبھال کر دنیا میں پڑھتا تھا اس طرح پڑھتا ہوا اور چڑھتا ہوا چلا جا جو آیت پڑھنے میں اخیر ہوگی وہاں ہی تیرے رہنے کا گھر ہے۔(ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ وابن حبان)

(یہ حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں)

ف: مسلمانو! ان حدیثوں میں غور کرو اور قرآن مجید حاصل کرنے میں اور اولاد کو پڑھانے میں کوشش کرو۔اگر پورا قرآن پڑھنے یا پڑھانے کی فرصت نہ ہو تو جتنا ہو سکے اُسی کی ہمت کرو۔اگر اچھی طرح یاد نہ ہوتا ہو یا صاف اور صحیح نہ ہوتا ہو گھبراؤ مت، اس میں لگے رہو۔اس طرح سے پڑھنے میں بھی ثواب ملتا ہے، اگر حفظ نہ کر سکو ناظرہ ہی پڑھو پڑھاؤ اس

کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اگر پورا قرآن حاصل کرنے کی فرصت نہیں یا ہمت نہیں کسی پورا قرآن پڑھنے والے کے پاس بیٹھ کر سن ہی لیا کرو۔ (یعنی اس سے اجازت لیکر) ان سب باتوں کا ثواب اوپر حدیثوں میں پڑھ چکے ہو اور یہ موٹی بات ہے کہ جو کام ضروری ہوتا ہے اُس کا سامان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور اس میں ثواب بھی ملتا ہے۔

پس اس قاعدہ سے قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا سامان کرنا بھی ضروری ہوگا اور اس میں ثواب بھی ملے گا اور سامان اس کا یہی ہے کہ ہر ہر جگہ کے مسلمان مل کر قرآن کے مکتب قائم کریں اور بچوں کو قرآن پڑھوائیں اور بڑی عمر کے آدمی بھی اپنے کاموں میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا قرآن سیکھا کریں اور جو پڑھانے والا مفت نہ ملے سب مل کر اس کو گذارہ کے موافق کچھ تنخواہ دیا کریں۔

اسی طرح جو بچے اپنے گھر سے غریب ہوں اور اس لیے زیادہ قرآن نہ پڑھ سکیں ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر دیا کریں کہ وہ اطمینان سے قرآن مجید ختم کر سکیں اور جو لڑکے جتنا قرآن پڑھتے جائیں اپنے گھر جا کر عورتوں اور لڑکیوں کو بھی پڑھا دیا کریں۔ اس طرح سے گھر کے سب مرد اور عورتیں قرآن پڑھ لیں گے۔

اگر کوئی سیپارہ میں نہ پڑھ سکے وہ زبانی ہی کچھ سورتیں یاد کر لے اور قرآن کے کچھ اور حقوق بھی ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص جتنا پڑھ لے خواہ پورا خواہ تھوڑا وہ اس کو ہمیشہ پڑھتا رہا کرے تاکہ یاد رہے۔ اگر یاد نہ رکھا تو پڑھا بے پڑھا سب یکساں ہوگیا۔ دوسرا یہ کہ اگر کسی کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا بھی شوق ہو تو بطور خود ترجمہ نہ دیکھے کہ اس میں غلط سمجھ جانے کا قوی اندیشہ ہے، کسی عالم سے سبق کے طور پر پڑھ لے۔

اور تیسرا یہ کہ قرآن مجید کا بہت ادب کرنا چاہیے۔ اس کی طرف پاؤں نہ کرو۔ اُدھر پیٹھ نہ کرو۔ اس سے اونچی جگہ پر مت بیٹھو۔ اس کو زمین یا فرش پر مت رکھو بلکہ رحل یا تکیہ پر رکھو۔ چوتھا یہ کہ اگر وہ پھٹ جائے کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ جہاں پاؤں نہ پڑے۔ دفن کر دو۔ پانچواں یہ کہ جب قرآن پڑھا کرو یہ دھیان رکھا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں پھر دیکھنا دل پر کیسی روشنی ہوتی ہے؟

روح چہارم

اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا

❶۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہوں گی اس کو ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (یعنی جتنی محبت اس کو اللہ تعالیٰ سے اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے ہو اتنی محبت کسی سے نہ ہو) اور ایک وہ شخص جس کو کسی بندہ سے محبت ہو اور وہ محض اللہ تعالیٰ ہی کے لیے محبت ہو (یعنی کسی دُنیوی غرض سے نہ ہو محض اس وجہ سے محبت ہو کہ وہ شخص اللہ والا ہے) اور ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچالیا ہو (خواہ پہلے ہی سے بچائے رکھا ہو خواہ کفر سے توبہ کر لی اور بچ گیا) اور اس (بچالینے) کے بعد وہ کفر کی طرف آنے کو اس قدر ناپسند کرتا ہے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

❷۔ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ تم میں کوئی شخص (پورا) ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ رکھے کہ اپنے والد سے بھی زیادہ اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اور سب آدمیوں سے بھی زیادہ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔ (یہ حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں)

❸۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ ایماندار نہیں ہوتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ رکھے کہ تمام اہل وعیال سے زیادہ اور تمام آدمیوں سے بھی زیادہ۔ روایت کیا اس کو مسلم نے اور بخاری میں عبداللہ بن ہشام کی روایت سے یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بیشک مجھ کو آپ کے ساتھ سب چیزوں سے زیادہ محبت ہے بجز اپنی جان کے (یعنی اپنی جان کے برابر آپ کی محبت معلوم نہیں ہوتی)۔ آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایماندار نہ ہوگے جب تک میرے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت نہ رکھو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اب تو آپ کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا اب پورے ایماندار ہوئے عُمر!

ف: اس بات کو آسانی کے ساتھ یوں سمجھو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول غور نہیں کیا تھا، یہ خیال کیا کہ اپنی تکلیف سے جتنا اثر ہوتا ہے دوسرے کی تکلیف سے اتنا اثر نہیں ہوتا اس لیے اپنی جان زیادہ پیاری معلوم ہوئی پھر سوچنے سے معلوم ہوا کہ اگر جان دینے کا موقع آ جائے تو یقینی بات ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان بچانے کے لیے ہر مسلمان اپنی جان دینے کو تیار ہو جائے اسی طرح آپ کے دین پر بھی جان دینے سے کبھی منہ نہ موڑے تو اس طرح سے آپ جان سے بھی زیادہ پیارے ہوئے۔

4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس وجہ سے کہ وہ تم کو غذا میں اپنی نعمتیں دیتا ہے اور مجھ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے محبت رکھو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے۔ روایت اس کو ترمذی نے۔

ف: اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف غذا دینے ہی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات واحسانات جو بے شمار ہیں اگر کسی کی سمجھ میں نہ آویں تو یہ احسان تو بہت ظاہر ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، یہی سمجھ کر اس سے محبت کرو۔

5۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کب کو ہوگی؟ آپ نے فرمایا تو نے اس کے لیے کیا سامان کر رکھا ہے؟ (جو اس کے آنے کا شوق ہے) اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کے لیے بہت نماز روزے کا سامان تو کیا نہیں مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ (قیامت میں) ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہوگا (سو تجھ کو میرا یعنی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہوگا اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہوگا) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے (کی خوشی) کے بعد کسی بات پر اتنا خوش ہوتا نہیں دیکھا جتنا اس پر خوش ہوئے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ف: اس حدیث میں کتنی بڑی بشارت ہے کہ اگر زیادہ عبادت کا بھی ذخیرہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت سے اتنی بڑی دولت مل جاوے گی۔

(یہ حدیثیں تخریج احادیث الاحیاء للعراقی میں ہیں)

6 ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (نمازِ تہجد میں) ایک آیت میں تمام رات گذار کر صبح کر دی اور وہ آیت یہ ہے: اِن تُعَذِّبھُم الخ (المائدہ آیت ۱۱۸) یعنی (اے پروردگار) اگر آپ ان کو (یعنی میری اُمت کو) عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں (آپ کو ان پر ہر طرح کا اختیار ہے) اور اگر آپ ان کی مغفرت فرما دیں تو (آپ کے نزدیک کچھ مشکل کام نہیں کیونکہ) آپ زبردست ہیں (بڑے سے بڑا کام کر سکتے ہیں اور حکمت والے ہیں (گنہگاروں کو بخش دینا بھی حکمت سے ہوگا) روایت کیا اس کو نسائی اور ابن ماجہ نے۔

ف: شیخ دہلوی نے مشکوٰۃ کے حاشیہ میں کہا ہے کہ اس آیت کا مضمون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے اپنی قوم کے معاملہ میں اور غالباً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے اپنی امت کی حالت حضورِ حق میں پیش کر کے ان کے لیے مغفرت کی درخواست کی۔ فقط۔ شیخ نے یہ لفظ غالباً احتیاط کے لیے فرما دیا ورنہ دوسرا احتمال ہو ہی نہیں سکتا تو دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ کتنی بڑی شفقت ہے کہ تمام رات کا آرام اپنی امت پر قربان کر دیا اور ان کیلئے دُعا مانگتے رہے اور سفارش فرماتے رہے کون ایسا بے حس ہوگا کہ اتنی بڑی شفقت سن کر بھی عاشق نہ ہو جاوے گا۔

7 ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری (اور تمہاری) حالت اس شخص کی سی ہے کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی اور اس پر پروانے گرنے لگے اور وہ ان کو ہٹاتا ہے مگر وہ اس کی نہیں مانتے اور آگ میں دھنسے جاتے

ہیں۔اسی طرح میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں (کہ دوزخ میں لے جانے والی چیزوں سے روکتا ہوں) اور تم اس میں گھسے جاتے ہو۔روایت کیا اس کو بخاری نے۔

ف: دیکھئے اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دوزخ سے اپنی اُمت کو بچانے کا کتنا اہتمام معلوم ہوتا ہے یہ محبت نہیں تو کیا ہے؟

اگر ہم کو ایسی محبت والے سے محبت نہ ہو تو افسوس ہے۔

8۔حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے عرفہ کی شام کو مغفرت کی دُعا فرمائی۔آپ کو جواب دیا گیا کہ میں نے ان کی مغفرت کردی بجز حقوق العباد کے (کہ اس میں ظالم سے مظلوم کا بدلہ ضرور لوں گا اور بدون عذاب مغفرت نہ ہوگی) آپ نے عرض کیا اے پروردگار اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو (اس کے حق کا عوض) جنت سے دے کر ظالم کی مغفرت فرما سکتے ہیں مگر اس شام کو یہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔پھر جب مزدلفہ میں آپ کو صبح ہوئی آپ نے پھر وہی دُعا کی اور آپ کی درخواست قبول ہوگئی۔پس آپ ہنسے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ جب ابلیس کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا قبول کرلی اور میری امت کی مغفرت فرمادی، خاک لے کر اپنے سر پر ڈالتا تھا اور ہائے وائے کرتا تھا مجھ کو اس کا اضطراب دیکھ کر ہنسی آگئی۔روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے اور اس کے قریب قریب بیہقی نے۔

ف: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ حقوق العباد علی الاطلاق بدون سزا معاف ہو جاویں گے اور نہ یہ مطلب ہے کہ خاص حج کرنے سے بدون سزا معاف ہو جاویں گے بلکہ قبل اس دُعا کے قبول ہونے سے دو احتمال تھے ایک یہ کہ حقوق العباد کی سزا میں جہنم میں ہمیشہ سڑنا پڑے، دوسرا یہ کہ گو جہنم میں ہمیشہ رہنا نہ ہو لیکن سزا ضرور ہو۔اب اس دُعا کے قبول ہونے کے بعد دو وعدے ہو گئے ایک یہ کہ بعد سزا کبھی نہ کبھی ضرور نجات ہو جاوے گی، دوسرا یہ کہ بعض دفعہ بدون سزا بھی اس طور پر نجات ہو جاوے گی کہ مظلوم کو نعمتیں دے کر اس سے راضی نامہ دلوا دیا جاوے گا۔

ف: غور کر کے دیکھو آپ کو اس قانون کی منظوری لینے میں کس قدر فکر اور تکلیف ہوئی ہے۔کیا اب بھی قلب میں آپ کی محبت میں جوش نہیں اُٹھتا۔

9 ۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ آیتیں پڑھیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام (ابراہیم آیت ۳۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (المائدۃ آیت ۱۱۸) کی دُعائیں اپنی اپنی امت کے لیے مذکور ہیں اور دُعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا اے اللہ میری اُمت، میری اُمت۔حق تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور یوں تو تمہارا پروردگار جانتا ہی ہے اور اُن سے پوچھو آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ اُنہوں نے آپ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا تھا ان کو بتلایا۔حق تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی اُمت کے معاملہ میں خوش کردیں گے اور رنج نہ دیں گے۔روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ف: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ آپ تو کبھی بھی خوش نہ ہوں گے اگر آپ کی اُمت میں سے ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے (درمنثور عن الخطیب) اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے آپکے خوش کرنے کا تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں نہ رہیگا۔اے مسلمانو! یہ سب دولتیں اور نعمتیں جس ذات کی برکت سے نصیب ہوئیں اگر ان سے بھی محبت نہ کروگے تو کس سے کروگے؟

10 ۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو شراب نوشی میں سزا بھی دی تھی، ایک دفعہ پھر لایا گیا اور سزا کا حکم ہو کر سزا دی گئی۔ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر لعنت کر کس کثرت سے اس کو لایا جاتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو، واللہ میرا علم یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

ف: اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی کتنی قدر فرمائی گئی کہ اتنا بڑا گناہ کرنے پر بھی اس پر لعنت کی اجازت نہیں دی گئی۔اے مسلمانو! ایسی مفت کی دولت جس میں نہ محنت نہ مشقت کہاں نصیب ہوتی ہے اس کو ہاتھ سے مت جانے دینا اپنی رگ رگ میں اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سما لینا اور رچا لینا۔

یہ حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں اور ایک درمنثور کی ہے جس میں اس کا نام لکھ دیا ہے۔

روح پنجم

اعتقاد تقدیر و عمل توکل

یعنی تقدیر پر یقین لانا اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا

اس اعتقاد اور اس عمل میں یہ فائدے ہیں:۔

الف۔ کیسی ہی مصیبت یا پریشانی کا واقعہ ہو اُس سے دل مضبوط رہے گا، یہ سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا اور وہ جب چاہے گا اس کو دفع کر دے گا۔

ب۔ جب یہ سمجھ گیا تو اگر اُس مصیبت کے دور ہونے میں دیر بھی لگے گی تو پریشان اور مایوس اور دل کمزور نہ ہوگا۔

ج۔ نیز جب یہ سمجھ گیا تو کوئی تدبیر اس مصیبت کے دفع کرنے کی ایسی نہ کرے گا جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ یوں سمجھے گا کہ مصیبت تو بدون خدا تعالیٰ کے چاہے ہوئے دفع ہوگی نہیں پھر خدا تعالیٰ کو کیوں ناراض کیا جائے۔

د۔ نیز اس سمجھنے کے بعد سب تدبیروں کے ساتھ یہ شخص دعا میں بھی مشغول ہوگا کیونکہ یہ سمجھے گا کہ جب اسی کے چاہنے سے یہ مصیبت ٹل سکتی ہے تو اسی سے عرض کرنے میں نفع کی زیادہ اُمید ہے پھر دعا میں لگ جانے سے اللہ تعالیٰ سے علاقہ بڑھ جاوے گا جو تمام راحتوں کی جڑ ہے۔

ہ۔ نیز جب ہر کام میں یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتا ہے، تو کسی کامیابی میں اپنی کسی تدبیر یا سمجھ پر اس کو ناز اور فخر اور دعویٰ نہ ہوگا۔ حاصل ان سب فائدوں کا یہ ہوا کہ یہ شخص کامیابی میں شکر کرے گا اور ناکامی میں صبر کرے گا۔ اور یہی فائدے اس مسئلہ کے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور خلاصہ بتلائے ہیں (لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بمآ آتکم الآیۃ) (سورۂ حدید آیت ۲۳) اور اس مسئلہ کا یہ مطلب

نہیں کہ تقدیر کا بہانہ کر کے شریعت کے موافق ضروری تدبیر کو بھی چھوڑ دے بلکہ یہ شخص تو کمزور تدبیر کو بھی نہ چھوڑے گا اور اس میں بھی امید رکھے گا کہ خدا تعالیٰ اس میں بھی اثر دے سکتا ہے اس لئے کبھی ہمت نہ ہارے گا۔ جیسے بعض لوگوں کو یہ غلطی ہو جاتی ہے اور دین تو بڑی چیز ہے دنیا کے ضروری کاموں میں بھی ایسی کم ہمتی کی بُرائی حدیث میں آئی ہے۔ چنانچہ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا۔ تو ہارنے والا کہنے لگا۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل (مطلب یہ کہ خدا کی مرضی میری قسمت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتا ہے لیکن ہوشیاری سے کام لو (یعنی کوشش و تدبیر میں کم ہمتی مت کرو) پھر جب کوئی کام تمہارے قابو سے باہر ہو جائے تب کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل (یعنی خدا کی مرضی میری قسمت) (ابوداؤد) یہ مضمون تو بیچ میں اس مسئلے کے فائدے بتلانے اور غلطیوں سے بچانے کے لئے آ گیا تھا۔ اب وہ حدیثیں لکھی جاتی ہیں جن میں اس مسئلہ کا ذکر ہے۔

۱۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، اُس کی بھلائی پر بھی اور اُس کی برائی پر بھی یہاں تک کہ یہ یقین کر لے کہ جو بات واقع ہونے والی تھی وہ اس سے ہٹنے والی نہ تھی اور جو بات اس سے ہٹنے والی تھی وہ اس پر واقع ہونے والی نہ تھی۔ (ترمذی)

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا آپ نے مجھ سے فرمایا اے لڑکے میں تجھ کو چند باتیں بتلاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت فرماویگا اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ تو اس کو اپنے سامنے (یعنی قریب) پاوے گا جب تجھ کو کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور جب تجھ کو مدد چاہنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہ، اور یہ یقین کر لے کہ تمام گروہ اگر اس بات پر متفق ہو جاویں کہ تجھ کو کسی بات سے نفع پہنچاویں تو تجھ کو ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دی تھی۔ اور اگر وہ سب اس بات پر متفق ہو جاویں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرر پہنچاویں تو تجھ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دی تھی۔ (ترمذی)

۳۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کی پانچ چیزوں سے فراغت فرما دی ہے، اس کی عمر سے اور اس کے رزق سے اور اس کے عمل سے اور اس کے دفن ہونے کی جگہ سے اور یہ کہ (انجام میں) سعید ہے یا شقی ہے۔ (احمد و بزار و کبیر و اوسط)

۴۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی ایسی چیز پر آگے مت بڑھ جس کی نسبت تیرا یہ خیال ہو کہ میں آگے بڑھ کر اس کو حاصل کرلوں گا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر نہ کیا ہو۔ اور کسی ایسی چیز سے پیچھے مت ہٹ جس کی نسبت تیرا یہ خیال ہو کہ وہ میرے پیچھے ہٹنے سے ٹل جاوے گی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر کر دیا ہو۔ (کبیر و اوسط)

ف: یعنی یہ دونوں گمان غلط ہیں بلکہ جو چیز مقدر نہیں وہ آگے بڑھنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے اس گمان سے آگے بڑھنا بیکار۔ اور اسی طرح جو چیز مقدر ہے وہ ہٹنے اور بچنے سے ٹل نہیں سکتی اس لئے اس گمان سے بچنا بیکار۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفع کی چیز کو کوشش سے حاصل کرو اور اللہ سے مدد چاہو اور ہمت مت ہارو اور اگر تجھ پر کوئی واقعہ پڑ جائے تو یوں مت کہو کہ اگر میں یوں کرتا تو ایسا ایسا ہو جاتا لیکن (ایسے وقت میں) یوں کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہی مقدر فرمایا تھا، اور جو اس کو منظور ہوا اس نے وہی کیا۔ (مسلم)

یہاں تک کی حدیثیں جمع الفوائد سے نقل کی گئی ہیں۔ ان حدیثوں میں زیادہ تقدیر کا بیان تھا آگے وہ آیتیں اور حدیثیں ہیں جن میں زیادہ توکل کا اور کچھ کچھ تقدیر کا بیان ہے۔

۶۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کرلیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو خدا تعالیٰ پر اعتماد رکھیں) محبت فرماتے ہیں۔ (آل عمران آیت ۱۵۹)

ف: اس سے بڑھ کر کیا دولت ہو گی کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ جس شخص سے خدا تعالیٰ کو محبت ہو اُس کی فلاح میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم ہے۔ کیونکہ مشورہ تو تدبیر ہی کے لئے

ہوتا ہے۔ البتہ تدبیر پر بھروسہ کرنا نہ چاہئے بلکہ تدبیر کر کے بھی بھروسہ خدا ہی پر ہونا چاہئے۔

۷۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ یہ ایسے (مخلص) لوگ ہیں کہ (بعض) لوگوں نے (جو) اُن سے (آ کر) کہا کہ ان لوگوں نے (یعنی کفار مکہ نے) تمہارے (مقابلہ کے) لئے (بڑا) سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہئے تو اس (خبر) نے اُن کے (جوش ایمان) کو اور زیادہ کر دیا اور (نہایت استقلال سے یہ) کہہ (کر بات کو ختم کر) دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ (سب مہمات میں) کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے (یہی سپرد کرنا توکل ہے) پس یہ لوگ خدا تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے (یعنی ثواب اور نفع تجارت سے) بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی، اور وہ لوگ (اس واقعہ میں) رضائے حق کے تابع رہے (اسی کی بدولت ہر طرح کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے) اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔ (آل عمران آیت ۱۷۲۔۱۷۳)

ف: ان آیتوں میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں صحابہ کو دنیا اور دین دونوں کا فائدہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ یہ بتلاتا ہے کہ یہ دونوں دولتیں توکل کی بدولت ملیں۔

۸۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ فرما دیجئے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے وہ ہمارا مالک ہے (پس مالک حقیقی جو تجویز کرے بندہ کو اس پر راضی رہنا واجب ہے) اور (ہماری کیا تخصیص ہے) سب مسلمانوں کو اپنے سب کام اللہ تعالیٰ کے سپرد رکھنے چاہئیں (دوسری بات یہ فرما دیجئے) کہ (ہمارے لئے جیسی اچھی حالت بہتر ہے ایسے ہی سختی کی حالت بھی باعتبار انجام کے بہتر ہے کہ اس میں درجات بڑھتے ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں پس) تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو۔ (توبہ آیت ۵۱۔۵۲)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ توکل کا اثر یہ ہے کہ اگر کوئی ناگواری بھی پیش آوے تو اُس سے بھی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ اس کو بھی بہتر ہی سمجھتے ہیں اگر دنیا میں بھی اس کا ظہور نہ ہو تو آخرت میں ضرور ہو گا جو ہمارا اصلی گھر ہے اور وہی بھلائی ہمیشہ کام آنے والی ہے۔

۹۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (جب بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم

سے خوف میں دیکھا تو ان سے) فرمادیا کہ اے میری قوم اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو (سوچ و بچار مت کرو بلکہ) اس پر توکل کرو اگر تم (اس کی) اطاعت کرنے والے ہو انہوں نے (جواب میں) عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا (بعد اس کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ) اے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان کافر لوگوں سے نجات دے (یعنی جب تک ہم پر ان کی حکومت مقدر ہے ظلم نہ کرنے پاویں اور پھر ان کی حکومت ہی کے دائرہ سے نکال دیجئے)۔ (یونس۔ آیت ۸۴ تا ۸۶)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ توکل کے ساتھ دعا زیادہ مفید ہوتی ہے۔

۱۰۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنانے کے لئے کافی ہے۔ (اور یہ کام بنانا عام ہے ظاہراً بھی ہو یا صرف باطناً۔ (الطلاق۔ آیت ۳)

ف: دیکھئے توکل پر کیسا عجیب وعدہ فرمایا ہے اور اصلاح باطناً اس وقت تو معلوم نہیں ہوتی مگر بہت جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔

۱۱۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی سعادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اس کے لئے مقدر فرمایا اس پر راضی رہے اور آدمی کی محرومی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے خیر مانگنا چھوڑ دے، اور یہ بھی آدمی کی محرومی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اس کے لئے مقدر فرمایا اس سے ناراض ہو۔ (احمد و ترمذی)

۱۲۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا دل (تعلقات کے) ہر میدان میں شاخ شاخ رہتا ہے۔ سو جس نے اپنے دل کو ہر شاخ کے پیچھے ڈال دیا اللہ تعالیٰ پرواہ بھی نہیں کرتا۔ خواہ وہ کسی میدان میں ہلاک ہو جاوے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب شاخوں میں اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

ف: یعنی اس کو پریشانی اور مشکلیں نہیں ہوتیں، یہ دو حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں۔

۱۳۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (اپنے دل سے) اللہ تعالیٰ ہی کا ہو رہے اللہ تعالیٰ اس کی سب ذمہ

داریوں کی کفایت فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص دنیا کا ہو رہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا ہی کے حوالہ کر دیتا ہے (ابوالشیخ) یہ حدیث ترغیب وترہیب میں ہے۔

۱۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کر۔

ف: یعنی توکل میں تدبیر کی ممانعت نہیں ہاتھ سے تدبیر کرے دل سے اللہ پر توکل کرے اور اس تدبیر پر بھروسہ نہ کرے۔

۱۵۔ ابوخزامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دوا اور جھاڑ پھونک کیا تقدیر کو ٹال دیتی ہے آپ نے فرمایا یہ بھی تقدیر ہی میں داخل ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

ف: یعنی یہ بھی تقدیر میں ہے کہ فلاں دوا یا جھاڑ پھونک سے نفع ہو جاوے گا۔

(یہ حدیث تخریج عراقی میں ہے)

نتیجہ: مسلمانو! ان آیتوں اور حدیثوں سے سبق لو، کیسی ہی دشواری پیش آوے دل تھوڑا مت کرو اور دین میں کچے مت بنو، خدا تعالیٰ مدد کرے گا۔　　فقط

کتبہ

اشرف علی۔ تھانہ بھون

رُوحِ ششم

دُعا مانگنا

یعنی جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وہ دنیا کا کام ہو یا دین کا اور خواہ اس میں اپنی بھی کوشش کرنا پڑے اور خواہ اپنی کوشش اور قابو سے باہر ہو سب اللہ تعالیٰ سے مانگا کرے۔ لیکن اتنا خیال ضروری ہے کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔ اس میں سب باتیں آ گئیں، جیسے کوئی کھیتی یا سوداگری کرتا ہے تو محنت اور سامان بھی کرنا چاہیے مگر اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس میں برکت فرما اور نقصان سے بچا۔ یا کوئی دشمن ستاوے، خواہ دنیا کا دشمن خواہ دین کا دشمن، تو اس سے بچنے کی تدبیر بھی کرنا چاہیے خواہ وہ تدبیر اپنے قابو کی ہو خواہ حاکم سے مدد لینا پڑے مگر اس تدبیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی دعا مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس دشمن کو زیر کر دے یا مثلاً کوئی بیمار ہو تو دوا دارو بھی کرنا چاہیے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس بیماری کو کھو دے یا اپنے پاس کچھ مال ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی کرنا چاہیے، جیسے مضبوط مکان میں مضبوط قفل لگا کر رکھنا یا گھر والوں کے یا نوکروں کے ذریعہ سے اس کا پہرہ دینا، دیکھ بھال رکھنا، مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس کو چوروں سے محفوظ رکھ۔ یا مثلاً کوئی مقدمہ کر رکھا ہے یا اس پر کسی نے کر رکھا ہے تو اس کی پیروی بھی کرنا چاہئے وکیل اور گواہوں کا انتظام بھی کرنا چاہیے، مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنا چاہیے کہ اے اللہ اس مقدمہ میں مجھ کو فتح دے اور ظالم کے شر سے مجھ کو بچا۔ یا قرآن اور علم دین حاصل کر رہا ہے تو اس میں جی لگا کر پابندی سے محنت بھی کرنا چاہیے مگر اس کے ساتھ دعا بھی کرنا چاہیے کہ اے اللہ اس کو آسان کر دے اور میرے ذہن میں اس کو جما دے۔ یا نماز روزہ وغیرہ شروع کیا ہے، یا بزرگوں کے بتلانے سے اور عبادتوں میں لگ گیا ہو تو سستی اور نفس کے حیلہ بہانہ کا مقابلہ کر کے ہمت کے ساتھ اس کو نباہنا چاہیے مگر دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ میری مدد کر اور مجھ کو اس کی

ہمیشہ توفیق دے اور اس کو قبول فرما۔ یہ نمونہ کے طور پر چند مثالیں لکھ دی ہیں۔ ہر کام اور ہر مصیبت میں اسی طرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی اور توجہ کے ساتھ عرض بھی کرتا رہے اور جس کام میں تدبیر کا کچھ دخل نہیں اس میں تو تمام کوشش دعا ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے، جیسے بارش کا ہونا یا اولاد کا زندہ رہنا یا کسی بیمار کا لاعلاج بیماری سے اچھا ہو جانا یا نفس وشیطان کا نہ بہکانا۔ یا وبا اور طاعون سے محفوظ رہنا یا قابو یافتہ ظالموں کے شر سے بچنا۔ ان کاموں کا بنانے والا تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی برائے نام بھی نہیں۔ اس لیے تدبیر کے کاموں میں جتنا حصہ تدبیر کا ہے، ان بے تدبیر کے کاموں میں وہ حصہ تدبیر کا بھی دعا ہی میں خرچ کرنا چاہیے۔ غرض تدبیر کے کاموں میں تو کچھ تدبیر اور کچھ دعا ہے اور بے تدبیر کے کاموں میں تدبیر کی جگہ بھی دعا ہی ہے۔

تو اس میں زیادہ دعا ہوئی اور دعا فقط اس کا نام نہیں کہ دو چار باتیں یاد کر لیں اور نمازوں کے بعد اس کو صرف زبان سے آموختہ کی طرح پڑھ دیا، سو یہ دعا نہیں ہے۔ محض دعا کی نقل ہے۔ دعا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست پیش کرنا ہے، سو جس طرح حاکم کے یہاں درخواست دیتے ہیں کم سے کم دعا اس طرح تو کرنا چاہیے کہ درخواست دینے کے وقت آنکھیں بھی اسی طرف لگی ہوتی ہیں، دل بھی ہمہ تن ادھر ہی ہوتا ہے، صورت بھی عاجزوں کی سی بناتے ہیں۔ اگر زبانی کچھ عرض کرنا ہوتا ہے تو کیسے ادب سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی عرضی منظور ہونے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں اور اس یقین دلانے کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہم کو آپ سے پوری اُمید ہے کہ ہماری درخواست پر پوری توجہ فرمائی جاوے گی، پھر بھی اگر عرضی کے موافق حکم نہ ہوا حاکم عرضی دینے والے کے سامنے افسوس ظاہر کرے کہ تمہاری مرضی کے موافق تمہارا کام نہ ہوا تو یہ شخص فوراً یہ جواب دیتا ہے کہ جناب مجھ کو کوئی رنج یا شکایت نہیں۔ اس معاملہ میں قانون ہی سے جان نہ تھی یا میری پیروی میں کمی رہ گئی تھی جناب نے کچھ کمی نہیں فرمائی اور اگر اس حاجت کی آئندہ بھی ضرورت ہو تو کہتا ہے کہ کچھ کو نا اُمیدی نہیں پھر عرض کرتا رہوں گا اور اصلی بات تو یہ ہے کہ مجھ کو جناب کی مہربانی کام ہونے سے زیادہ پیاری چیز ہے۔ کام تو خاص وقت یا محدود

درجہ کی چیز ہے۔ جناب کی مہربانی تو عمر بھر کی اور غیر محدود درجہ کی دولت اور نعمت ہے۔

تو اے مسلمانو! دل میں سوچو کیا تم دعا مانگنے کے وقت اور دعا مانگنے کے بعد جب اس کا کوئی ظہور نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہو۔ سوچو اور شرماؤ۔ جب یہ برتاؤ نہیں کرتے تو اپنی دُعا کو دُعا یعنی درخواست کس منہ سے کہتے ہو تو واقع میں کمی تمہاری ہی طرف سے ہے جس سے وہ دُعا درخواست نہ رہی اور اس طرف سے تو اتنی رعایت ہے کہ درخواست دینے کا وقت بھی معین نہیں فرمایا۔ وقت بے وقت جب چاہو عرض معروض کر لو۔ نمازوں کے بعد کا وقت بھی تم ہی نے ٹھہرا رکھا ہے البتہ وہ وقت دوسرے وقتوں سے زیادہ برکت کا ہے۔ سو اس وقت زیادہ دُعا کرو باقی اور وقتوں میں بھی اس کا سلسلہ جاری رکھو۔ جس وقت جو حاجت یاد آ گئی فوراً دل سے یا زبان سے بھی مانگنا شروع کر دیا۔ کہ جب دُعا کی حقیقت معلوم ہو گئی تو اس حقیقت کے موافق دُعا مانگو پھر دیکھو کیسی برکت ہوتی ہے اور برکت کا یہ مطلب نہیں کہ جو مانگو گے وہی مل جاوے گا۔ کبھی تو وہی چیز مل جاتی ہے جیسے کوئی آخرت کی چیزیں مانگے کیونکہ وہ بندہ کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ البتہ اُس میں ایمان اور اطاعت شرط ہے کیونکہ وہاں کی چیزیں قانوناً اُسی شخص کو مل سکتی ہیں اور کبھی وہ چیز مانگی ہوئی نہیں ملتی جیسے کوئی دنیا کی چیزیں مانگے کیونکہ وہ بندہ کے لیے کبھی بھلائی ہے کبھی برائی۔ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی ہوتی ہے اس کو مل جاتی ہے اور جب بُرائی ہوتی ہے تو نہیں ملتی۔ جیسے باپ بچہ کو پیسہ مانگنے پر کبھی دے دیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا جب وہ دیکھتا ہے کہ اس سے یہ ایسی چیز خرید کر کھاوے گا جس سے حکیم نے منع کر رکھا ہے۔ تو برکت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مانگی ہوئی چیز مل جاوے۔ بلکہ برکت کا مطلب یہ ہے کہ دُعا کرنے سے حق تعالیٰ کی توجہ بندہ کی طرف ہو جاتی ہے اگر وہ چیز بھی کسی مصلحت سے نہ ملے تو دُعا کی برکت سے بندہ کے دل میں تسلی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے اور پریشانی اور کمزوری جاتی رہتی ہے اور یہ اثر حق تعالیٰ کی اس خاص توجہ کا ہوتا ہے جو دُعا کرنے سے بندہ کی طرف حق تعالیٰ کو ہو جاتی ہے اور یہی توجہ خاص اجابت کا وہ یقینی درجہ ہے جس کا وعدہ حق تعالیٰ کی طرف سے دُعا کرنے والے کے لیے ہوا ہے اور اس حاجت کا عطا فرما دینا یہ اجابت کا دوسرا درجہ ہے۔

(جیسے کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے تو اصل منظوری تو علاج شروع کر دینا ہے کہ مسہل دے یا نہ دے اور دوسری منظوری مسہل دینا ہے۔اس میں یہ شرط ہے کہ مصلحت بھی سمجھے ۱۲)

جس کا وعدہ بلا شرط نہیں بلکہ اس شرط سے ہے کہ بندہ کی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور یہی توجہ خاص ہے۔ جس کے سامنے بڑی سے بڑی حاجت اور دولت کوئی چیز نہیں اور یہی توجہ خاص بندہ کی اصل پونجی ہے جس سے دنیا میں بھی اُس کو حقیقی اور دائمی راحت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی غیر محدود اور ابدی نعمت اور حلاوت نصیب ہوگی۔ تو دُعا میں اس برکت کے ہوتے ہوئے دُعا کرنے والے کو خسارہ اور محرومی کا اندیشہ کرنے کی کب گنجائش ہے؟

اب دو چار حدیثیں دُعا کی فضیلت اور آداب میں لکھتا ہوں۔

❶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کی دُعا قبول ہوتی ہے تاوقتیکہ کسی گناہ یا رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دُعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچاوے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جلدی مچانے کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بار بار دُعا کی مگر قبول ہوتی ہوئی نہیں دیکھتا، سو دُعا کرنے سے تھک جاوے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔ (مسلم)

ف: اس میں تاکید ہے اس بات کی کہ گو دعا قبول نہ ہو مگر برابر کیے جائے اس کے متعلق اوپر بیان آچکا ہے۔

❷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز قدر کی نہیں۔ (ترمذی وابن ماجہ)

❸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُعا (ہر چیز سے) کام دیتی ہے ایسی (بلا) سے بھی جو کہ نازل ہو چکی ہو اور ایسی (بلا) سے بھی جو کہ ابھی نازل نہیں ہوئی۔

سوائے بندگانِ خدا دُعا کو پہلہ باندھو۔ (ترمذی واحمد)

❹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے دُعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غصہ کرتا ہے۔ (ترمذی)

ف: البتہ جس کو اس کی دھن اور دھیان سے فرصت نہ ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

5۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں دُعا کیا کرو کہ تم قبولیت کا یقین رکھا کرو اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غفلت سے بھرے دل سے دُعا قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی)

ف: تو دُعا خوب توجہ سے کرنا چاہیے اور اجابت کے دو درجے اوپر بیان کیے ہیں۔

(یعنی توجہ خاص جو موعود ہے اور خاص وہی چیز مل جانا ہے جو غیر موعود ہے ۱۲)

وہی قبولیت کے بھی ہیں کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور ایک درجہ اس کا عام ہے جو اگلی حدیث میں آتا ہے۔

6۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں جو کوئی دُعا کرے جس میں گناہ اور قطع رحمی نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اس دُعا کے سبب اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور دیتا ہے

یا تو فی الحال وہی مانگی ہوئی چیز دے دیتا ہے اور یا اس کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیتا ہے اور یا کوئی ایسی ہی بُرائی اُس سے ہٹا دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ اس حالت، میں تو ہم خوب کثرت سے دُعا کیا کریں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے بھی زیادہ عطا کی کثرت ہے۔ (احمد)

ف: خلاصہ یہ کہ کوئی دُعا خالی نہیں جاتی۔

7۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنے رب سے سب حاجتیں مانگنا چاہئیں (اور ثابت کی روایت میں ہے کہ) یہاں تک کہ اُس سے نمک بھی مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاوے وہ بھی اُسی سے مانگے۔ (ترمذی)

ف: یعنی یہ خیال نہ کرے کہ ایسی حقیر چیز اتنے بڑے سے کیا مانگے، اُن کے نزدیک تو بڑی چیز بھی چھوٹی ہی ہے۔ فقط

رُوحِ ہفتم

نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا

تاکہ ان لوگوں سے اچھی باتیں سنیں، ان سے اچھی خصلتیں سیکھیں اور جو نیک لوگ گزر گئے ہیں ان کے اچھے حالات کی کتابیں پڑھ کر یا پڑھوا کر ان کے حالات معلوم کرنا یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے گویا ان کے پاس ہی بیٹھ کر ان سے باتیں سنیں اور ان سے اچھی خصلتیں سیکھ لیں۔

ف: چونکہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ دوسرے انسان کے خیالات اور حالات سے بہت جلد اور بہت قوت کے ساتھ اور بدون کسی خاص کوشش کے اثر قبول کر لیتا ہے اچھا اثر بھی اور برا اثر بھی۔ اس لیے اچھی صحبت بہت ہی بڑے فائدے کی چیز ہے اور اسی طرح بری صحبت بڑے نقصان کی چیز ہے اور اچھی صحبت ایسے شخص کی صحبت ہے جس کو ضرورت کے موافق دین کی باتوں کی واقفیت بھی ہو اور جس کے عقیدے بھی اچھے ہوں شرک و بدعت اور دنیا کی رسموں سے بچتا ہو اعمال بھی اچھے ہوں، نماز، روزہ اور ضروری عبادتوں کا پابند ہو معاملات بھی اچھے ہوں لین دین صاف ہو، حلال و حرام کی احتیاط ہو، اخلاقِ ظاہری بھی اچھے ہوں، مزاج میں عاجزی ہو کسی کو بے وجہ تکلیف نہ دیتا ہو، غریبوں، حاجت مندوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو، اخلاقِ باطنی بھی اچھے ہوں، خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف دل میں رکھتا ہو، دنیا کا لالچ دل میں نہ رکھتا ہو، دین کے مقابلہ میں مال اور راحت اور آبرو کی پرواہ نہ رکھتا ہو، آخرت کی زندگی کے سامنے دنیا کی زندگی کو عزیز نہ رکھتا ہو، ہر حال میں صبر و شکر کرتا ہو۔ جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں اس کی صحبت اکسیر ہے اور جس شخص کو ان باتوں کی پوری پہچان نہ ہو سکے اس کے لیے یہ پہچان ہے کہ اپنے زمانہ کے نیک لوگ (جن کو اکثر مسلمان عام طور پر نیک سمجھتے ہوں ایسے نیک لوگ) جس شخص کو اچھا کہتے ہوں اور دس پانچ بار اس کے پاس بیٹھنے سے بری باتوں سے دل ہٹنے لگے اور نیک باتوں کی طرف دل جھکنے لگے بس تم اس کو اچھا سمجھو اور اس کی صحبت اختیار کرو اور جس

شخص میں بُری باتیں دیکھی جاویں بدون کسی سخت مجبوری کے اس سے میل جول مت کرو کہ اس سے دین تو بالکل تباہ ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے کبھی تو جان کا کہ کسی تکلیف یا پریشانی کا سامنا ہو جاتا ہے اور کبھی مال کا کہ بُری جگہ خرچ ہو گیا یا دھوکہ میں آ کر کسی کو دے دیا۔ خواہ محبت کے جوش میں آ کر مفت دے دیا خواہ قرض کے طور پر دے دیا تھا پھر وصول نہ ہوا اور کبھی آبرو کا کہ بُروں کے ساتھ یہ بھی رسوا و بدنام ہوا اور جس شخص میں نہ اچھی علامتیں معلوم ہوں اور نہ بُری علامتیں اس پر گمان تو نیک رکھو مگر اس کی صحبت مت اختیار کرو۔ غرض تجربہ سے نیک صحبت کو دین کے سنوارنے میں اور دل کے مضبوط ہونے میں بڑا دخل ہے اور اسی طرح صحبت بد کو دین کے بگڑنے میں اور دل کے کمزور ہونے میں اب چند آیتیں اور حدیثیں صحبت نیک کی ترغیب میں اور صحبت بد کی مذمت میں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو لوگ (دین کے پکے اور) سچے ہیں ان کے ساتھ رہو۔ (التوبہ آیت ۱۱۹)

ف: ساتھ رہنے میں ظاہری صحبت بھی آ گئی اور ان کی راہ پر چلنا بھی آ گیا۔

۲۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات (اور احکام) میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں (کے پاس بیٹھنے) سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے (یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے) تو (جب یاد آ جاوے) یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ (بلکہ فوراً اُٹھ کھڑا ہو اور اس سے ایک آیت کے بعد ارشاد ہے) اور (کچھ مجلس تکذیب کی تخصیص نہیں بلکہ) ایسے لوگوں سے کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے (اُس) دین کو (جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو) لہو ولعب بنا رکھا ہے۔ الخ (سورۂ انعام آیت ۶۸ تا ۷۰)

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ہم جن لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں ان میں سب سے اچھا کون شخص ہے؟ (کہ اسی کے پاس بیٹھا کریں) آپ نے ارشاد فرمایا ایسا شخص (پاس بیٹھنے کے لیے سب سے اچھا ہے) کہ

جس کا دیکھنا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلا دے اور اس کا بولنا تمہارے علم (دین) میں ترقی دے اور اس کا عمل تم کو آخرت کی یاد دلا دے۔ (ابویعلی)

ف: میں نے جو اوپر نیک شخص کی علامتیں بیان کی ہیں اس حدیث میں ان میں سے بعض بڑی علامتیں مذکور ہیں۔

۴۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (اور یہ بھی احتمال ہے کہ شاید حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو تب بھی حدیث ہی ہے) کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹا تو علما کے پاس بیٹھنے کو اپنے ذمہ لازم رکھنا اور اہل حکمت کی باتوں کو سنتے رہنا (حکمت دین کی باریک باتوں کو کہتے ہیں جیسے سچے درویش کیا کرتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ دل کو نور حکمت سے اس طرح زندہ کر دیتے ہیں جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار پانی سے زندہ کر دیتے ہیں۔ (طبرانی فی الکبیر)

۵۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ایسے لوگوں کے لیے واجب (یعنی ضروری الثبوت) ہو گئی جو میرے ہی علاقے سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو میرے ہی علاقے سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں۔ الخ

ف: یہ جو فرمایا میرے علاقے سے مطلب یہ کہ محض دین کے واسطے۔

۶۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک ہم نشین اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص مشک لیے ہوئے ہو (یہ مثال ہے نیک صحبت کی) اور ایک شخص بھٹی کو دھونک رہا ہو (یہ مثال ہے بد صحبت کی) سو وہ مشک والا یا تو تجھ کو دے دیگا اور یا (اگر نہ بھی دے تو) اس سے تجھ کو خوشبو ہی پہنچ جاوے گی اور بھٹی کا دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا (اگر کوئی چنگاری آ پڑی) اور یا (اگر اس سے بچ بھی گیا تو) اس کی گندی بو ہی تجھ کو پہنچ جاوے گی۔ (بخاری مسلم)

ف: یعنی نیک صحبت سے اگر کامل نفع نہ ہو تب بھی کچھ تو ضرور ہو جاوے گا اور بد صحبت سے اگر کامل ضرر نہ ہو تب بھی کچھ تو ضرور ہو جاوے گا۔ (یہ سب حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں)

۷۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ کسی کی صحبت اختیار مت کرو بجز ایمان والے کے۔ (ترمذی ابوداؤد، دارمی)

ف: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کافر کی صحبت میں مت بیٹھو دوسرا یہ کہ جس کا ایمان کامل نہ ہو اس کے پاس مت بیٹھو۔ پس پورا قابلِ صحبت وہ ہے جو مومن ہو خاص جو مومن کامل ہو یعنی دین کا پورا پابند ہو۔

۸۔ حضرت ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں جو اس دین کا (بڑا) مدار ہے جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہو ایک تو اہل ذکر کی مجالس کو مضبوط پکڑ لو (اور دوسرے) جب تنہا ہوا کرو جہاں تک ممکن ہو ذکر اللہ کے ساتھ زبان کو متحرک رکھو (اور تیسرے) اللہ ہی کے لیے محبت رکھو اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھو۔ الخ (بیہقی فی شعب الایمان)

ف: یہ بات تجربہ سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحبت نیک جڑ ہے تمام دین کی۔ دین کی حقیقت، دین کی حلاوت، دین کی قوت کے جتنے ذریعے ہیں سب سے بڑھ کر ذریعہ ان چیزوں کا صحبت نیک ہے۔

۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے فرمایا کہ جنت میں یاقوت کے ستون ہیں ان پر زبرجد کے بالا خانے قائم ہیں ان میں کھلے ہوئے دروازے ہیں جو تیز چمکدار ستارہ کی طرح چمکتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان بالا خانوں میں کون رہے گا؟ آپ نے فرمایا جو لوگ اللہ کے لیے (یعنی دین کے لیے) آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو اللہ کے لیے آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔

۱۰۔ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے ساتھ نہ سکونت کرو اور نہ ان کے ساتھ یکجائی کرو (یعنی ان کی مجلس

میں مت بیٹھو) جو شخص ان کے ساتھ سکونت کریگا یا یکجائی کرے گا وہ انہی میں سے ہے (ترمذی) یہ حدیث جمع الفوائد سے لی گئی ہے ان سب آیتوں و حدیثوں سے مدعا کے ایک جزو کا ثابت ہونا ظاہر ہے۔ یعنی نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا تا کہ ان سے اچھی باتیں سنیں اور ان سے اچھی خصلتیں سیکھیں۔ اب مدعا کا دوسرا جزو رہ گیا یعنی جو نیک لوگ گذر گئے ہیں، کتابوں سے ان کے اچھے حالات معلوم کرنا کہ اس سے بھی ویسے ہی فائدے حاصل ہوتے ہیں جیسے ان کے پاس بیٹھنے سے۔ آگے اس دوسرے جزو کا بیان کرتے ہیں۔

۱۱۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے (یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اور حضرت ہود علیہ السلام کا اور حضرت صالح علیہ السلام کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور حضرت لوط علیہ السلام کا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا، یہ سب قصے) آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ (سورۂ ہود۔ آیت ۱۲۰)

ف: یہ ایک فائدہ ہے نیکوں کے قصوں کے بیان کرنے کا کہ ان سے دل کو مضبوطی اور تسلی ہوتی ہے کہ جیسے وہ حق پر مضبوط رہے ہم کو بھی مضبوط رہنا چاہیے۔ اور جس طرح اس مضبوطی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اسی طرح اس مضبوطی پر ہماری بھی مدد ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی (یہاں) دنیاوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور (وہاں) اس روز بھی (مدد کریں گے) جس میں گواہی دینے والے (فرشتے) کھڑے ہوں گے (مراد اس سے قیامت کا دن ہے) (سورہ مومن آیت ۵۱) اور وہاں کی مدد تو ظاہر ہے کہ حکم ماننے والے ظاہر میں بھی کامیاب ہوں گے اور بے حکمی کرنے والے ناکام ہوں گے اور یہاں کی مدد کبھی تو اسی طرح کی ہوتی ہے اور کبھی دوسری طرح ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اول بے حکموں کو حکم ماننے والوں پر غلبہ ہو گیا مگر من جانب اللہ کسی وقت ان سے بدلہ ضرور لیا گیا۔ چنانچہ تاریخ بھی اس کی گواہ ہے (تفسیر ابن کثیر) اور ان قصوں سے یوں بھی تسلی ہوتی ہے کہ جیسے دین پر مضبوط رہنے پر آخرت میں وہ بڑھے رہیں گے جس کی خبر کئی قصوں کے بعد اس ارشاد میں دی گئی ہے یقیناً نیک انجام متقیوں ہی کے لیے

ہے (سورہ ھود) اسی طرح ہم سے بھی اس بڑھے رہنے کا وعدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ متقی ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ (کی حالت) میں ہوں گے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۲)

۱۲۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص (ہمیشہ کے لیے) کوئی طریقہ اختیار کرنے والا ہو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو گذر چکے ہیں کیونکہ زندہ آدمی پر تو پھسل جانے کا بھی شبہ ہے (اس لیے زندہ آدمی کا طریقہ اسی وقت تک اختیار کیا جاسکتا ہے جب تک وہ راہ پر رہے) یہ لوگ (جن کا ہمیشہ کے لیے طریقہ لیا جاسکتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں (اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ) جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق وعادات کو سند بناؤ۔ (رزین) (جمع الفوائد)

ف: اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کے اخلاق وعادات کا اختیار کرنا تب ہی ممکن ہے جب ان کے واقعات معلوم ہوں تو ایسی کتابوں کا پڑھنا سننا ضروری ٹھہرا۔

۱۳۔ جس طرح قرآن مجید میں حضرات انبیاء وعلماء واولیاء کے قصے بمصلحت ان کی پیروی کرنے کے مذکور ہیں (جو اس ارشاد میں مذکور ہے فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِہْ) (الانعام آیت ۹۱)

اسی طرح حدیثوں میں بھی ان مقبولین کے قصے بکثرت مذکور ہیں چنانچہ حدیث کی اکثر کتابوں میں کتاب القصص ایک مستقل حصہ قرار دیا گیا ہے۔

اس سے بھی ایسے قصوں کا مفید اور قابل اشتغال ہونا ثابت ہوتا ہے اسی وجہ سے بزرگوں نے ہمیشہ ایسے قصوں کی کتابیں لکھنے کا اہتمام رکھا ہے۔

اب میں ایسی چند کتابوں کے نام بتلاتا ہوں کہ ان کو پڑھا کریں یا سُنا کریں اگر سنانے والا عالم مل جاوے تو سُبحان اللہ ورنہ جو مل جاوے، ۱۔ تاریخ حبیب الٰہ، ۲۔ نشر الطیب ، ۳۔ مغازی الرسول، ۴۔ قصص الانبیاء، ۵۔ مجموعہ فتوح الشام والمصر والعجم، ۶۔ فتوح العراق، ۷۔ فتوحاتِ بھنسا، ۸۔ فردوس آسیہ، ۹۔ حکایات الصالحین، ۱۰۔ تذکرۃ الاولیاء، ۱۱۔ انوار المحسنین، ۱۲۔ نزہۃ البساتین، ۱۳۔ امداد المشتاق، ۱۴۔ نیک بیبیاں۔

نوٹ: ان میں ۱۱، ۱۲، ۱۳ میں بعض مضامین اور نمبر ۱۴ کا حصہ ملفوظات عام لوگوں کی سمجھ میں شاید نہ آویں، وہ ان سے اپنا ذہن خالی رکھیں۔ (اشرف علی تھانوی)

رُوح ہشتم

(اور یہ مضمون اگر چہ روح ہفتم کے دوسرے حصہ کا تتمہ ہے مگر ایک تو وہ حصہ خود ہی مستقل تھا دوسرے یہ تتمہ بوجہ شاندار ہونے کے مثل مستقل کے ہے، اس لیے اس کو جداگانہ نمبر بنایا گیا۔۱۲)

سیرت نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

جو شعر ہذا کا مصداق ہے۔

فتوح فی فتوح فی فتوح　　　وروح فوق روح فوق روح

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کو اپنے دل میں جمانا جس سے آپ کی محبت بھی بڑھے اور جس سے اُن عادات کو اختیار کرنے کا بھی شوق ہو۔ اب چند آیتیں اور حدیثیں اس باب کی لکھتا ہوں۔

❶۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور بے شک آپ اخلاقِ (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

(سورۂ نٓ، آیت ۴)

❷۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری (سب کی) مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں (بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ (تو) بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔ (سورۂ توبہ، آیت ۱۲۸)

❸۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اُٹھ کر چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتے۔ (سورۂ احزاب، آیت ۵۳)

ف: کیا انتہا ہے آپ کی مروّت کا کہ اپنے غلاموں کو بھی یہ فرماتے ہوئے شرماتے تھے کہ اب اپنے کاموں میں لگو اور یہ لحاظ اپنے ذاتی معاملات میں تھا اور احکام کی تبلیغ میں نہ تھا۔ یہ آیتیں تھیں آگے حدیثیں ہیں۔

❶ ۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی، آپ نے کبھی مجھ کو اُف بھی نہ کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلانا کام کیوں کیا اور فلانا کام کیوں نہیں کیا۔(بخاری ومسلم)

ف: ہر وقت کے خادم کو دس برس کے عرصہ تک ہوں سے ہاں نہ فرمانا یہ معمولی بات نہیں، کیا اتنے عرصہ تک کوئی بات بھی خلافِ مزاجِ لطیف نہ ہوئی ہوگی!

❷ ۔ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر خوش خلق تھے۔آپ نے مجھ کو ایک دن کسی کام کے لیے بھیجا۔میں نے کہا میں تو نہیں جاتا اور دل میں یہ تھا کہ جہاں حکم دیا ہے وہاں جاؤں گا (یہ بچپن کا اثر تھا) میں وہاں سے چلا تو بازار میں چند کھیلنے والے لڑکوں پر گزرا اچانک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیچھے سے (آ کر) میری گردن پکڑ لی۔میں نے آپ کو دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔آپ نے فرمایا تم تو جہاں میں نے کہا تھا جا رہے ہو۔میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ میں جا رہا ہوں۔(مسلم)

❸ ۔ان ہی سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ کے بدنِ مبارک پر ایک نجران کا بنا ہوا موٹی کنی کا چادرہ تھا۔آپ کو ایک بدوی ملا اور اس نے آپ کو چادرہ پکڑ کر بڑی زور سے کھینچا اور آپ اس کے سینہ کے قریب جا پہنچے۔پھر کہا اے محمد میرے لیے بھی اللہ کے اس مال میں سے دینے کا حکم دو جو تمہارے پاس ہے۔آپ نے اس کی طرف التفات فرمایا پھر ہنسے پھر اس کے لیے عطا فرمانے کا حکم دیا۔(بخاری ومسلم)

❹ ۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی جس پر آپ نے یہ فرمایا ہو کہ نہیں دیتا (اگر ہوا دے دیا ورنہ اس وقت معذرت اور دوسرے وقت کے لیے وعدہ فرما لیا)۔(بخاری ومسلم)

❺ ۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکریاں مانگیں جو (آپ ہی کی تھیں اور) دو پہاڑوں کے درمیان پھر رہی تھیں۔آپ نے اس کو سب دیدیں، وہ اپنی قوم میں آیا اور کہنے لگا اے قوم! مسلمان ہو جاؤ واللہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب دیتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے سے بھی اندیشہ نہیں کرتے۔(مسلم)

❻ ۔حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے جب کہ آپ مقامِ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ آپ کو بدوی لوگ لپٹ گئے اور آپ سے مانگ رہے تھے یہاں تک کہ آپ کو ایک ببول کے درخت سے اڑا دیا اور آپ کا چادرہ بھی چھین لیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرا چادرہ تو دے دو اگر میرے پاس ان درختوں کی گنتی کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں سب تم میں تقسیم کر دیتا پھر تم مجھ کو نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ تھوڑے دل کا۔(بخاری)

❼ ۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ چکتے مدینہ (والوں) کے غلام اپنے برتن لاتے جن میں پانی ہوتا تھا۔ سو جو برتن بھی پیش کرتے آپ (برکت کے لیے) اس میں اپنا دستِ مُبارک ڈال دیتے۔ بعض اوقات سردی کی صبح ہوتی تب بھی اپنا دست مبارک پانی میں ڈال دیتے۔(مسلم)

❽ ۔ان ہی سے راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت مزاج نہ تھے اور نہ کوسنا دینے والے تھے۔ کوئی بات عتاب کی ہوتی تو یوں فرماتے فلانے شخص کو کیا ہو گیا۔

اس کی پیشانی کو خاک لگ جاوے (جس سے کوئی تکلیف ہی نہیں خصوص اگر سجدہ میں لگ جاوے تب تو یہ دُعا ہے نمازی ہونے کی اور نماز میں خاصیت ہے بُری باتوں سے روکنے کی تو یہ اصلاح کی دُعا ہوئی۔)۔(بخاری)

❾ ۔حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر شرمگین تھے کہ کنواری لڑکی جیسے اپنے پردہ میں ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ۔ سو جب کوئی بات ناگوار دیکھتے تھے تو (شرم کے سبب زبان سے نہ فرماتے مگر) ہم لوگ اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک میں دیکھتے تھے۔(بخاری و مسلم)

❿ ۔حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر کے اندر کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے کہا اپنے گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے (جس کی کچھ مثالیں اگلی حدیث میں آتی ہیں)۔(بخاری)

⑪۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کر لیتے تھے جس طرح تم میں معمولی آدمی اپنے گھر میں کام کر لیتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی کہا کہ آپ منجملہ بشر کے ایک بشر تھے (گھر کے اندر مخدوم اور ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے) اپنے کپڑے میں جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ شاید کسی کی چڑھ گئی ہو کیونکہ آپ اس سے پاک تھے) اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ (یہ مثالیں ہیں گھر کے کام کی کیونکہ رواج میں یہ کام گھر والوں کے کرنے کے ہوتے ہیں) اور اپنا (ذاتی) کام بھی کر لیتے تھے۔ (ترمذی)

⑫۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا اور نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، ہاں راہِ خدا میں جہاد اس سے مستثنیٰ ہے (مراد وہ مارنا ہے جیسے غصہ کے جوش میں عادت ہے) اور آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی جس میں آپ نے اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں کسی چیز کا ارتکاب کرتا تو اس وقت آپ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔ (مسلم) کذا فی الصراح معنی الانتھاک ۱۲

⑬۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا اس وقت آپ کی خدمت میں آ گیا تھا اور دس برس تک میں نے آپ کی خدمت کی۔ میرے ہاتھوں کوئی نقصان بھی ہو گیا تو آپ نے کبھی ملامت نہیں کی۔ اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت بھی کی تو آپ فرماتے جانے دو۔ اگر کوئی (دوسری) بات مقدر ہوتی تو وہی ہوتی۔

⑭۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال بیان کرتے تھے کہ آپ مریض کی بیمار پُرسی فرماتے تھے اور جنازہ کے ساتھ جاتے تھے۔ الخ (ابن ماجہ، بیہقی)

⑮۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ فرماتے تو آپ اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں سے خود نہ نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکال لیتا تھا، اور نہ اپنا منہ اس کے منہ کی طرف سے پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی

اپنا منہ آپ کی طرف سے پھیر لیتا تھا اور آپ کبھی اپنے پاس بیٹھنے والے کے سامنے اپنے زانو کو بڑھائے ہوئے نہیں دیکھے گئے (بلکہ صف میں سب کے برابر بیٹھتے تھے) ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ زانو سے مراد پاؤں ہوں یعنی آپ کسی کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے تھے۔ (ترمذی)

16 و 17 شمائل ترمذی باب تواضع و باب خلق میں دو لمبی حدیثیں ہیں ان سے بعضے جملے نقل کرتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے مکان میں تشریف لے جاتے تو مکان میں رہنے کے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے، ایک حصہ اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے اور ایک حصہ اپنی ذات خاص کے لیے۔ پھر اپنے خاص حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان اِسطرح پر تقسیم فرماتے کہ اس حصہ (کے برکات) کو اپنے خاص اصحاب کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچاتے (یعنی اس حصہ میں خاص حضرات کو استفادہ کے لیے اجازت تھی پھر وہ عام لوگوں تک ان علوم کو پہنچاتے) اور اس مذکورہ حصہ امت میں آپ کی عادت یہ تھی کہ اہل فضل (یعنی اہل علم وعمل) کو (حاضری کی) اجازت دینے میں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے اور اس وقت کو ان پر بقدر ان کی دینی فضیلت کے تقسیم کرتے تھے کیونکہ کسی کو ایک ضرورت ہوئی کسی کو دو ضرورتیں ہوئیں کسی کو کئی ضرورتیں ہوئیں آپ (اسی نسبت سے) اُن کے ساتھ مشغول ہوتے اور ان کو بھی ایسے کام میں مشغول رکھتے جس میں ان کی اور امت کی مصلحت ہو۔ جیسے مسئلہ پوچھنا اور مناسب حالات کی اطلاع دینا اور آپ کے سب طالب ہو کر آتے اور (علاوہ علمی فوائد کے) کچھ کھا پی کر واپس جاتے اور دین کے ہادی بن کر نکلتے۔ (یہ رنگ تھا مجلسِ خاص کا) پھر میں نے اپنے باپ سے آپ کے باہر تشریف لانے کی بابت پوچھا۔ (انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی جس کو میں اُنہی کی دوسری حدیث سے نقل کرتا ہوں)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت کشادہ رو، نرم خو، نرم مزاج تھے۔ آپ کے سامنے لوگ آپس میں جھگڑتے نہ تھے اور جب آپ کے روبرو کوئی بات کرتا اس کے فارغ ہونے تک آپ خاموش رہتے اور آپ پردیسی

آدمی کی گفتگو اور سوال میں بے تمیزی کرنے پر تحمل فرماتے تھے اور کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے، یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھنے لگتا تب اس کو کاٹ دیتے خواہ منع فرما کر، یا اُٹھ کر چلے جانے سے (یہ رنگ تھا مجلس عام کا) یہ برتاؤ تو اپنے تعلق والوں سے تھا اور مخالفین کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کا بھی کچھ بیان کرتا ہوں۔

⑱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی موقع پر آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ مشرکین پر بدعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا میں کوسنے والا کر کے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم)

ف: اس لیے آپ کی عادت دشمنوں کے لیے بھی دُعائے خیر ہی کرنے کی تھی اور کبھی کبھار اپنے مالک حقیقی سے فریاد کے طور پر کچھ کہہ دینا کہ ان کی شرارت سے آپکی حفاظت فرمادے یہ اور بات ہے۔

⑲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک لمبا قصہ طائف کا منقول ہے جس میں آپ کو کفار کے ہاتھ سے اس قدر اذیت پہنچی جس کو آپ نے جنگِ اُحد کی تکلیف سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پہاڑوں کے فرشتہ سے ملایا اور اس نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا اے محمد! میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ مجھ کو حکم دیں اگر آپ چاہیں تو میں دونوں پہاڑوں کو ان لوگوں پر لا ملاؤں (جس میں یہ سب پس جاویں)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ میں اُمید کرتا ہوں کہ (شاید) اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

ف: دیکھئے اگر اس وقت ہاتھ سے بدلہ لینے کا موقع نہ تھا تو زبان سے کہنا تو آسان تھا خصوصاً جب آپ کو یہ بھی یقین دلایا گیا کہ زبان ہلاتے ہی سب تہس نہس کر دیئے جاویں گے مگر آپ نے پھر بھی شفقت ہی سے کام لیا۔

یہ برتاؤ ان مخالفین سے تھا جو آپ کے مدِ مقابل تھے بعضے مخالفین آپ کی رعایا تھے جن پر باضابطہ بھی قدرت تھی۔ ان کے ساتھ بھی برتاؤ سنئے۔

⑳ ۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبا قصہ منقول ہے جس میں کسی یہودی کا جو کہ مسلمانوں کی رعیت ہو کر مدینہ میں آباد تھا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمہ کچھ قرض تھا اور اس نے ایک بار آپ کو اس قدر تنگ کیا کہ ظہر سے اگلے دن صبح تک آپ کو مسجد سے گھر بھی نہیں جانے دیا۔لوگوں کے دھمکانے پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو معاہد اور غیر معاہد پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اسی قصہ میں ہے کہ جب دن چڑھا تو یہودی نے کہا اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَشھَدُ اَنَّکَ رَسُولُ اللہِ اور یہ بھی کہا کہ میں نے تو یہ سب اس لیے کیا تھا کہ آپ کی صفت جو توراۃ میں ہے کہ محمد عبداللہ کے بیٹے ہیں آپ کی پیدائش مکہ میں ہے اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے اور سلطنت شام میں ہوگی (چنانچہ بعد میں ہوئی) اور آپ نہ سخت خو ہیں، نہ درشت مزاج ہیں، نہ بازاروں میں شوروغل کرنے والے ہیں اور نہ بے حیائی کا کام، نہ بے حیائی کی بات آپ کی وضع ہے۔مجھ کو اس کا دیکھنا تھا (کہ دیکھوں آپ وہی ہیں یا نہیں سو دیکھ لیا آپ وہی ہیں) اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَشھَدُ اَنَّکَ رَسُولُ اللہِ الخ (بیہقی)

بجز دو حدیثوں کے جن میں شمائل کا نام ہے باقی سب حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں۔

مشورہ: اگر ان ہی تھوڑی سی حدیثوں کو روزمرہ ایک ہی بار پڑھ لیا کرو یا سن لیا کرو۔تو پھر دیکھ لو گے تم کیسی جلدی اپنے آپ میں تبدیلی محسوس کرو گے۔

رُوحِ نہم

مسلمانوں کے حقوق کا خاص خیال رکھ کر ادا کرنا

آیت: فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ایمان والے (سب آپس میں ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہیں۔ (آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو نہ مَردوں کو مَردوں پر ہنسنا چاہیے۔ (آگے ارشاد ہے) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے۔ یعنی جس سے دوسرے کی تحقیر ہو آگے فرماتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو۔ (الحجرات۔ آیت ۱۱) (آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیوں کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔ (الحجرات، آیت ۱۲)

احادیث: ۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمانوں کو (بلا وجہ) بُرا بھلا کہنا بڑا گناہ ہے اور ان سے بلا وجہ لڑنا قریب کفر کے ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص (لوگوں کے عیوب پر نظر کر کے اور اپنے کو عیوب سے بَری سمجھ کر بطور شکایت کے) یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے (کہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے)۔ (مسلم)

۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ چغل خور (قانوناً بدونِ سزا) جنت میں نہ جاوے گا۔ (بخاری و مسلم)

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز سب سے بدتر (حالت میں) اس شخص کو پاؤ گے جو دو رویہ ہو یعنی جو ایسا ہو کہ اِن کے منہ پر ان جیسا، اُن کے منہ پر اُن جیسا۔ (بخاری و مسلم)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ) اپنے بھائی (مسلمان) کا ایسے طور پر ذکر کرنا کہ (اگر اس کو خبر ہو تو) اس کو ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا کہ یہ بتلائیے کہ اگر میرے (اس) بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں (یعنی اگر میں سچی بُرائی کرتا ہوں) آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تب تو تُو نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تو کہتا ہے تو تُو نے اس پر بہتان باندھا۔ (مسلم)

٦۔ حضرت سفیان بن اسد حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) کو کوئی ایسی بات کہے وہ اسمیں تجھ کو سچا سمجھ رہا ہے اور تو اسمیں جھوٹ کہہ رہا ہے۔ (ابوداؤد)

۷۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کو کسی گناہ سے عار دلاوے اس کو موت نہ آوے گی جب تک کہ وہ خود اُس گناہ کو نہ کرے گا۔ (یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے اگر کسی خاص وجہ سے ظہور نہ ہو اور بات ہے اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے کا کچھ ڈر نہیں)۔ (ترمذی)

۸۔ حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی (کسی) دنیوی یا دینی بُری حالت پر خوشی مت ظاہر کر، کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمادے اور تجھ کو مبتلا کردے۔ (ترمذی)

۹۔ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندگانِ خدا میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلواتے ہیں۔ الخ (احمد وبیہقی)

١٠۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے نہ (خواہ مخواہ) بحث کیا کر اور نہ اس سے (ایسی) دل لگی کر (جو اس کو ناگوار ہو) اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جس کو تو پورا نہ کرے۔ (ترمذی)

ف: البتہ اگر کسی عذر کے سبب پورا نہ کرسکے تو معذور ہے، چنانچہ حضرت زید بن ارقم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس وقت وعدہ پورا کرنے کی نیت تھی مگر پورا نہیں کر سکا اور (اگر آنے کا وعدہ تھا تو) وقت پر نہ آ سکا (اس کا یہی مطلب ہے کہ کسی عذر کے سبب ایسا ہو گیا) تو اس پر گناہ نہ ہوگا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

۱۱۔ حضرت عیاض مجاشعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو۔ یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے (کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے)۔ (مسلم)

۱۲۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم)

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور غریبوں کے کاموں میں سعی کرے وہ (ثواب میں) اس شخص کے مثل ہے جو جہاد میں سعی کرے۔ (بخاری و مسلم)

۱۴۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کو اپنے ذمہ رکھ لے خواہ وہ یتیم اس کا (کچھ لگتا) ہو اور خواہ غیر کا ہو ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی اُنگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی کر دیا کیونکہ نبی اور غیر نبی میں فرق تو ضروری ہے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں رہنا کیا تھوڑی بات ہے۔ (بخاری)

۱۵۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی محبت اور باہمی شفقت میں ایسا دیکھو گے جیسے (جاندار) بدن ہوتا ہے کہ جب اس کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بدخوابی اور بیماری میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱۶۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کے پاس کوئی سائل یا کوئی صاحب حاجت آتا تو آپ (صحابہ

سے) فرماتے کہ تم سفارش کر دیا کرو تم کو ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے حکم دے (یعنی میری زبان سے وہی نکلے گا جو اللہ تعالیٰ کو دلوانا ہوگا مگر تم کو مفت کا ثواب مل جاوے گا اور یہ اس وقت ہے جب جس سے سفارش کی جاوے اس کو گرانی نہ ہو جیسا یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا)۔ (بخاری و مسلم)

۱۷۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ وہ مظلوم ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی صورت میں تو مدد کروں مگر ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو ظلم سے روک دے یہی تمہاری مدد کرنا ہے اس ظالم کی۔ (بخاری و مسلم)

۱۸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کریگا۔ (بخاری و مسلم)

۱۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا آدمی کے لیے یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھے (یعنی اگر کسی میں یہ بات ہو اور کوئی شر کی بات نہ ہو تب بھی اس میں شر کی کمی نہیں)۔ مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو (یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز ہے نہ اس کے مال کا نقصان کرنا اور نہ اس کی آبرو کو کوئی صدمہ پہنچانا مثلاً اس کا عیب کھولنا، اس کی غیبت کرنا وغیرہ۔ (مسلم)

۲۰۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ (پورا) ایماندار نہیں بنتا یہاں تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کیلئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲۱۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں نہ جاوے گا جس کا پڑوسی اُس کے خطرات سے مطمئن نہ ہو (یعنی اس سے اندیشہ ضرر کا لگا رہے)۔ (مسلم)

۲۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے اور نیک کام کی نصیحت نہ کرے اور بُرے کام سے منع نہ کرے (کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلا دیا کرے مگر نرمی اور تہذیب سے)۔ (ترمذی)

۲۳۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہو اور وہ اس کی حمایت پر قادر ہو اور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی حمایت فرماوے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرماوے گا۔ (شرح السنہ)

۲۴۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی کا) کوئی عیب دیکھے پھر اس کو چھپائے (یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے) تو وہ (ثواب میں) ایسا ہوگا جیسے کسی نے زندہ درگور لڑکی کی جان بچالی (کہ قبر سے اس کو زندہ نکال لیا)۔ (احمد و ترمذی)

۲۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ پس اگر اس (اپنے بھائی) میں کوئی گندی بات دیکھے تو اس سے (اس طرح) دور کردے (جیسے آئینہ داغ، دھبہ چہرہ کا اس طرح صاف کردیتا ہے کہ صرف عیب والے پر تو ظاہر کردیتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح اس شخص کو چاہیے کہ اس کے عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کردے فضیحت نہ کرے)۔ (ترمذی)

۲۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو۔ (یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کرو سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو)۔ (ابوداؤد)

۲۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے وہ شخص (پورا) ایماندار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا رہے۔ (بیہقی)

۲۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن الفت (اور لگاؤ) کا محل (اور خانہ) ہے اور اس شخص میں خیر نہیں جو کسی سے نہ خود الفت رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے، یعنی سب سے روکھا اور الگ رہے، کسی سے میل ہی نہ ہو۔ باقی دین کی حفاظت کے لیے کسی سے تعلق نہ رکھنا یا کم رکھنا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (احمد و بیہقی)

۲۹۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اُمت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے صرف اس نیت سے کہ اس کو مسرور (اور خوش) کرے سو اس شخص نے مجھ کو مسرور کیا اور جس نے مجھ کو مسرور کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (بیہقی)

۳۰۔ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی پریشان حال آدمی کی امداد کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تہتر (۷۳) مغفرت لکھے گا جن میں ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لیے (کافی) ہے اور بہتر (۷۲) مغفرت قیامت کے دن اس کے لیے درجات ہو جاویں گے۔ (بیہقی)

۳۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی مسلمان اپنے بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے یا ویسے ہی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بھی پاکیزہ ہے تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہے تو نے جنت میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔ (ترمذی)

۳۲۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کر دے اس طرح سے کہ دونوں ملیں اور یہ اُدھر کو منہ پھیر لے اور وہ ادھر کو منہ پھیر لے اور ان دونوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پہلے سلام کر لے۔ (بخاری و مسلم)

۳۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی مخفی حالت کی کریدمت کرو نہ اچھی حالت کی نہ بُری حالت کی اور نہ دھوکہ دینے کو کسی چیز کے دام بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو سب بھائی بھائی ہو کر رہو اور ایک روایت میں ہے نہ ایک دوسرے پر رشک کرو۔ (بخاری و مسلم)

۳۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے حقوق مسلمان پر چھ ہیں۔ (اس وقت انہی چھ کے ذکر کا موقع تھا) عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

1. جب اس سے ملنا ہو اس کو سلام کرو اور
2. جب وہ تجھ کو بلاوے تو قبول کرو اور
3. جب تجھ سے خیر خواہی چاہے اس کی خیر خواہی کرو اور
4. جب چھینک لے اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہو اور
5. جب بیمار ہو جاوے اس کی عیادت کرو اور
6. جب مر جاوے اس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ (مسلم)

۳۵۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچاوے یا اس کے ساتھ فریب کرے۔ (ترمذی)

(یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں)

یہ تو عام مسلمانوں کے کثیر الوقوع حقوق ہیں اور خاص اسباب سے اور خاص حالات سے خاص حقوق بھی ہیں جن کو میں نے بقدرِ ضرورت رسالہ حقوق الاسلام میں لکھ دیا ہے سب کے ادا کی خوب کوشش رکھو، کیونکہ اس میں بہت بے پروائی ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔

رُوحِ دہم

اپنی جان کے حقوق ادا کرنا

جس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ہم کو بطور امانت کے دے رکھی ہے۔ اس لیے اس کے حکم کے موافق اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے، دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے، تیسرے اس کی جمعیت کی حفاظت کرے یعنی اپنے اختیارات سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس میں جان میں پریشانی پیدا ہو جاوے کیونکہ ان چیزوں میں خلل آ جانے سے دین کے کاموں کی ہمت نہیں رہتی نیز دوسرے حاجت مندوں کی خدمت اور امداد نہیں کر سکتا نیز کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اس بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ (شعراء، آیت ۸۰)

ف: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو۔

(انفال، آیت ۶۰)

ف: اس میں قوت کی حفاظت کا صاف حکم ہے۔ مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لیے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا جو پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانہ کا ہتھیار تھا اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں اور اس مضمون کا بقیہ حدیث نمبر ۱۳ کے ذیل میں آئے گا۔

۳۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور مال کو بے موقع مت اُڑانا۔ (بنی اسرائیل، آیت ۲۶)

ف: مال کی تنگی سے جان میں پریشانی ہوتی ہے اس پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور

جن امور سے اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو جاوے ان سے بچنے کا تو اور زیادہ حکم ہوگا اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ آگے حدیثیں ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت میں) فرمایا کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری ومسلم)

ف: مطلب یہ کہ زیادہ محنت کرنے سے اور زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہو جائے گی اور آنکھیں آشوب کر آئیں گی۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارہ میں کثرت سے لوگ ٹوٹے میں رہتے ہیں (یعنی ان سے کام نہیں لیتے۔ جس سے دینی نفع ہو) ایک صحت دوسری بے فکری۔ (بخاری)

ف: اس سے صحت اور بے فکری کا ایسی نعمت ہونا معلوم ہوا کہ ان سے دین میں مدد ملتی ہے اور بے فکری اس وقت ہوتی ہے کہ کافی مال پاس ہو اور کوئی پریشانی بھی نہ ہو، تو اس سے افلاس اور پریشانی سے بچے رہنے کی کوشش کرنے کا مطلوب ہونا بھی معلوم ہوا۔

۳۔ حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اور ان کو دین کے کاموں کا ذریعہ بنالو) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو اور صحت کو بیماری سے پہلے اور مالداری کو افلاس سے پہلے اور بے فکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو مرنے سے پہلے۔ (ترمذی)

ف: معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت وقوت ہوتی ہے وہ اور بے فکری زندگی اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

۴۔ حضرت عبیداللہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اس کے پاس اُس دن

کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کے لیے ساری دنیا سمیٹ کر دے دی گئی۔ (ترمذی)

ف: اس سے بھی صح... ...من وعافیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

۵۔ حضرت ابو ہر... ...ی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حلال دنیا کو اس لیے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل وعیال کے (ادائے حقوق کے) لیے کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا۔ الخ (بیہقی وابو نعیم)

ف: معلوم ہوا کہ کسبِ مال کی بقدرِ ضرورت دین بچانے کے لیے اور ادائے حقوق کے لیے بڑی فضیلت ہے۔ اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

۶۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دنیا کی بے رغبتی (جس کا حکم ہے) نہ حلال کو حرام کرنے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے۔ الخ۔ (ترمذی وابن ماجہ)

ف: اس میں صاف بُرائی ہے مال کے برباد کرنے کی کیونکہ اس سے جمعیت جاتی رہتی ہے۔

۷۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاریں اور ہر بیماری کے لیے دوا بھی بنائی۔ سو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا مت کرو۔ (ابوداؤد)

ف: اس میں صاف حکم ہے تحصیلِ صحت کا۔

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کے پاس (غذا حاصل کرنے) آتی ہیں۔ سو اگر معدہ درست ہوا تو وہ رگیں صحت لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہوا تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں۔ (شعب الایمان وبیہقی)

ف: اس میں معدہ کی خاص رعایت کا ارشاد ہے۔

۹۔ حضرت اُم منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ (کھجور) مت کھاؤ۔ تم کو نقاہت ہے پھر میں نے چقندر اور جَو تیار کیا آپ نے فرمایا اے علی اسمیں سے لو یہ تمہارے موافق ہے۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

ف: اس حدیث سے بد پرہیزی کی ممانعت معلوم ہوئی کہ مضرِ صحت ہے۔

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دُعا فرماتے تھے کہ اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بھوک سے، وہ بھوک بُرا ہم خواب ہے۔ الخ (ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ)

ف: مرقاۃ میں طیبی سے پناہ مانگنے کا سبب نقل کیا ہے کہ اس سے قویٰ ضعیف ہوجاتے ہیں اور دماغ پریشان ہوجاتا ہے اس سے صحت و قوت و جمعیت کا مطلوب ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ زیادہ بھوک سے یہ سب فوت ہوجاتے ہیں اور بھوک کی جو فضیلت آئی ہے وہ ایسی ہے جیسے بیماری کی فضیلت آئی ہے۔ اس سے بھوک اور بیماری کا مطلوب التحصیل ہونا لازم نہیں آتا۔

۱۱۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ تیراندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو۔ الخ

(ترمذی و ابن ماجہ و ابوداؤد و دارمی)

ف: سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے جس سے قوت بڑھتی ہے۔

۱۲۔ ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے تیراندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں یا یوں فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

ف: اس سے کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے قوت کی حفاظت کی اور اس کے فوت ہونے کا بیان آیت نمبر ۳ کے ذیل میں گذر چکا ہے اور ان دو حدیثوں کے اس مضمون کا بقیہ اگلی حدیث کے ذیل میں آتا ہے۔

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مؤمن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں سب میں خوبی ہے۔ الخ (مسلم)

ف: جب قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں اُن سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا۔ اس میں غذا کا بہت کم کر دینا، نیند کا بہت کم کر دینا، ہم بستری میں حدِ قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جائے یا بد پرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے یا جلدی نہ جاوے یہ سب داخل ہو گئے، ان سب سے بچنا چاہئے۔ اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے ان کی مشق کرنا یہ سب داخل ہے مگر حدِ شرع وحدِ قانون سے باہر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے جمعیت وراحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

۱۴۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔ (مالک وترمذی وابوداؤد ونسائی)

ف: یہ اس وقت تھا جب کہ اِکے دُکے کو دشمن کا خطرہ تھا، اس سے ثابت ہے کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

۱۵۔ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو گھاٹیوں میں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے (اس لیے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو)۔ سو اس کے بعد جس منزل پر اُترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آ جائے۔ (ابوداؤد)

ف: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

۱۶۔ حضرت ابو السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے)

اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا، لمبی حدیث ہے۔ (مسلم)

ف: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لیے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریکِ سواری تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ کی طرف سے پیادہ چلیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں۔ (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ پیادہ چلنے کی بھی عادت رکھے زیادہ آرام طلب نہ ہو۔

۱۸۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

ف: اس میں بھی وہی بات ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور ننگے پاؤں چلنا اس سے زیادہ۔

۱۹۔ حضرت ابن ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تنگی سے گزر کرو اور موٹا چلن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو۔ (جمع الفوائد از کبیر و اوسط)

ف: اس میں کئی مصلحتیں ہیں مضبوطی و جفاکشی و آزادی۔

۲۰۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو سہار نہ سکے اس کا سامنا کرے۔ (تیسیر از ترمذی)

ف: یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ اس میں تمام وہ کام آ گئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں بلکہ اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظام کر دیں، خواہ تم کو انتظام کی اجازت دے

دیں اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دُور ہو۔

یہ تین آیتیں ہیں اور بیس حدیثیں جن میں بجز دو اخیر کے کہ اُن کے ساتھ کتاب کا نام لکھا ہے باقی سب مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔

نوٹ: (الف) ان آیات واحادیث سے صحت وقوت وجمعیت یعنی امن وعافیت وراحت کا مطلوب ہونا صاف صاف ظاہر ہے جس کی تقریر جابجا کر دی گئی۔

(ب) جو افعال مقاصدِ مذکورہ میں خلل انداز ہوں اگر وہ مقاصد واجب ہوں اور خلل یقینی اور شدید ہے تو وہ افعال حرام ہیں ورنہ مکروہ۔

(ج) اگر بدون بندہ کے اختیار کے محض من جانب اللہ ایسے واقعات پیش آویں جن سے یہ مقاصد صحت وقوت وطمانیت وغیرہا برباد ہو جاویں تو پھر ان مصائب پر ثواب ملتا ہے اور مددِ غیبی بھی ہوتی ہے پریشانی نہیں ہوتی۔

اس لیے ان پر صبر کرے اور خوش رہے انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام سب کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے جس سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔

روح یازدہم

نماز کی پابندی کرنا

کچھ آیتیں اور زیادہ حدیثیں اس بارہ میں نقل کرتا ہوں۔

آیات: ۱۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی صفات میں فرمایا اور وہ لوگ نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں۔ (شروع سورۂ بقرہ)

ف: اس میں اچھی طرح پڑھنا اور وقت پر پڑھنا اور ہمیشہ پڑھنا سب آ گیا۔

۲۔ اور نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو۔ (ربع الم آیت ۴۳)

ف: ایسے الفاظ سے نماز کا حکم قرآنِ مجید میں بہت ہی کثرت سے جابجا آیا ہے۔

۳۔ اے ایمان والو! (طبیعتوں میں سے) غم ہلکا کرنے کے (بارہ میں) صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) لو۔ (شروع سیقول، آیت ۱۵۳)

ف: اس میں نماز کی ایک خاص خاصیت مذکور ہے جس کی ہر شخص کو ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ محافظت کرو سب نمازوں کی (اور اسی کے اخیر میں فرمایا) پھر اگر تم کو (باقاعدہ نماز پڑھنے میں کسی دشمن وغیرہ کا) اندیشہ ہو تو تم کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے (جس طرح بن سکے، خواہ قبلہ کی طرف بھی منہ نہ ہو اور گو رکوع اور سجدہ صرف اشارہ ہی سے ممکن ہو) پڑھ لیا کرو (اس حالت میں بھی اس پر محافظت رکھو اس کو ترک مت کرو۔) (قریب ختم سیقول آیت ۲۳۹)

ف: غور کرو کس قدر تاکید ہے نماز کی کہ ایسی سخت حالت میں بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں!

۵۔ (اگر دشمن کے مقابلہ کے موقع پر اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جاویں گے تو دشمن موقع پا کر حملہ کر بیٹھے گا تو (ایسی حالت میں یوں چاہئے کہ (جماعت کے دو گروہ ہو جاویں پھر) ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ (جب آپ تشریف رکھتے تھے اور آپ کے بعد جو امام ہو اس کے ساتھ نماز میں) کھڑے ہو جاویں (اور دوسرا گروہ نگہبانی کے لیے دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے تاکہ دشمن کو دیکھتا رہے، آگے ارشاد ہے کہ) پھر

جب یہ لوگ (آپ کے ساتھ) سجدہ کر چکیں (یعنی ایک رکعت پوری کرلیں) تو یہ لوگ نگہبانی کے لیے آپ کے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی (یعنی شروع بھی نہیں کی وہ بجائے اس پہلے گروہ کے امام کے قریب) آ جاوے اور آپ کے ساتھ نماز (کی ایک رکعت جو باقی رہی اس کو) پڑھ لیں۔

(یہ تو ایک ایک رکعت ہوئی اور دوسری رکعت اس طرح پڑھیں گے کہ جب امام دو رکعت پر سلام پھیر دے دونوں گروہ اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لیں اور اگر امام چار رکعت پڑھے تو ہر گروہ کو دو دو رکعت پڑھاوے اور دو دو اپنے طور پر پڑھ لیں اور مغرب میں ایک گروہ کو دو رکعت پڑھاوے اور ایک گروہ کو ایک رکعت۔ (النساء)

ف: غور کرو نماز کس درجہ ضروری چیز ہے کہ ایسی کشاکشی میں بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں دی گئی مگر ہماری مصلحت کے لیے اس کی صورت بدل دی۔

٦۔ اے ایمان والو! جب تم نماز کو اُٹھنے لگو (آگے وضو اور غسل کا حکم ہے پھر ارشاد ہے کہ) اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو آگے اور عذروں کا بیان ہے جن میں پانی نہ ملنے کی بھی ایک صورت ہے) تو (ان سب میں) تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔ (شروع سورۂ مائدہ آیت ٦)

ف: دیکھو بیماری میں اگر پانی سے نقصان ہو یا پانی نہ ملتا ہو تب تو وضو اور غسل کی جگہ تیمم ہو گیا۔ ایسے ہی نماز میں آسانی ہو گئی کہ اگر کھڑا ہونا مشکل ہو تو بیٹھنا جائز ہو گیا۔ اگر بیٹھنے سے بھی تکلیف ہو تو لیٹنا جائز ہو گیا۔ لیکن نماز معاف نہیں ہوئی۔

۷۔ (شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی وجہ میں یہ بھی فرمایا) اور شیطان یوں چاہتا ہے کہ اس شراب اور جوئے کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے (جو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کا سب سے افضل طریقہ ہے) تم کو باز رکھے۔ (شروع واذا سمعوا، آیت ۹۱)

ف: دیکھو نماز کی کس قدر شان ظاہر ہوتی ہے کہ جو چیز اس سے روکنے والی تھی اس کو حرام کر دیا تاکہ نماز میں خلل نہ ہو۔

۸۔ (ایک ایسی جماعت کے بارہ میں جنھوں نے ہر طرح سے اسلام کو ضرر اور اہل اسلام کو اذیت پہنچائی تھی ارشاد ہے کہ) اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں (یعنی مسلمان ہو جائیں

)اور (اس اسلام کو ظاہر بھی کر دیں مثلاً) نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں، وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے (اور پچھلا کیا ہوا سب معاف ہو جاوے گا)۔ (شروع سورۂ براءۃ، آیت ۱۱)

ف: اس آیت میں نماز کو اسلام کی علامت فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کافر کو کسی نے کلمہ پڑھتے نہ سنا ہو مگر نماز پڑھتے دیکھے تو سب علماء کے نزدیک واجب ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں اور زکوٰۃ کی کوئی خاص صورت نہیں۔ اس لیے وہ اس درجہ کی علامت نہیں۔

(ایک جماعت انبیاء کا ذکر فرما کر ان کے بعد کے ناخلف لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ) ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا۔

(اس سے تھوڑا آگے فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے (مراد عذاب ہے)۔ (سورۂ مریم، آیت ۵۹)

ف: دیکھو نماز کے ضائع کرنے والوں کے لیے عذاب کی کیسی وعید سنائی۔ اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے۔ (آخر سورہ طٰہٰ، آیت ۱۳۲)

ف: یہ حکم ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تاکہ دوسرے سننے والے سمجھیں کہ جب آپ کو نماز معاف نہیں تو اوروں کو تو کیسے معاف ہو سکتی ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسا خود پابند رہنا ضروری ہے اسی طرح اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید رکھنا ضروری ہے۔ اور بہت آیتیں ہیں اس وقت ان ہی پر کفایت کی گئی۔

احادیث: ۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بتلاؤ تو اگر کسی کے دروازہ پر ایک نہر ہو اور اس میں وہ ہر روز پانچ بار غسل کیا کرے تو کیا اس کا کچھ میل کچیل باقی رہ سکتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ بھی میل نہ رہے گا آپ نے فرمایا کہ یہی حالت پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

ف: اس سے کتنی بڑی فضیلت نماز کی ثابت ہوتی ہے اور مسلم کی ایک حدیث میں اجتناب کبائر کو شرط فرمایا ہے مگر یہ کیا تھوڑی دولت ہے۔

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان بس ترکِ نماز کی کسر ہے (جب ترکِ نماز کیا وہ کسر مٹ گئی اور کفر آ گیا، چاہے بندہ کے اندر نہ آوے پاس ہی آ جاوے مگر دوری تو نہ رہی)۔ (مسلم)

ف: دیکھو نماز چھوڑنے پر کتنی بڑی وعید ہے کہ وہ بندہ کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز نماز کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اُس پر محافظت رکھے وہ قیامت کے روز اس کے لیے روشنی اور دستاویز اور نجات ہوگی اور جو شخص اس پر محافظت نہ کرے وہ اس کے لیے نہ روشنی ہوگی اور نہ دستاویز اور نہ نجات اور وہ شخص قیامت کے دن قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا (یعنی دوزخ میں اگرچہ ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نہ رہے مگر ان کے ساتھ ہونا ہی بڑی سخت بات ہے۔) (احمد دارمی و بیہقی شعب الایمان)

۴۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان جو ایک عہد کی چیز (یعنی عہد کا سبب) ہے وہ نماز ہے۔ پس جس شخص نے اس کو ترک کر دیا وہ (برتاؤ کے حق میں) کافر ہو گیا (یعنی ہم اس کے ساتھ کافروں کا برتاؤ کریں گے کیونکہ اور کوئی علامت اسلام کی اس میں نہیں پائی جاتی کیونکہ وضع و لباس و گفتگو سب مشترک تھے تو ہم کافر ہی سمجھیں گے)۔ (احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ)

ف: اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ ترکِ نماز بھی ایک علامت ہے کفر کی گو کوئی دوسری اسلامی علامت ہونے سے ترکِ نماز سے کافر نہ سمجھیں مگر کفر کی کسی علامت کو اختیار کرنا کیا تھوڑی بات ہے؟

۵۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز کی تاکید کرو جب وہ سات برس کے ہوں، اور اس پر ان کو مارو جب وہ دس برس کے ہوں۔ (ابوداؤد) (یہ حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں)

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص قبیلہ خزاعہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان ہوئے ان میں ایک شہید ہو گیا اور

دوسرا برس روز پیچھے (موت طبعی سے) مرا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے پیچھے مرنے والے کو (خواب میں) دیکھا کہ اس شہید سے پہلے جنت میں داخل کیا گیا۔ مجھ کو بہت تعجب ہوا، صبح کو میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس (مرنے والے) نے اس (شہید) کے بعد رمضان کے روزے نہیں رکھے اور برس روز تک ہزاروں رکعتیں پڑھیں (اگر صرف فرض وواجب وسنت مؤکدہ ہی لی جاویں تو دس ہزار رکعت کے قریب ہوتی ہیں یعنی اس لیے وہ شہید سے بڑھ گیا)۔ (احمد وابن ماجہ وابن حبان وبیہقی)

ف: ابن ماجہ وابن حبان نے اتنا اور زیادہ روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کے درجوں میں اتنا فرق ہے کہ آسمان وزمین کے فاصلہ سے بھی زیادہ۔ فقط۔ اور ظاہر ہے کہ زیادہ دخل اس فضیلت میں نماز ہی کو ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کی کثرت کا بیان بھی فرمایا۔ تو نماز ایسی چیز ٹھہری کہ اس کی بدولت شہید سے بھی بڑا رتبہ مل جاتا ہے۔

۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے۔ (دارمی)

ف: نماز ہی کا نام لینا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ سب عبادات سے بڑھ کر جنت میں لے جانے والی ہے۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اول جس چیز کا بندہ سے قیامت میں حساب ہوگا وہ نماز ہے۔ اگر وہ ٹھیک اُتری تو اس کے سارے عمل ٹھیک اتریں گے اور اگر وہ خراب نکلی تو اس کے سارے عمل خراب نکلیں گے۔ (طبرانی اوسط)

ف: معلوم ہوتا ہے نماز کی برکت سب عبادات میں اثر کرتی ہے اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی بڑا عمل ہونے کی؟

۹۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اس کے پاس دین نہیں نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑ سے نسبت ہے۔ (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے) اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں۔ (طبرانی اوسط وصغیر)

ف: جس چیز پر دین کا اتنا بڑا دارومدار ہو اس کو چھوڑ کر کسی نیک عمل کو کافی سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے!

۱۰۔ حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو شخص پانچ وقت کی نمازوں کی محافظت کرے یعنی ان کے رکوع کی بھی، ان کے سجدہ کی بھی، اور ان کے وقتوں کی بھی (یعنی ان میں کوتاہی نہ کرے) اور اس کا اعتقاد رکھے کہ سب نمازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یا یہ فرمایا کہ اس کے لیے واجب ہوگئی۔ یا یہ فرمایا کہ وہ دوزخ پر حرام ہو جاوے گا۔ (ان سب کا ایک ہی مطلب ہے)۔ (احمد)

یہ حدیثیں ترغیب میں ہیں۔ یہ دس آیتیں، دس حدیثیں سب مل کر بیس ہوئیں۔ اے مسلمانو! اتنی حدیثیں سن کر بھی نماز کی پابندی نہ کرو گے؟

روحِ دوازدہم

مسجد بنانا

(اس میں اس کے بنانے میں مدد مال سے یا جان سے اور اس کے لیے زمین دینا، اس کی ٹوٹی پھوٹی کی مرمت کرنا سب آ گیا) اور اس کے حقوق ادا کرنا (ان حقوق میں یہ سب باتیں آ گئیں) یعنی ۱۔ اس میں نماز پڑھنا خاص کر جماعت کے ساتھ۔ ۲۔ اس کو صاف رکھنا۔ ۳۔ اس کا ادب کرنا۔ ۴۔ اس کی خدمت کرنا۔ ۵۔ وہاں کثرت سے حاضر رہنا۔ اس کے متعلق کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

آیات: ۱۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اُس کا ذکر (اور عبادت) کیے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے میں کوشش کرے۔ (البقرۃ، آیت ۱۱۴)

۲۔ ہاں اللہ کی مسجدوں کو (حقیقۃً) آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز کی پابندی کرتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرتے ہوں سو ایسے لوگوں کے لیے توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود (یعنی جنت ونجات) تک پہنچ جاویں۔ (توبہ، آیت ۱۸)

ف: اس آیت میں مسجد کے آباد کرنے والے کے لیے خوشخبری ہے ایمان اور جنت کی۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا خیال رکھتا ہے (اس میں اس کی خدمت کا خیال اور وہاں حاضر باشی کا خیال سب آ گیا) تو تم لوگ اس کے ایمان کی گواہی دے دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّمَا یَعمُرُ الایۃ (یہ وہی آیت ہے جس کا ترجمہ ابھی لکھا گیا)۔ (مشکوٰۃ از ترمذی وابن ماجہ ودارمی)

۳۔ وہ اہل ہدایت ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے) ہیں جن کی نسبت اللہ

تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ (نور، آیت ۳۶)

ف: مراد ان گھروں سے مسجدیں ہیں اور ان کا ادب یہ ہے جو آگے حدیثوں میں آتا ہے۔

احادیث: ا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی مسجد بنائے جس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا خوش کرنا ہو (اور کوئی بُری غرض نہ ہو) اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی کی مثل (اُس کا گھر) جنت میں بنادے گا۔ (بخاری ومسلم)

ف: اس حدیث سے نیت کی درستی کی تاکید بھی معلوم ہوئی اور اگر نئی مسجد نہ بناوے بلکہ بنی ہوئی کی مرمت کردے اس کا ثواب بھی اس سے معلوم ہوا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کی مرمت کر کے یہ حدیث بیان کی تھی اور دوسری حدیثوں سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کوئی مسجد بناوے (بنانے میں مال خرچ کرنا یا جان کی محنت خرچ کرنا دونوں آ گئے۔ چنانچہ جمع الفوائد میں رزین سے حضرت ابو سعید کی روایت آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد نبوی کے بننے کے وقت خود کچی اینٹیں اُٹھا رہے تھے) خواہ وہ قطاۃ پرندہ کے گھونسلہ کے برابر ہو یا اس سے بھی چھوٹی ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنادے گا۔ (ابن خزیمہ وابن ماجہ)

ف: اس حدیث میں بنتی ہوئی مسجد میں چندہ دینے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کیونکہ گھونسلہ کی برابر بنانے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ پوری مسجد نہیں بنا سکا اس کے بننے میں تھوڑی سی شرکت کرلی جس سے اس کی رقم کے مقابلہ میں اس مسجد کا اتنا ذرا سا حصہ آ گیا اور اوپر کی حدیث میں جو آیا ہے کہ اس کی مثل جنت میں گھر بنے گا، اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ اس صورت میں گھونسلہ کے برابر گھر بن جائے گا کیونکہ مثل کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے بڑے ہونے میں اس کی مثل ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسا اس شخص کا اخلاص ہوگا اس کی مثل گھر بنے گا، لیکن لمبائی چوڑائی میں بہت بڑا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بناوے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناوے گا جو اس سے بہت لمبا چوڑا ہوگا۔ (احمد)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عبادت کے لیے حلال مال سے کوئی عمارت (یعنی مسجد) بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں موتی اور یاقوت کا گھر بناوے گا۔ (طبرانی اوسط)

ف: یہ بھی مسجد کا ادب ہے کہ اس میں حرام مال نہ لگاوے خواہ وہ حرام روپیہ پیسہ ہو، خواہ ملبہ، خواہ زمین ہو جیسا کہ بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ دوسرے زمیندار کی زمین میں بدون اس کی اجازت کے مسجد بنالیتے ہیں اور پھر اس کے روک ٹوک کرنے پر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس کو اسلام کی بڑی طرفداری و خدمت سمجھتے ہیں۔ خاص کر اگر زمیندار غیر مسلم ہو تو تب تو اس کو کفر و اسلام کا مقابلہ سمجھتے ہیں۔

سو خوب سمجھ لو کہ اس زمین میں جو مسجد بنائی جاوے وہ شروع سے مسجد ہی نہیں ہے۔ البتہ زمیندار کی خوشی سے اپنی مِلک کرا کر پھر اس میں مسجد بناتے رہیں۔

۳۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام عورت تھی (شاید حبشن ہو) جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، ایک رات کو وہ مر گئی۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی گئی، آپ نے فرمایا تم نے مجھ کو اس کی خبر کیوں نہ کی؟ پھر آپ صحابہ کو لے کر باہر تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اُس پر تکبیر فرمائی (مراد نماز جنازہ ہے) اور اس کے لیے دعا کی پھر واپس تشریف لے آئے۔ (ابن ماجہ و ابن خزیمہ) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا تو نے کس عمل کو زیادہ فضیلت کا پایا۔ اس نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو۔ (ابوالشیخ اصبہانی)

ف: دیکھئے مسجد میں جھاڑو دینے کی بدولت ایک غریب گمنام حبشن کی جس کی مسکنت و گمنامی کے سبب اس کی وفات کی بھی اطلاع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں کی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتنی بڑی قدر فرمائی کہ اس کی وفات کی خبر نہ دینے کی بھی شکایت فرمائی، پھر قبر پر تشریف لے گئے اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھی اور یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور اس کے لیے دعا فرمائی پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پوچھنے پر خود اس نے اس عمل کی کتنی بڑی فضیلت بیان کی۔ افسوس اب مسجد

میں جھاڑو دینے کو لوگ عیب اور ذلت سمجھتے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بڑی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے کوڑا کباڑ نکالنا بڑی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔ (طبرانی کبیر)

۵۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد میں سے ایسی چیز باہر کر دی جس سے تکلیف ہوتی تھی (جیسے کوڑا کباڑ، کانٹا، اصلی فرش سے الگ کنکر، پتھر) اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناوے گا۔ (ابن ماجہ)

۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محلّہ محلّہ میں مسجدیں بنانے کا حکم اور ان کو صاف پاک رکھنے کا حکم فرمایا۔ (احمد و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و ابن خزیمہ)

ف: پاک رکھنا یہ کہ اس میں کوئی ناپاک آدمی یا ناپاک کپڑا ناپاک تیل وغیرہ نہ جانے پائے اور صاف رکھنا یہ کہ اس میں سے کوڑا کباڑ نکالتے رہیں۔

۷۔ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بڑی حدیث میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدوں کو جمعہ جمعہ (خوشبو کی) دھونی دیا کرو۔ (ابن ماجہ و کبیر طبرانی)

ف: جمعہ کی قید نہیں، صرف یہ مصلحت ہے کہ اس روز نمازی زیادہ ہوتے ہیں جن میں ہر طرح کے آدمی ہوتے ہیں کبھی کبھی دھونی دے دینا یا اور کسی طرح خوشبو لگا دینا، چھڑک دینا، سب برابر ہے۔

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں خرید و فروخت کر رہا ہے تو یوں کہہ دیا کرو، اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب ایسے شخص کو دیکھو کہ کھوئی ہوئی چیز کو مسجد میں پکار پکار کر تلاش کر رہا ہے تو یوں کہہ دو اللہ تعالیٰ تیرے پاس وہ چیز نہ پہنچاوے۔ (ترمذی و نسائی و ابن خزیمہ و حاکم)

اور ایک روایت میں یہ بھی ارشاد ہے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ (مسلم وابوداؤد وابن ماجہ)

ف: مراد اس چیز کا تلاش کرنا ہے جو باہر کھو گئی اور مسجد میں اس لیے پکار رہا ہے کہ مختلف لوگوں کا مجمع ہے شاید کوئی پتہ دیدے اور یہ بددعا دینا تنبیہ کے لیے ہے۔

لیکن اگر لڑائی دنگے کا ڈر ہو تو دل میں کہہ لے۔ اس حدیث میں باطنی ادب مسجد کا مذکور ہے کہ وہاں دنیا کے کام نہ کرے۔

۹۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چند امور ہیں جو مسجد میں مناسب نہیں، اس کو راستہ نہ بنایا جائے (جیسا بعض لوگ چکر سے بچنے کے لیے مسجد کے اندر سے ہو کر دوسری طرف نکل جاتے ہیں) اور اس میں ہتھیار نہ سوتے جائیں اور نہ اس میں کمان کھینچی جائے اور نہ اس میں تیروں کو بکھیرا جائے (تا کہ کسی کے چُبھ نہ جاویں) اور نہ کچا گوشت لے کر اس میں سے گذرے اور نہ اس میں کسی کو سزا دی جائے اور نہ اس میں کسی سے بدلہ لیا جاوے (جس کو شرع میں حدود قصاص کہتے ہیں اور نہ اس کو بازار بنایا جائے)۔ (ابن ماجہ)

ف: یہ سب باتیں مسجد کے آداب کے خلاف ہیں۔

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب اخیر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی باتیں مسجدوں میں ہوا کریں گی اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی کچھ پرواہ نہ ہوگی (یعنی ان سے خوش نہ ہوگا)۔ (ابن حبان)

ف: دنیا کی باتیں کرنا بھی مسجد کی بے ادبی ہے۔

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت کی نیت سے مسجد کی طرف چلے تو اس کا ایک قدم ایک گناہ کو مٹاتا ہے اور ایک قدم اس کے لیے نیکی لکھتا ہے جانے میں بھی، لوٹنے میں بھی۔ (احمد وطبرانی وابن حبان)

ف: کیا ٹھکانا ہے رحمت کا کہ جاتے ہوئے تو ثواب ملتا ہے لوٹنے میں بھی ویسا ہی ثواب ملتا ہے۔

۱۲۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص رات کے اندھیرے میں مسجد کی طرف چلے، اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز نور کے ساتھ ملے گا۔ (طبرانی)

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دیگا جس روز سوائے اس کے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہو۔

(بخاری و مسلم وغیرہما)

۱۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان بدبودار ترکاریوں سے (یعنی پیاز و لہسن سے جیسا کہ اور حدیثوں میں آیا ہے) بچو کہ ان کو کھا کر ہماری مسجدوں میں آؤ۔ اگر تم کو ان کے کھانے کی ضرورت ہی ہو تو ان (کی بدبو) کو آگ سے ماردو، (یعنی پکا کر کھاؤ کچی کھا کر مسجد میں نہ آؤ)۔ (طبرانی)

۱۵۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف جائے اور اس کا ارادہ صرف یہ ہو کہ کوئی اچھی بات (یعنی دین کی بات) سیکھے یا سکھائے، اُس کو حج کرنے والے کے برابر پورا ثواب ملے گا۔ (طبرانی)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ مسجد جیسے نماز کے لیے ہے ایسے ہی علم دین سیکھنے سکھانے کے لیے بھی ہے۔ سو مسجد میں ایسے شخص کو رہنا چاہیے جو دین کی باتیں بتلایا کرے۔ یہ سب حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں بجز دو حدیثوں کے کہ اس میں مشکوٰۃ اور جمع الفوائد کا نام لکھ دیا ہے۔ دستور العمل جو ان سب آیات اور احادیث سے ثابت ہوا یہ ہے۔

(الف) کہ ہر بڑی چھوٹی بستی میں وہاں کی ضرورت کے موافق مسجد بنانا چاہیے۔

(ب) مگر وہ حلال مال سے اور حلال زمین میں ہو۔

(ج) مسجد کا ادب کرے یعنی اس کو پاک صاف رکھے۔ اس میں جھاڑو دیا کرے۔

اس کی ضروری خدمت کا خیال رکھے۔ بدبودار چیز جیسے تمبا کو وغیرہ کھا کر یا لے کر اس میں نہ جائے۔ وہاں دنیا کا کوئی کام یا بات نہ کرے۔

(د) مَردوں کو نماز مسجد میں پڑھنا چاہیے اور بدون عذر شدید کے جماعت نہ چھوڑنا چاہیے۔ مسجد میں اور جماعت سے نماز پڑھنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ آپس میں تعلق بڑھے، ایک کو دوسرے کا حال معلوم رہے۔ مالک کی حدیث سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلیمان بن ابی خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کی نماز میں نہیں پایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار تشریف لے گئے اور حضرت سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا تو سلیمان کی ماں سے پوچھا میں نے سلیمان کو صبح میں نہیں دیکھا۔ الخ۔ اس حدیث کے ذیل میں علماء نے یہ فائدہ بھی ذکر کیا ہے۔

(ہ) مسجد میں ایسے شخص کو رکھیں کہ وہ بستی والوں کو مسئلے مسائل بھی بتلاتا رہے۔

(و) جب فرصت ملا کرے مسجد میں جا کر بیٹھ جایا کرے مگر وہاں جا کر دین کے کاموں میں یا دین کی باتوں میں لگا رہے۔ اگر سب آدمی اس کی پابندی رکھیں تو علاوہ ثواب کے جماعت کو بھی قوت پہنچے۔ فقط

تنبیہ: حدیثوں میں صاف آیا ہے کہ عورتوں کے لیے گھروں میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجدوں میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہے۔

رُوحِ سیزدہم

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

یعنی جس قدر ہو سکے اللہ کا نام لیتے رہنا۔ قرآن وحدیث میں اس کا حکم بھی آیا ہے اور فضیلت اور ثواب بھی اور کچھ مشکل کام بھی نہیں۔ تو ایسے آسان کام میں بے پروائی یا سستی کر کے حکم کے خلاف کرنا اور اتنا بڑا ثواب کھو کر اپنا نقصان کرنا کیسی بے جا اور بری بات ہے؟ پھر اللہ کا نام لیتے رہنے میں نہ کسی گنتی کی قید ہے اور نہ وقت کی اور نہ تسبیح رکھنے کی نہ پکار کر پڑھنے کی، نہ وضو کی نہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی، نہ کسی خاص جگہ کی نہ ایک جگہ بیٹھنے کی، ہر طرح سے آزادی اور اختیار ہے۔ پھر کیا مشکل ہے؟ البتہ اگر کوئی اپنی خوشی سے تسبیح پر پڑھنا چاہے خواہ گنتی یاد رکھنے کے لیے یا اس لیے کہ تسبیح ہاتھ میں ہونے سے پڑھنے کا خیال آ جاتا ہے، خالی ہاتھ یاد نہیں رہتا تو اس مصلحت کے لیے تسبیح رکھنا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے اور اس کا خیال نہ کرے کہ تسبیح رکھنے سے دکھلاوا ہو جائے گا۔ دکھلاوا تو نیت سے ہوتا ہے یعنی جب یہ نیت ہو کہ دیکھنے والے مجھ کو بزرگ سمجھیں گے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو وہ دکھلاوا نہیں۔ اس کو دکھلاوا سمجھنا اور ایسے وہموں سے ذکر کو چھوڑ دینا یہ شیطان کا دھوکا ہے۔ وہ اس طرح سے بہکا کر ثواب سے محروم رکھنا چاہتا ہے اور وہ ایک دھوکا یہ بھی دیتا ہے کہ جب دل تو دنیا کے کام میں پھنسا رہا اور زبان سے اللہ کا نام لیتے رہے تو اس کا کیا فائدہ؟ سو خوب سمجھ لو کہ یہ بھی غلطی ہے جب دل سے ایک دفعہ یہ نیت کر لی کہ ہم ثواب کے واسطے اللہ کا نام لینا شروع کرتے ہیں اس کے بعد اگر دل دوسری طرف بھی ہو جاوے مگر نیت نہ بدلے برابر ثواب ملتا رہے گا۔ البتہ جو وقت اور کاموں سے خالی ہو اُس میں دل کو ذکر کی طرف متوجہ رہنے کی بھی کوشش کرے فضول قصوں کی طرف خیال نہ لے جاوے تاکہ اور زیادہ ثواب ہو۔ اب ذکر کے بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

آیات: ۱۔ پس تم مجھ کو یاد کرو میں (عنایت سے) تم کو یاد رکھوں گا۔ (بقرہ، آیت ۱۵۲)

۲۔ ایسے لوگ جو (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی۔ (آل عمران، آیت ۱۹۱)

۳۔ اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر (خواہ) اپنے دل میں (یعنی آہستہ آواز سے) عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور (خواہ) زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ (اسی عاجزی اور خوف کے ساتھ) صبح اور شام (یعنی ہمیشہ) اور (ہمیشہ کا مطلب یہ ہے کہ) غفلت والوں میں سے مت ہونا۔ (اعراف، آیت ۲۰۵)

ف: اور بہت زور زور سے ذکر کرنا کوئی ثواب نہیں، لیکن اگر کوئی بزرگ جو شریعت کے پابند ہوں علاج کے طور پر بتلاویں تو جائز ہے اور علاج یہ ہے کہ اس سے بعضوں کے دل پر زیادہ اثر ہوتا ہے لیکن اس کا خیال رکھے کہ کسی کی عبادت یا کسی کی نیند میں خلل نہ پڑے نہیں تو گناہ ہوگا۔

۴۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف رسائی دیتا ہے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر (میں ایسی ہی خاصیت ہے کہ اس) سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے (اس طرح سے کہ اس سے حق تعالیٰ اور بندہ میں تعلق بڑھ جاتا ہے اور اطمینان کی جڑ تعلق ہے)۔ (رعد، آیت ۲۷و۲۸)

۵۔ (مسجدوں میں ایسے لوگ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ) ان کو نہ (کسی چیز کا) خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے اور نہ (کسی چیز کا) بیچنا اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔ (نور، آیت ۳۵و۳۶)

۶۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے یعنی اس میں بڑی فضیلت ہے۔ (عنکبوت، آیت ۴۵)

۷۔ اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ (احزاب)

۸۔ اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں۔ (منافقون، آیت ۹)

۹۔ اور اپنے رب کا نام لیتے رہو اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو جاؤ (الگ ہونے

کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علاقہ سب علاقوں پر غالب رہے)۔(مزل،آیت ۸)

۱۰۔ مراد کو پہنچا جو شخص (بُرے عقیدوں اور بُرے اخلاق سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ (اعلیٰ،آیت ۱۴)

احادیث: ۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھیں ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر (اللہ تعالیٰ کی) رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر چین کی کیفیت اترتی ہے۔(مسلم)

۲۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہو اور جو شخص ذکر نہ کرتا ہو ان کی حالت زندہ اور مُردہ کی سی حالت ہے (یعنی پہلا شخص مثل زندہ کے ہے اور دوسرا مثل مُردہ کے کیونکہ روح کی زندگی یہی اللہ کی یاد ہے یہ نہ ہو تو روح مُردہ ہے)۔(بخاری ومسلم)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اس کے (یعنی اپنے بندہ کے) ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو پھر وہ اگر اپنے جی میں میرا ذکر کرے تو میں اپنے جی میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرے تو میں اس کا ذکر ایسے مجمع میں کرتا ہوں جو اس مجمع سے بہتر ہوتا ہے۔(یعنی فرشتوں اور پیغمبروں کے مجمع میں)۔ (بخاری ومسلم)

ف: اللہ تعالیٰ کے جی کا یہ مطلب نہیں جیسا ہمارا جی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس یاد کی کسی کو خبر نہیں ہوتی جیسے دوسری حالت میں مجمع کو خبر ہوگئی اور وہاں کے مجمع کا یہاں کے مجمع سے اچھا ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس مجمع کے زیادہ شخص اس مجمع کے زیادہ شخصوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص، ہر شخص سے اچھا ہو۔ سو اگر دنیا میں کوئی مجمع ذکر کا ایسا ہو جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہوں جیسا آپ کے زمانہ میں تھا تو کسی فرشتہ یا پیغمبر کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم نہ آئے گا۔

۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں میں گذرا کرو تو اس کے میوے منہ چھٹ کھایا کرو، لوگوں نے عرض کیا جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ذکر کے حلقے (اور مجمعے)۔ (ترمذی)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی جگہ بیٹھے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے اللہ کی طرف سے اس پر گھاٹا ہوگا اور جو شخص کسی جگہ لیٹے جس میں اللہ کا ذکر نہ کرے اللہ کی طرف سے اس پر گھاٹا ہوگا۔ (ابوداؤد)

ف: مقصد یہ ہے کہ کوئی موقع اور کوئی حالت ذکر سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اسلام کے شرعی اعمال مجھ پر بہت سے ہوگئے (مراد نفلی اعمال ہیں کیونکہ تاکیدی اعمال تو بہت نہیں ہیں مطلب یہ کہ ثواب کے کام اتنے ہیں کہ سب کا یاد رکھنا اور عمل کرنا بہت مشکل ہے) اس لیے آپ مجھ کو کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے کہ اس کا پابند ہو جاؤں (اور وہ سب کے بدلہ میں کافی ہو جائے) آپ نے فرمایا (اس کی پابندی کرلو کہ) تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے (یعنی چلتی رہے)۔ (ترمذی وابن ماجہ)

۷۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا بندوں میں سب سے افضل اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے برتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو مرد کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں اور جو عورتیں (اسی طرح کثرت سے) ذکر کرنے والی ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے (کیا یہ) اس سے بھی (افضل ہے؟) آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص کفار و مشرکین میں اس قدر تلوار مارے کہ تلوار بھی ٹوٹ جائے اور یہ شخص بھی تمام خون میں (اپنے زخموں سے) رنگین ہو جائے۔ اللہ کا ذکر کرنے والا درجہ میں اس سے بھی افضل ہے۔ (احمد وترمذی)

فائدہ۔ وجہ ظاہر ہے کہ جہاد خود اللہ ہی کی یاد کے لیے مقرر ہوا ہے جیسے وضو نماز کے لیے مقرر ہوا ہے۔ سورۂ حج آیت اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ الخ میں اس کا صاف ذکر ہے تو یاد اصل ہوئی اور اصل کا افضل ہونا ظاہر ہے۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے

ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک قلعی ہے اور دلوں کی قلعی اللہ کا ذکر ہے۔ (بیہقی)

۹۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان آدمی کے قلب پر چمٹا ہوا بیٹھا رہتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب (یاد سے) غافل ہوتا ہے وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔ (بخاری)

۱۰۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر اللہ کے سوا بہت کلام مت کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے سوا بہت کلام کرنا قلب میں سختی پیدا کرتا ہے اور سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ قلب ہے جس میں سختی ہو۔ (ترمذی)

ف: اخیر کی تین حدیثوں کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ اصل صفائی اچھے عملوں سے ہوتی ہے اور اصل سختی بُرے عملوں سے اور دونوں عملوں کی جڑ قلب کا ارادہ ہے اور ارادہ کی جڑ خیال۔ پس جب ذکر میں کمی ہوتی ہے تو شیطان بُرے بُرے خیال قلب میں پیدا کرتا ہے جس سے بُرے ارادوں کی نوبت آجاتی ہے اور نیک ارادوں کی ہمت نہیں رہتی۔ پس نیک کام نہیں ہوتے اور بُرے ہونے لگتے ہیں اور جب ذکر کی کثرت ہوتی ہے تو بُرے خیال قلب میں پیدا نہیں ہوتے پس بُرا ارادہ بھی نہیں ہوتا اور گناہ بھی نہیں ہوتے اور نیک کاموں کا ارادہ اور نیک کام ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح سے صفائی اور نزہت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے مگر یہ باتیں خود بخود نہیں ہوتیں کرنے سے ہوتی ہیں سو اگر کوئی خالی ذکر کیا کرے اور نیک کاموں کے کرنے کا، اور بُرے کاموں سے بچنے کا ارادہ اور ہمت نہ کرے وہ دھوکہ میں ہے۔ یہاں تک کی حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں۔

۱۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہت لوگ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ کا ذکر کرتے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو اُونچے اُونچے درجوں میں داخل فرمائے گا۔ (ابن حبان)

ف: یعنی کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب تک امیری سامان کو نہ چھوڑے ذکر اللہ سے نفع نہیں ہوتا۔

۱۲۔ ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں۔ (احمد وابویعلی وابن حبان)

۱۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اتنا ذکر کرو کہ منافق (یعنی بد دین) لوگ تم کو ریاکار و مکار کہنے لگیں۔ (طبرانی)

۱۴۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والوں کو کوئی حسرت نہ ہوگی مگر جو گھڑی ان پر ایسی گذری ہوگی جس میں انہوں نے اللہ کا ذکر نہ کیا ہوگا۔ اس گھڑی پر ان کو حسرت ہوگی۔ (طبرانی وبیہقی)

ف: مگر اس حسرت میں دنیا کی سی تکلیف نہ ہوگی۔

پس یہ شبہ نہ رہا کہ جنت میں تکلیف کیسی؟

۱۵۔ حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے باپ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بی بی کے ہاں گئے اور اس بی بی کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھ رہی تھیں۔ الخ (اور آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد و ترمذی مع تحسین ونسائی وابن حبان وحاکم مع تصحیح)

ف: یہ اصل ہے تسبیح پر گننے کی (کما قررالشامی) یہ پانچ حدیثیں ترغیب کی ہیں۔ یہاں تک تو عام ذکر کا بیان تھا بعضے خاص خاص ذکروں کا بھی ثواب آتا ہے ان میں سے بعضے آسان اور مختصر بطور نمونہ بتلاتا ہوں جیسے:

(الف) لا الہ الا اللہ یا مع محمد رسول اللہ (ب) سبحان اللہ

(ج) الحمد للہ (د) اللہ اکبر (ہ) لا حول ولا قوۃ الا باللہ

(و) استغفر اللہ واتوب الیہ (ز) درود شریف جو کوئی طرح ہے، ایک ہلکا سا یہ ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد۔ (نسائی عن زید بن خارجہ)

خلاصہ: یہ کہ ذکر سے غافل مت ہو خواہ کوئی خاص ذکر کرو یا عام پھر خواہ ہر وقت ایک ہی یا کسی وقت کوئی کسی وقت کوئی پھر خواہ بے گنتی خواہ اُنگلیوں یا تسبیح پر گنتی سے اور بعض دُعائیں خاص وقتوں کی بھی ہیں۔ اگر شوق ہو تو کسی دیندار عالم سے پوچھ لو ورنہ نمونہ کے طور پر جو ابھی لکھ دی ہیں یہ کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ (کتبہ اشرف علی عفی عنہ)

روح چہاردہم

مالداروں کو زکوٰۃ کی پابندی کرنا

یہ بھی مثل نماز کے اسلام کا ایک رکن یعنی بڑی شان کا ایک لازمی حکم ہے۔ بہت سی آیتوں میں زکوٰۃ دینے کا حکم اور اس کے دینے کا ثواب اور اس کے نہ دینے کا عذاب مذکور ہے اور زیادہ آیتیں ایسی ہی ہیں جن میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ یہ سب آیتیں قرآن مجید میں آسانی سے مل سکتی ہیں اور جو شخص عربی نہ جانتا ہو اُس کو ترجمہ والے قرآن پاک میں مل سکتی ہیں۔ اس لیے اس جگہ صرف حدیثیں لکھتا ہوں۔

❶۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ اسلام کا پل ہے[1] یا بلند عمارت ہے (کہ اگر زکوٰۃ نہ دے تو اسلام پر چل نہیں سکتا یا اسلام کے نیچے کے درجے میں رہا)۔ (طبرانی اوسط وکبیر)

ف: اس سے زکوٰۃ کا کتنا بڑا درجہ ثابت ہوا اور اس کے نہ دینے سے مسلمانی میں کتنا بڑا نقصان معلوم ہوا۔

❷۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی اُس سے اس کی بُرائی جاتی رہی (یعنی زکوٰۃ نہ دینے سے جو اس مال میں نحوست اور گندگی آ جاتی ہے وہ نہیں رہی۔) (طبرانی اوسط وابن خزیمہ صحیح)

ف: معلوم ہوا کہ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جاوے اس میں برکت نہیں رہتی، اس کی کچھ تفصیل نمبر ۱۳ و نمبر ۱۴ میں آتی ہے۔

❸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جو شخص تم میں اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (طبرانی کبیر)

---

[1] كذا في القاموس في القنطرة ۱۲.

ف: اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے سے ایمان میں کمی رہتی ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو کرے گا ایمان کا ذائقہ چکھے گا۔ صرف اللہ کی عبادت کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ ہر سال اس طرح دے کہ اس کا نفس اس پر خوش ہو اور اس پر آمادہ کرتا ہو۔ الخ (یعنی اُس کو روکتا نہ ہو)

ف: زکوٰۃ کا مرتبہ تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس کو توحید کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس کا اثر اس سے ظاہر ہوا کہ اس سے ایمان کا مزہ بڑھ جاتا ہے۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص سونے کا رکھنے والا اور چاندی کا رکھنے والا ایسا نہیں جو اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) نہ دیتا ہو مگر اس کا یہ حال ہوگا کہ جب قیامت کا دن ہوگا اس شخص کے (عذاب کے) لیے اس سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان تختیوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے اس کی کروٹ اور پیشانی اور پشت کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہونے لگیں گی پھر دوبارہ ان کو تپایا جائے گا (اور) یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی (یعنی قیامت کے دن میں)۔ الخ (بخاری ومسلم)

۶۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مالداروں پر ان کے مال میں اتنا حق یعنی زکوٰۃ کو فرض کیا ہے جو ان کے غریبوں کو کافی ہو جائے اور غریبوں کو بھوکے ننگے ہونے کی جب کبھی تکلیف ہوتی ہے، مالداروں ہی کے اس کرتوت کی بدولت ہوتی ہے (کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان سے (اس پر) سخت حساب لینے والا اور ان کو دردناک عذاب دینے والا ہے۔ (طبرانی اوسط وصغیر)

ف: ایک حدیث میں اس کی تفصیل میں یہ بھی ارشاد ہے کہ محتاج لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے مالداروں کی یہ شکایت کریں گے کہ ہمارے حقوق جو آپ نے ان پر فرض کیے تھے انہوں نے ہم کو نہیں پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اپنی عزت وجلال کی قسم میں تم

کو مقرب بناؤں گا اور ان کو دور کر دوں گا۔ (طبرانی صغیر و اوسط و ابو الشیخ کتاب الثواب)

7 ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی (مقبول) نہیں ہوتی۔ (طبرانی و اصبہانی) اور ایک روایت میں ان کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کر لے اور زکوٰۃ نہ دے وہ (پورا) مسلمان نہیں کہ اس کا نیک عمل اس کو نفع دے۔ (اصبہانی)

ف: لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ نماز بھی چھوڑ دیں، اگر ایسا کریں گے تو اس کا عذاب الگ ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی دینے لگیں۔

8 ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے قیامت کے روز وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل میں بنا دیا جائے گا جس کی دونوں آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے (ایسا سانپ بہت زہریلا ہوتا ہے) اور اس کے گلے میں طوق (یعنی ہنسلی) کی طرح ڈال دیا جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیری جمع ہوں۔ پھر آپ نے (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھی: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ. الآية (آل عمران، آیت ۱۸۰) (اس آیت میں مال کے طوق بنائے جانے کا ذکر ہے۔) (بخاری ونسائی)

9 ۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (علاوہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانے کے) اللہ تعالیٰ نے اسلام میں چار چیزیں اور فرض کی ہیں پس جو شخص ان میں سے تین کو ادا کرے تو وہ اس کو (پورا) کام نہ دیں گی جب تک سب کو ادا نہ کرے نماز، زکوٰۃ اور رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج۔ (احمد)

ف: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نماز، روزہ و حج سب کرتا ہوگا مگر زکوٰۃ نہ دیتا ہو وہ سب بھی اس کی نجات کے لیے کافی نہیں۔

10 ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں جائے گا۔ (طبرانی صغیر)

11 ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا نماز تو سب کے سامنے ظاہر ہونے والی چیز ہے اس کو تو قبول کرلیا اور زکوٰۃ پوشیدہ چیز ہے اس کو خود کھالیا (حقداروں کو نہ دیا) ایسے لوگ منافق ہیں۔ (بزار)

ف: یعنی بعضے لوگ نماز اسی لیے پڑھتے ہیں کہ نہ پڑھیں گے تو سب کو خبر ہوگی اور زکوٰۃ اس لیے نہیں دیتے کہ اس کی کسی کو خبر نہیں ہوتی اور منافق ایسا ہی کرتے تھے ورنہ خدا کے حکم تو دونوں ہیں۔

⑫۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس قوم نے زکوٰۃ دینا بند کرلیا اللہ تعالیٰ ان کو قحط میں مبتلا کرتا ہے اور ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے۔ (طبرانی وحاکم وبیہقی)

⑬۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مال میں زکوٰۃ ملی ہوئی رہی وہ اس کو برباد کردیتی ہے۔ (بزار وبیہقی)

ف: زکوٰۃ ملنا یہ کہ اس میں زکوٰۃ فرض ہوجائے اور نکالی نہ جائے، اور برباد ہونا یہ کہ وہ مال جاتا رہے یا اس کی برکت جاتی رہے جیسے اگلی حدیث میں مذکور ہے۔

⑭۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مال خشکی میں یا دریا میں تلف ہوتا ہے زکوٰۃ نہ دینے سے ہوتا ہے۔ (طبرانی اوسط)

ف: اور اگر باوجود زکوٰۃ دینے کے شاذ نادر تلف ہوجاوے تو وہ حقیقت میں تلف نہیں ہے کیونکہ اس کا اجر آخرت میں ملے گا اور زکوٰۃ نہ دینے سے جو تلف ہو وہ سزا ہے اس پر اجر کا وعدہ نہیں۔

⑮۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور میری خالہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئیں کہ ہم نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ ہم نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا کیا تم کو اس سے ڈر نہیں لگتا کہ تم کو اللہ تعالیٰ آگ کے کنگن پہناوے، اس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ (احمد بسند حسن)

یہ سب روایتیں ترغیب وترہیب میں ہیں۔

ف: ان حدیثوں سے یہ اُمور ثابت ہوئے۔

الف۔ زکوٰۃ کی فرضیت اور فضیلت

ب۔ زکوٰۃ نہ دینے کا وبال اور عذاب، دنیا میں تو مال کی بربادی یا بے برکتی اور آخرت میں دوزخ۔

ج۔ زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز، روزہ وغیرہ بھی مقبول نہ ہونا۔

د۔ زکوٰۃ نہ دینے والے کی حالت منافق کے مشابہ ہونا جس کا بیان نمبر ۱۱ کے ذیل میں گذرا۔

ہ۔ زکوٰۃ کا حقوق العباد کے مشابہ ہونا جیسا کہ نمبر ۶ کے ذیل میں گذرا اس سے اس کی تاکید دوسری عبادتوں سے اور زیادہ بڑھ گئی۔ اب چند ضروری مضامین زکوٰۃ کے متعلق لکھتا ہوں۔

پہلا مضمون: جن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے وہ کئی چیزیں ہیں۔ ایک چاندی سونا خواہ روپیہ اشرفی، خواہ نوٹ کی شکل میں ہو، پھر خواہ اپنے قبضہ میں ہو خواہ کسی کے ذمہ اُدھار ہو جس کا اپنے پاس ثبوت ہو یا ادھار لینے والا اقراری ہو، خواہ چاندی سونے برتن یا زیور یا سچا گوٹہ ٹھپہ ہو۔ اگر صرف چاندی کی چیزیں ہوں اور وزن میں ساڑھے چون ۵۴ روپے کے برابر ہو جاوے اور اگر چاندی کے ساتھ کچھ سونے کی بھی چیزیں ہوں اور سونے کے دام چاندی کے وزن کے ساتھ مل کر وہی ساڑھے چون روپیہ کے برابر ہو جاوے تو جس دن سے ان چیزوں کا مالک ہوا ہے اس دن سے اسلامی سال گزرنے پر اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہوگی اور احتیاط یہ ہے کہ اگر پچاس روپیہ کے برابر بھی مالیت ہو تب بھی سوا روپیہ زکوٰۃ کا دے دے اور دوسری چیز جس میں زکوٰۃ فرض ہے سوداگری کا مال ہے۔ جب وہ قیمت میں اتنے کا ہو جس کا ابھی بیان ہوا ہے اور اس قیمت کی مقدار سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جن پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اتنے زیور سے یا سوداگری کی اتنی مالیت سے بہت کم گھر خالی ہوں گے مگر وہ اس سے غافل ہیں سو اس کا ضرور خیال کرنا چاہیے۔

تیسری چیز ایسے اونٹ یا گائے بھینس یا بھیڑ بکریاں ہیں جن کو صرف دودھ اور بچے حاصل کرنے کے لیے پالا ہوا اور وہ جنگل میں چرتے ہوں۔

چونکہ اس ملک میں اس کا رواج کم ہے لہٰذا ان کی تعداد جس میں زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے نہیں لکھی گئی جس کو ضرورت ہو عالموں سے پوچھ لے۔

چوتھی چیز عشری زمین کی پیداوار ہے، اس کے مسائل بھی عالموں سے پوچھ لیے جاویں۔

پانچویں چیز صدقہ فطر ہے جو عید کے دن زکوٰۃ والوں پر تو سب پر واجب ہے اور بعضے ایسے شخصوں پر بھی واجب ہے جن پر زکوٰۃ واجب نہیں، اس کو بھی کسی عالم سے پوچھ لیں، یہ اپنی طرف سے اور نابالغ بچوں کی طرف سے دینا چاہیے۔

دوسرا مضمون: سب سے زیادہ زکوٰۃ کے حق دار اپنے غریب رشتہ دار ہیں، خواہ بستی میں ہوں یا دوسری جگہ۔ ان کے بعد اپنی بستی کے دوسرے غریب، لیکن اگر دوسری بستی کے لوگ زیادہ غریب ہوں تو پھر ان ہی کا حق زیادہ ہے۔ مگر جن کو زکوٰۃ دینا ہو وہ نہ بنی ہاشم ہوں یعنی سید وغیرہ اور نہ زکوٰۃ دینے والے کے ماں باپ یا دادا دادی یا نانا نانی یا اولاد یا میاں بی بی لگتے ہوں، اور کفن یا مسجد میں لگانا بھی درست نہیں۔

البتہ میت والے کو اگر دے دے تو درست ہے۔ مگر پھر اس کو کفن میں لگانے نہ لگانے کا اختیار ہوگا اور اسی طرح ہر انجمن یا مدرسہ میں دینا درست نہیں جب تک مدرسہ والوں سے پوچھ نہ لے کہ تم زکوٰۃ کو کس طریقہ سے خرچ کرتے ہو اور پھر کسی عالم سے پوچھ لے کہ اس طریقہ سے خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

تیسرا مضمون: مسلمانوں کی زیادہ پریشانی ظاہری و باطنی کا سبب افلاس ہے اور زکوٰۃ اس کا کافی علاج ہے اگر مالدار فضول خرچی نہ کریں اور ہٹے کٹے محنت و مزدوری کرتے رہیں اور معذور لوگوں کی زکوٰۃ سے امداد ہوتی رہے تو مسلمانوں میں ایک بھی ننگا بھوکا نہ رہے۔ حدیث نمبر ۶ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں یہ مضمون صاف صاف مذکور ہے۔

روح پانزدہم

علاوہ زکوٰۃ کے اور نیک کاموں میں خرچ کرنا اور ہمدردی کرنا

یعنی زکوٰۃ دے کر بے فکر اور بے رحم نہ ہو جاوے کہ اب میرے ذمہ کسی کی کوئی ہمدردی لازم نہیں رہی زکوٰۃ تو ایک بندھا ہوا حق ہے باقی بہت سے متفرق کام ایسے بھی ہیں کہ موقع پر ان میں مال خرچ کرنا اور جس کے پاس مال نہ ہو یا اس میں مال کا کام نہ ہو تو جان سے مدد کرنا بھی ضروری ہے۔ باقی ضرورت کا درجہ اس کی تحقیق علماء سے ہو سکتی ہے۔ اس کی اجمالی دلیل ایک آیت اور حدیث سے لکھ کر پھر کچھ تفصیل لکھی جائے گی۔

اجمالی دلیل: ۱۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی کچھ حقوق ہیں پھر (اس کی تائید میں) آپ نے یہ آیت پڑھی: **لیس البر ان تولوا۔ الآیۃ** (البقرہ۔ آیت ۷۷) (تائید اس طرح ہوئی کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا اور خاص موقع پر مال دینے کا بھی ذکر فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ موقعے مال دینے کے زکوٰۃ کے علاوہ ہیں)۔ (ترمذی و ابن ماجہ و دارمی)

ف: یہ دعویٰ آیت اور حدیث دونوں سے ثابت ہو گیا۔ حاشیہ میں طیبی و مرقاۃ سے اس کی تفصیل کی کچھ مثالیں لکھی ہیں یعنی یہ کہ سائل کو اور قرض مانگنے والے کو محروم نہ کرے، برتنے کی چیز مانگی، دینے سے انکار نہ کرے۔ پانی، نمک، آگ وغیرہ خفیف چیزیں ویسے ہی دے دے۔ آگے آیتوں اور حدیثوں سے زیادہ تفصیل معلوم ہوگی۔

تفصیلی دلیلیں۔ آیات:

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں۔ (سیقول، آیت ۱۹۵)

۳۔ کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا (یعنی اخلاص کے ساتھ) الخ (سیقول، آیت ۲۴۵)

۴۔ تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔ (لن تنالوا شروع، آیت ۹۲)

۵۔ وہ (جنت) تیار کی گئی ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے، ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں۔ (لن تنالوا بعد ربع۔ آیت ۱۳۳و۱۳۴)

۶۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ (یعتذرون ربع اول آیت ۱۱۱)

۷۔ اور جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان (اللہ کی راہ میں) ان کو طے کرنے پڑے، یہ سب ان کے نام لکھا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔ (یعتذرون ربع اول۔ آیت ۱۲۱)

۸۔ اور قرابت دار کو اس کا حق دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی۔

(سبحان الذی ربع اول، آیت ۳۹)

۹۔ اور جو چیز تم خرچ کرو گے سو وہ اس کا عوض دے گا۔ (ومن یقنت بعد نصف، آیت ۳۹)

۱۰۔ اور وہ لوگ اللہ کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(تبارک الذی سورۂ دہر، آیت ۸)

ف: اور بھی بہت آیتیں ہیں جن میں زکوٰۃ کی قید نہیں، دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنے کا مضمون مذکور ہے۔ آگے احادیث ہیں۔

احادیث: ۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بیٹے آدم کے تو (نیک کام میں) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (بخاری ومسلم)

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ حرص (حب مال) سے بچو، اس حرص نے پہلے لوگوں کو برباد کردیا۔ (مسلم)

۳۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی حیات میں ایک درہم خیرات کرنا مرنے کے وقت سو درہم کے خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

۴۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیرات کرنے میں (حتی الامکان) جلدی کیا کرو کیونکہ بلا اس سے آگے نہیں بڑھنے پاتی (بلکہ رُک جاتی ہے)۔ (رزین)

ف: ثواب کے علاوہ یہ دنیا کا بھی فائدہ ہے۔

۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے خیرات کرے گا اور اللہ تعالیٰ پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے (داہنے ہاتھ کا مطلب اللہ ہی کو معلوم ہے) پھر اس کو بڑھاتا ہے جیسے تم میں کوئی اپنے بچھرے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیرات دینا مال کو کم نہیں ہونے دیتا خواہ آمدنی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے خواہ ثواب بڑھتا رہے۔ (مسلم)

۷۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی قسم کی بھلائی کو حقیر نہ سمجھنا گو اتنی سہی کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے خندہ پیشانی سے مل لو۔ (مسلم)

۸۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان کے ذمہ کچھ نہ کچھ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس (مال) موجود نہ ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں سے کچھ محنت کرے (اور مال حاصل کر کے) اپنے بھی کام میں لاوے اور صدقہ بھی کرے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر (معذوری کی وجہ سے) یہ بھی نہ کر سکے یا (اتفاق سے) ایسا نہ کرے، آپ نے فرمایا تو کسی

پریشان حاجت مند کی مدد کردے (یہ بھی صدقہ ہے)۔لوگوں نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے؟ آپ نے فرمایا کسی کو کوئی نیک بات بتلادے۔لوگوں نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے، آپ نے فرمایا کسی کو کوئی شر نہ پہنچاوے یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

ف: ان سب کو صدقہ اس وجہ سے فرمایا جیسا کہ صدقہ سے خلق کو نفع پہنچتا ہے ان کاموں سے بھی نفع پہنچتا ہے ورنہ صدقہ کے اصلی معنی تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ مال دینے کے ہیں اور نقصان نہ پہنچانے کو نفع پہنچانے میں داخل فرمانا کتنی بڑی رحمت ہے۔

۹۔و۔۱۰۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ لازم ہے۔دو شخصوں کے درمیان انصاف کردے یہ بھی صدقہ ہے، کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کردے یہ بھی صدقہ ہے، کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جاوے) یہ بھی صدقہ ہے، جو قدم نماز کی طرف اُٹھاوے وہ بھی صدقہ ہے۔کوئی تکلیف کی چیز راستہ سے ہٹادے یہ بھی صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

ف: مسلم کی ایک دوسری حدیث میں اس کی شرح آتی ہے کہ (گنتی کے قابل) انسان کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں جس شخص نے روزمرہ اتنی نیکیاں کرلیں اس نے اپنے کو دوزخ سے بچالیا۔

۱۱۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا صدقہ یہ ہے کہ کوئی اونٹنی دودھ والی کسی کو مانگی دے دی جاوے، اور (اسی طرح) بکری دودھ والی کسی کو مانگی دے دی جاوے (اس طرح کہ وہ اس کا دودھ پیتا رہے جب دودھ نہ رہے لوٹادے) جو ایک برتن صبح کو بھر دے ایک برتن شام کو بھر دے۔ (بخاری ومسلم)

۱۲۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی درخت لگادے یا کوئی کھیتی بودے پھر اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ، چرندہ یا جانور کھاوے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو اس

میں سے چوری ہو جاوے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

ف: حالانکہ مالک نے چور کو نفع پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا پھر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بدچلن عورت کی اس پر بخشش ہوگئی کہ اس کا ایک کتے پر گذر ہوا جو ایک کنویں کے کنارہ پر زبان لٹکائے ہوئے تھا، پیاس سے ہلاک ہونے کو تھا۔

اُس عورت نے اپنا چمڑے کا موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوڑھنی میں باندھا اور اس کے لیے پانی نکالا (اور اس کو پلایا) اس سے اُس کی بخشش ہوگئی۔ عرض کیا گیا کہ ہم کو جانوروں (کی خدمت کرنے) میں بھی ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا جتنے تَر کلیجے والے ہیں (یعنی جاندار ہیں) ان سب میں ثواب ہے۔ (بخاری و مسلم)

ف: مگر جو موذی جانور ہیں جیسے سانپ بچھو، ان کا حکم بخاری و مسلم کی دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کو قتل کر دو۔ (باب المحرم یجتنب الصید)

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا رحمٰن کی عبادت کرو اور کھانا کھلایا کرو اور سلام کو عام کرو (یعنی ہر مسلمان کو سلام کرو خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو) تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

۱۵۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب اپنے بھائی (مسلمان) کا سامنا (یعنی ملاقات) ہو اس وقت مسکرانا (جس سے وہ سمجھے کہ مجھ سے مل کر اس کو خوشی ہوئی ہے) یہ بھی صدقہ ہے اور کسی کو اچھی بات کا حکم کر دینا اور بُری بات سے منع کر دینا یہ بھی صدقہ ہے، اور راستہ بھول جانے کے مقام میں کسی کو راستہ بتلا دینا یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے اور کوئی پتھر، کانٹا، ہڈی راستہ سے ہٹا دینا یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے، اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں (پانی) اُنڈیل دینا یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ (ترمذی)

۱۶۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ اُم سعد (یعنی میری والدہ) مرگئیں سوکون سا صدقہ زیادہ فضیلت کا ہے (جس کا ثواب ان کو بخشوں) آپ نے فرمایا پانی، انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور یہ کہہ دیا کہ یہ (یعنی اس کا ثواب) اُم سعد کے لیے ہے۔ (ابوداؤد ونسائی)

۱۷۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کو اس کے ننگے ہونے (یعنی کپڑا نہ ہونے) کی حالت میں کپڑا دے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے سبز کپڑے دے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو (اس کے) بھوکے ہونے (یعنی کھانا نہ ہونے) کی حالت میں کھانا دے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل دے گا، اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کے وقت پانی پلا دے اس کو جنت کی مہر لگی ہوئی (یعنی نفیس) شراب سے پلاوے گا۔ (ابوداؤد ونسائی)

۱۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سات چیزیں ہیں جن کا ثواب بندہ کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور یہ قبر میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ جس نے علم (دین) سکھلایا یا کوئی نہر کھودی یا کوئی کنواں کھدوایا یا کوئی درخت لگایا یا کوئی مسجد بنائی یا کوئی قرآن چھوڑ گیا یا کوئی اولاد چھوڑی جو اس کے لیے مرنے کے بعد بخشش کی دعا کرے۔ (ترغیب از بزار وابونعیم)

اور ابن ماجہ نے بجائے درخت لگانے اور کنواں کھودنے کے صدقہ اور مسافر خانہ کا ذکر کیا ہے۔ (ترغیب) اس حدیث سے دینی مدرسہ کی اور رفاہِ عام کے کاموں کی فضیلت ثابت ہوئی۔

۱۹۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ فلانے کو بھی دیجئے حدیث کے آخر میں ہے کہ) پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بعض اوقات) کسی شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے (مگر) اس اندیشہ سے (دیتا ہوں) کہ اس کو اگر نہ ملے تو وہ اسلام پر قائم نہ رہے اور (اس وجہ سے) اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دے کیونکہ بعضے نومسلم اول میں مضبوط نہیں ہوتے اور تکلیف کی سہار نہیں کر سکتے، ان

کے اسلام سے پھر جانے کا شبہ رہتا ہے تو ان کو آرام دینا ضروری ہے۔ (عین مسلم)

ف: اس حدیث سے نومسلموں کی امداد کرنے کی اور ان کو آرام پہنچانے کی فضیلت ثابت ہوئی۔

۲۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس نے مجھ کو سچا دین دے کر بھیجا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو عذاب نہ دے گا جس نے یتیم پر رحم کیا اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کی اور اس کی یتیمی اور بے چارگی پر ترس کھایا۔ (ترغیب از طبرانی)

ف: اس حدیث سے یتیم خانوں کی امداد کی بھی فضیلت معلوم ہوئی۔

خلاصہ: یہ دس آیتیں اور بیس حدیثیں ہیں جو مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں بجز دو تین کے کہ ان میں دوسری کتاب کا نام لکھ دیا ہے۔ ان سے بہت سے مواقع مخلوق کو نفع پہنچانے کے معلوم ہوئے اور ایسے ہی اور بہت کام ہیں جو سب کے سب ایک آیت اور ایک حدیث میں جمع ہیں۔

آیت: ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں۔ (مائدہ، آیت ۲)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب آدمیوں سے زیادہ پیارا وہ ہے جو آدمیوں کو زیادہ نفع پہنچاوے۔ (ترغیب عن الاصبہانی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔

رُوح شانزدہم

ملقب بہ باب الریان

روزے رکھنا، خاص کر فرض روزے رمضان کے اور واجب روزے رکھنا، روزہ بھی مثل نماز زکوٰۃ کے اسلام کا ایک رکن یعنی بڑی شان کا ایک لازمی حکم ہے۔ چنانچہ:

۱۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا۔ (البقرہ، آیت ۱۸۳)

اور ۲۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔ الخ (یہ وہ حدیث ہے جو روح چہاردہم کے نمبر ۹ میں گذر چکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز و زکوٰۃ و حج سب کرتا ہو مگر روزہ نہ رکھتا ہو تو اس کی نجات کے لیے کافی نہیں)۔ روزہ میں ایک خاص بات ایسی ہے جو کسی عبادت میں نہیں۔ وہ یہ ہے کہ چونکہ روزہ ہونے یا نہ ہونے کی بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو خبر نہیں ہوسکتی، اس لیے روزہ وہی رکھے گا جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوگا اور اگر فی الحال اس میں کچھ کمی بھی ہوگی تو تجربہ سے ثابت ہے کہ محبت و عظمت کے کام کرنے سے محبت و عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے روزہ رکھنے سے یہ کمی پوری ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت ہوگی وہ دین میں کتنا مضبوط ہوگا تو روزہ رکھنے میں دین کی مضبوطی کی خاصیت ثابت ہوگئی۔ اگلی دو حدیثوں میں اسی بات کو اس طرح فرمایا ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدمی کے سب عمل اس کے لیے ہیں مگر روزہ کہ وہ خاص میرے لیے ہے۔ (بخاری)

۴۔ ایک اور روایت میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ روزہ دار اپنا کھانا، اپنا پینا، اپنی نفسانی خواہش (جو بی بی سے متعلق ہے) میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ (بخاری)

اور اس حدیث کی تفصیل ایک دوسری حدیث میں آئی ہے۔

۵۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمایا کہ وہ کھانا میرے لیے چھوڑ دیتا ہے اور پینا میرے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اپنی لذت میرے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اپنی بی بی کو میرے لیے چھوڑ دیتا ہے (یعنی اپنی خواہش اس سے پوری نہیں کرتا)۔ (ابن خزیمہ)

ف: ان حدیثوں سے اوپر والی بات ثابت ہوگئی اور اسی لیے روزہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی چیز فرمایا جیسا نمبر ۳ میں گذرا اور اسی خصوصیت مذکورہ کے سبب روزے کو اگلی حدیث میں بڑی تاکید سے سب عملوں میں بے نظیر فرمایا، چنانچہ:

۶۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجئے۔ فرمایا روزہ کو لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برابر نہیں۔ میں نے (دوبارہ) عرض کیا، یارسول اللہ مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجئے۔ فرمایا روزہ کو لو کیونکہ کوئی عمل اس کے مثل نہیں۔ میں نے (تیسری بار) پھر عرض کیا یارسول اللہ مجھ کو کسی بڑے عمل کا حکم دیجئے فرمایا روزہ کو لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برابر نہیں۔ (نسائی وابن خزیمہ)

ف: یعنی بعض خصوصیتوں میں بے مثل ہے مثلاً خصوصیت مذکورہ میں اور روزہ میں جو حق تعالیٰ کی محبت اور خوف کی خاصیت ہے روزہ دار اگر اس کا خیال رکھے تو ضرور گناہوں سے بچے گا کیونکہ گناہ محبت اور خوف کی کمی ہی سے ہوتا ہے اور جب گناہوں سے بچے گا تو دوزخ سے بھی بچے گا۔ اگلی حدیث کا یہی مطلب ہے۔

۷۔ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا روزہ ایک ڈھال ہے اور ایک مضبوط قلعہ ہے، دوزخ سے (بچانے کے لیے) (احمد اور بیہقی) اور جس طرح روزہ گناہوں سے بچاتا ہے جو کہ باطنی بیماریاں ہیں، اسی طرح بہت سی ظاہری بیماریوں سے بچاتا ہے کیونکہ زیادہ تر بیماریاں کھانے پینے کی زیادتی سے ہوتی ہیں۔ روزہ سے ان میں کمی ہوگی تو ایسی بیماریاں بھی نہ آویں گی، اگلی حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے کی ایک زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ (ابن ماجہ)

ف: یعنی جس طرح زکوٰۃ میں مال کا میل کچیل نکل جاتا ہے اسی طرح روزہ میں بدن

کا میل کچیل یعنی مادہ فاسدہ جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے دور ہو جاتا ہے اور اگلی حدیث میں یہ مضمون بالکل ہی صاف آیا ہے۔

۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ رکھا کرو تندرست رہو گے (طبرانی) اور روزہ سے جس طرح ظاہری و باطنی مضرت زائل ہوتی ہے اسی طرح اس سے ظاہری و باطنی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ:

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کو دو خوشیاں (نصیب) ہوتی ہیں، ایک تو جب افطار کرتا ہے (یعنی روزہ کھولتا ہے تو اپنے افطار پر (خوش ہوتا ہے (چنانچہ ظاہر ہے) اور جب اپنے پروردگار سے ملے گا (اس وقت اپنے روزہ پر) خوش ہوگا۔ (بخاری) اور رمضان میں ایک دوسری عبادت اور بھی مقرر کی گئی ہے یعنی تراویح میں قرآن پڑھنا اور سننا جو کہ سنت مؤکدہ ہے بعضی باتیں اس میں روزے کی سی ہیں مثلاً نیند جو کہ کھانے پینے کی طرح نفس کو پیاری چیز ہے تراویح سے اس میں کسی قدر کمی ہوتی ہے اور مثلاً اس کم سونے کی بھی پوری خبر کسی کو نہیں ہو سکتی چنانچہ بہت دفعہ آدمی نماز میں سو جاتا ہے اور دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ جاگ رہا ہے۔ اور مثلاً بعض دفعہ سجدہ میں نیند آ جانے سے بدن ایسی وضع پر ہو جاتا ہے کہ اس وضع پر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جب وضو نہ رہا، نماز بھی نہ رہی، مثلاً وضو بھی نہ ٹوٹا مگر سوتے ہوئے جس قدر حصہ نماز کا ادا ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہوا۔ تو ایسی حالتوں میں نیند جیسی پیاری چیز کو دفع کرنا یا تازہ وضو کر کے اس نماز کو لوٹانا یا نماز کے اس حصہ کو لوٹانا جو سوتے میں ادا ہوا ہے وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف ہوگا۔

پس روزہ کی طرح اس عبادت یعنی تراویح میں قرآن پڑھنے اور سننے میں بھی زیادہ دکھلاوا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک شان کی دو عبادتیں جمع فرما دیں ایک دن میں ایک رات میں، اگلی دو حدیثوں میں اسی کا ذکر ہے۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض فرمایا اور میں نے رمضان کی شب بیداری کو (تراویح و قرآن کے

لیے) تمہارے واسطے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) سنت بنایا۔ (جو مؤکدہ ہونے کے سبب وہ بھی ضروری ہے) جو شخص ایمان سے اور ثواب کے اعتقاد سے رمضان کا روزہ رکھے اور رمضان کی شب بیداری کرے وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح نکل جائے گا جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ (نسائی)

۱۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندہ کی شفاعت (یعنی بخشش کی سفارش) کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار میں نے اس کو کھانے اور نفسانی خواہش سے روکے رکھا سو اس کے حق میں میری سفارش قبول کیجئے اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو (پورا) سونے سے روکے رکھا سو اس کے حق میں میری سفارش قبول کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی سفارش قبول کرلی جائے گی۔ (احمد وطبرانی فی الکبیر وابن ابی الدنیا وحاکم)

ف: دونوں حدیثیں ملانے سے صیام وقیام میں مناسبت جس کی تفصیل ابھی اوپر آئی ہے ظاہر ہے یہاں تک مضمون کا ایک سلسلہ تھا آگے متفرق طور پر لکھا جاتا ہے۔

آیت: ۱۳۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ایک لمبی آیت میں) اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں (آخر میں ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب تیار کیا ہے۔ (احزاب)

احادیث: ۱۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک لمبی حدیث میں) فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو (جو فاقہ سے پیدا ہوجاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہے۔ (بخاری)

ف: اس بدبو کا اصلی سبب چونکہ معدہ ہے اس لیے یہ مسواک سے بھی نہیں جاتی ہاں کچھ کم ہوجاتی ہے۔

۱۵۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے (ایک لمبی حدیث میں جس میں اعمال کے ثواب کی مختلف مقداریں آئی ہیں) ارشاد فرمایا کہ روزہ خاص اللہ ہی کے لیے ہے اس پر عمل کرنے والے کا ثواب (غیر محدود ہے اس کو) کوئی شخص نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔ (طبرانی فی الاوسط وبیہقی)

۱۶۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر ان میں کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا یہاں تک کہ رمضان کی آخری رات ہو جاتی ہے اور کوئی ایماندار بندہ ایسا نہیں جو ان راتوں میں سے کسی رات میں نماز پڑھے (مراد وہ نماز ہے جو رمضان کے سبب ہو جیسے تراویح) مگر اللہ تعالیٰ ہر سجدہ کے عوض ڈیڑھ ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر سُرخ یاقوت سے بناتا ہے جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے۔ ان میں سے ہر دروازہ کے متعلق ایک محل سونے کا ہوگا جو سُرخ یاقوت سے آراستہ ہوگا۔ پھر جب رمضان کے پہلے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اس کے سب گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (جو) رمضان (گذشتہ) کے ایسے ہی دن تک (ہوئے ہوں یعنی اس رمضان کی پہلی تاریخ سے پہلے رمضان کی پہلی تاریخ تک) اور ہر روز صبح کی نماز سے لے کر آفتاب کے چھپنے تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دُعا کرتے ہیں اور یہ جتنی نمازیں رمضان کے مہینے میں پڑھے گا خواہ دن کو خواہ رات کو ہر سجدہ کے عوض ایک درخت ملے گا جس کے سایہ میں سوار پانچ سو برس تک چل سکے گا۔ (بیہقی)

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں خطبہ پڑھا اور فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس ایک بڑا اور برکت والا مہینہ آ پہنچا (یعنی رمضان) ایسا مہینہ جس میں ایک رات ہے جو (ایسی ہے جس میں عبادت کرنا) ایک ہزار مہینہ تک عبادت کرنے سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض کیا ہے اور اس کی شب بیداری یعنی تراویح کو فرض سے کم (یعنی سنت) کیا ہے۔ جو شخص اس میں کسی نیک کام سے جو فرض نہ ہو اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرے وہ ایسا ہوگا جیسے اس کے سوا کسی دوسرے زمانہ میں ایک فرض ادا کرے اور جو کوئی اس میں کوئی فرض ادا

کرے وہ ایسا ہوگا جیسے اس کے سوا کسی دوسرے زمانہ میں ستر فرض ادا کرے۔

(آگے ارشاد ہے کہ) جو شخص اس میں کسی روزہ دار کا روزہ کھلوادے (یعنی کچھ افطاری دے دے) یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا اور دوزخ سے اس کے چھٹکارے کا ذریعہ ہو جائے گا اور اس کو بھی اس روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا اس طرح سے کہ اس کا ثواب بھی نہ گھٹے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں ہر شخص کو تو اتنا میسر نہیں جس سے روزہ دار کا روزہ کھلوا سکے۔ (یہ پوچھنے والے روزہ کھلوانے کا مطلب یہ سمجھے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دیتا ہے جو کسی کا روزہ ایک چھوارے پر یا پیاس بھر پانی پر یا دودھ کی لسی پر (جو دودھ میں پانی ملا کر بنائی جاتی ہے) کھلوادے۔ الخ (ابن خزیمہ) اور رمضان کے متعلق ایک تیسری عبادت اور بھی ہے یعنی اعتکاف، رمضان کے اخیر دس دن میں جو ایسی سنت ہے کہ سب کے ذمہ ہے لیکن اگر بستی میں ایک بھی کر لے تو سب کی طرف سے کافی ہے اور اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ یہ ارادہ کر کے مسجد میں پڑا رہے کہ اتنے دن تک بدون پیشاب یا پاخانہ وغیرہ کی مجبوری کے یہاں سے نہ نکلوں گا اور روزہ اور تراویح کی طرح اس میں بھی نفس کی ایک پیاری چیز چھوٹتی ہے یعنی کھلے مہار پھرنا اور اسی طرح اس میں بھی دکھلاوا نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی کو کیا خبر کہ مسجد میں کسی خاص نیت سے بیٹھا ہے یا ویسے ہی آ گیا ہے۔ آگے اس کی فضیلت کا ذکر ہے۔

۱۸۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان میں دس روز کا اعتکاف کرے دو حج اور دو عمرہ جیسا (ثواب) ہوگا۔ (بیہقی)

۱۹۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے حق میں فرمایا کہ وہ تمام گناہوں سے رُکا رہتا ہے اور اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے کوئی تمام نیکیاں کر رہا ہو۔ (مشکوٰۃ از ابن ماجہ)

اور ایک فضیلت اسمیں یہ بھی ہے کہ اسمیں مسجد میں حاضر رہنا پڑتا ہے، اور مسجد میں حاضر رہنے کی فضیلت روح دوازدہم میں گذر چکی ہے البتہ

وفی قوله تعالیٰ ولا تباشروهن وانتم عاكفون فی المساجد اشارة لطيفة الیٰ تخصيص الرجال بالمساجد حيث خص بالخطاب من يتصور مباشرة النساء وماهم الاالرجال. ۱۲

عورتیں گھر ہی میں اپنی نماز پڑھنے کی جگہ اعتکاف کریں اور یہ سب عبادتیں جس دن ختم ہوتی ہیں یعنی عید کا دن اس کی بھی فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ

۲۰۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید کا دن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ انہوں نے میرا فرض ادا کیا پھر دُعا کے لیے نکلے ہیں، اپنی عزت وجلال اور کرم وشانِ بلند کی قسم میں ضرور ان کی عرض قبول کروں گا۔

پھر فرماتا ہے کہ واپس جاؤ میں نے تم کو بخش دیا اور تمہاری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا پس وہ بخشے بخشائے واپس آتے ہیں۔ (مشکوٰۃ از بیہقی)

آخر کی دو حدیثیں تو مشکوٰۃ کی ہیں باقی سب ترغیب سے ہیں۔

رُوح ہفتدہم

(سیاق ھذا الروح کسیاق روح الصوم سواء بسواء فانظروا تفرح ۱۲)

ملقب بہ بیت الرّیان

(لقب بہ یلقب خاص لماقبلہ کما قبلہ ۱۲)

حج کرنا (جس شخص میں شرطیں پائی جاویں ان پر فرض ہے اور دوسروں کے لیے نفل) اور حج بھی مثل نماز وزکوٰۃ وروزہ کے اسلام کا ایک رکن یعنی بڑی شان کا ایک لازمی حکم ہے۔ چنانچہ:

ا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان (یعنی کعبہ کا) حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے (ذمہ) جو کہ طاقت رکھے وہاں تک (پہنچنے کی) سبیل (یعنی سامان) کی۔ (لن تنالوا) اور

۲۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے الخ (یہ وہ حدیث ہے جو روح چہار دہم کے نمبر ۹ میں گذر چکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز وزکوٰۃ روزہ سب کرتا ہو مگر حج فرض نہ کیا ہو تو اس کی نجات کے لیے کافی نہیں، اور حج میں ایک خاص بات ایسی ہے جو اور عبادتوں میں نہیں، وہ یہ ہے کہ اور عبادتوں کے افعال میں کچھ عقلی مصلحتیں بھی سمجھ میں آ جاتی ہیں مگر حج کے افعال میں بالکل عاشقانہ شان ہے تو حج وہی کرے گا جس کا عشق عقل پر غالب ہوگا اور اگر فی الحال اس میں کمی بھی ہوگی تو تجربہ سے ثابت ہے کہ عاشقانہ کام کرنے سے عشق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے حج کرنے سے یہ کمی پوری ہو جائے گی اور خاص کر جب ان کاموں کو اسی خیال سے کرے اور ظاہر ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا عشق ہوگا وہ دین میں کتنا مضبوط ہوگا تو حج کرنے میں دین کی مضبوطی کی خاصیت ثابت ہوگئی (ایسی ہی تقریر روزہ کے بیان میں گذری ہے۔) اگلی حدیثوں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کے گرد پھرنا اور صفا مروہ کے درمیان پھیرے کرنا اور کنکریوں کا مارنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی یاد کے قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ (عین ابوداؤد باب الرمل)

ف: یعنی گوظاہر والوں کو تعجب ہوسکتا ہے کہ اس گھومنے دوڑنے کنکریاں مارنے میں عقلی مصلحت کیا ہے؟ مگر تم مصلحت مت ڈھونڈو، یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس کے کرنے سے اس کی یاد ہوتی ہے اور اس سے علاقہ بڑھتا ہے اور محبت کا امتحان ہوتا ہے کہ جو بات عقل میں بھی نہیں آئی حکم سمجھ کر اس کو بھی مان لیا پھر محبوب کے گھر کے بل بل قربان ہونا اس کے کوچہ میں دوڑے دوڑے پھرنا کھلم کھلا عاشقانہ حرکات ہیں۔

۴۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ماں باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ (اب طواف میں) شانے ہلاتے ہوئے دوڑنا اور شانوں کو چادرہ سے باہر نکال لینا کس وجہ سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو (مکہ میں) قوت دے دی اور کفر کو اور کفر والوں کو مٹا دیا (اور یہ فعل شروع ہوا تھا ان ہی کو اپنی قوت دکھلانے کے لیے جیسا روایات میں آیا ہے) اور باوجود اس کے (کہ اب مصلحت نہیں رہی مگر) ہم اس فعل کو نہ چھوڑیں گے جس کو ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں (آپ کے اتباع اور حکم سے کرتے تھے) کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر حجۃ الوداع میں عمل فرمایا جب کہ مکہ میں ایک بھی کافر نہ تھا۔ (عین ابوداؤد باب الرمل)

ف: اگر حج میں عاشقی کا رنگ غالب نہ ہوتا تو جب عقلی ضرورت ختم ہوگئی تھی یہ فعل بھی موقوف کر دیا جاتا۔

۵۔ حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجرِ اسود کی طرف آئے اور اس کو بوسہ دیا اور فرمایا میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ (کسی کو) نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ تجھ کو بوسہ دیتے تھے تو میں (کبھی) تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (عین ابوداؤد باب تقبیل الحجر)

ف: محبوب کے علاقہ کی چیز کو چومنے کا سبب بجز عشق کے اور کون سی مصلحت ہوسکتی ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس قول سے یہ بات ظاہر کر دی کہ مسلمان حجرِ اسود کو معبود نہیں سمجھتے کیونکہ معبود تو وہی ہوتا ہے جو نفع و ضرر کا مالک ہو۔

۶۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کی طرف رُخ کیا پھر اس پر اپنے دونوں لب (مُبارک) ایسی حالت میں

رکھے کہ بڑی دیر تک روتے رہے پھر جو نگاہ پھیری تو دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رو رہے ہیں آپ نے فرمایا اے عمر! اس مقام پر آنسو بہائے جاتے ہیں۔

(ابن ماجہ وابن خزیمہ وحاکم وبیہقی)

ف: محبوب کی نشانی کو پیار کرتے ہوئے رونا صرف عشق سے ہو سکتا ہے۔ خوف وغیرہ سے نہیں ہو سکتا اور افعالِ عاشقانہ تو ارادہ سے بھی ہو سکتے ہیں مگر رونا بدونِ جوش کے نہیں ہو سکتا۔ پس حج کا تعلق عشق سے ہے اس حدیث سے اور زیادہ ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک لمبی حدیث) میں فرمایا کہ جب عرفہ کا دن ہوتا ہے (جس میں حاجی لوگ عرفات میں ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان لوگوں پر فخر کے ساتھ فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس دور دراز راستہ سے اس حالت میں آئے ہیں کہ پریشان حال ہیں اور غبار آلود بدن ہے اور دھوپ میں چل رہے ہیں میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ (بیہقی وابن خزیمہ)

ف: اس صورت کا عاشقانہ ہونا ظاہر ہے اور فخر کے ساتھ اس کا ذکر فرمانا اس عاشقانہ صورت کے پیاری ہونے کو بتلا رہا ہے۔ یہ چند حدیثیں حج میں عاشقی کی شان ہونے کی تائید میں بطورِ نمونہ کے لکھ دی گئیں ورنہ حج کے سارے افعال کھلم کھلا اسی عاشقانہ رنگ کے ہیں یعنی مزدلفہ عرفات کے پہاڑوں میں پھرنا، لبیک کہنے میں چیخنا پکارنا، ننگے سر پھرنا، اپنی زندگی کو موت کی شکل بنا لینا یعنی مُردوں کا سا لباس پہننا، ناخن بال تک نہ اکھاڑنا، جوں تک کو نہ مارنا جس سے دیوانوں کی سی صورت بھی ہو جاتی ہے۔ سر منڈانا کسی جانور کا شکار نہ کرنا خاص حد کے اندر درخت نہ کاٹنا گھاس تک نہ توڑنا جس میں کوچہ محبوب کا ادب بھی ہے۔ یہ کام عاقلوں کے ہیں یا عاشقوں کے؟ اور ان میں بعض افعال جو عورتوں کے لیے نہیں ہیں اس میں ایک خاص وجہ ہے یعنی پردہ کی مصلحت اور خانہ کعبہ کے گرد گھومنا اور صفا مروہ کے بیچ میں دوڑنا اور خاص نشانوں پر کنکر پتھر مارنا اور حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور زار زار رونا اور خاک آلودہ دھوپ میں جلتے ہوئے عرفات میں حاضر ہونا، ان کے عاشقانہ افعال ہونے کا ذکر اوپر حدیثوں میں آ چکا ہے اور جس طرح حج میں عشق و محبت کا رنگ ہے اس کے ادا کا جس

مقام سے تعلق ہے یعنی مکہ معظمہ مع اپنے تعلقات کے اس میں بھی محبت کی شان رکھی گئی ہے جس سے حج کا وہ رنگ اور تیز ہو جائے۔ چنانچہ آیت میں ہے۔

۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی کہ میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب آباد کرتا ہوں آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیجئے۔ (سورۂ ابراہیم مختصراً آیت ۳۷)

ف: اس دعا کا وہ اثر آنکھوں سے نظر آتا ہے جس کو ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے۔

۹۔ کوئی مومن ایسا نہیں جس کا دل کعبہ کی محبت میں پھنسا ہوا نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ دیتے کہ "لوگوں کے قلوب" تو یہود و نصاریٰ کی وہاں بھیڑ ہو جاتی لیکن انہوں نے اہل ایمان کو خاص کر دیا (کہ "کچھ لوگوں کے قلوب کہہ دیا) (عین درمنثور) اور حدیث میں ہے، چنانچہ:

(حیث قال من الناس ۱۲)

۱۰۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ہجرت کے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کر کے) فرمایا تو کیسا کچھ ستھرا شہر ہے اور میرا کیسا کچھ محبوب ہے اور اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے جدا نہ کرتی تو میں اور جگہ جا کر نہ رہتا۔ (عین مشکوٰۃ از ترمذی)

ف: اور جب ہر مومن کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے تو آپ کے محبوب شہر یعنی مکہ معظمہ سے بھی ضرور محبت ہوگی تو مکہ سے محبت دو پیغمبروں کی دعا کا اثر ہوا، یہ تو حج کی اور مقام کی دینی فضیلت تھی جو کہ اصلی فضیلت ہے اور بعضی دنیوی منفعتیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہیں گو حج میں انکی نیت نہ ہونی چاہیے مگر وہ خود حاصل ہوتی ہیں، چنانچہ آگے دو آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے۔

۱۱۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مقام ہے لوگوں کی مصلحت قائم رہنے کا سبب قرار دیا۔ الخ (مائدہ، آیت ۹۷)

ف: مصلحت عام لفظ ہے سو کعبہ کی دینی مصلحتیں تو ظاہر ہیں، اور دنیوی مصلحتیں بعضی یہ ہیں۔ اس کا جائے امن ہونا، وہاں ہر سال مجمع ہونا جس میں مالی ترقی اور قومی اتحاد بہت سہولت سے میسر ہو سکتا ہے اور اس کے بقا تک عالم کا باقی رہنا حتیٰ کہ جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے

قریب ہی قیامت آ جاوے گی جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (بیان القرآن بحاصلہ)

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے حج کے لیے لوگوں کے آنے کی حکمت میں یہ ارشاد فرمایا تا کہ اپنے (دینی و دنیوی) فوائد کے لیے آ موجود ہوں (مثلاً آخرت کے منافع یہ ہیں حج و ثواب و رضائے حق اور دنیوی فوائد یہ ہیں قربانی کا گوشت کھانا اور تجارت و مثل ذالک) (الحج، آیت ۲۸) چنانچہ:

۱۳۔ حضرت ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے (کذا فی الروح بیان القرآن) اور حج کے رنگ کی ایک دوسری عبادت اور بھی ہے یعنی عمرہ جو کہ سنت مؤکدہ ہے جس کی حقیقت حج ہی کے بعضے عاشقانہ افعال ہیں۔ اسی لیے اس کا لقب حجِ اصغر ہے، چنانچہ:

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (عین در منثور عین ابن ابی شیبہ) مگر یہ حج کے زمانے میں بھی ہوتا ہے جس سے دو عبادتیں ایک شان کی جمع ہو جاتی ہیں اور دوسرے زمانے میں بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک مضمون کا ایک سلسلہ تھا آگے متفرق طور پر لکھا جاتا ہے۔

۱۵۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (جب حج یا عمرہ کرنا ہو تو اس) حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے (خوش کرنے کے) واسطے پورا پورا ادا کیا کرو (کہ افعال و شرائط بھی سب بجالاؤ اور نیت بھی خالص ثواب کی ہو)۔ (بیان القرآن)

۱۷۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی ظاہری مجبوری یا ظالم بادشاہ یا کوئی معذور کر دینے والی بیماری حج سے روکنے والی نہ ہو اور وہ پھر بے حج کیے مر جائے اس کو اختیار ہے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (عین مشکوٰۃ از دارمی)

ف: فرض حج نہ کرنے میں کتنی سخت دھمکی ہے۔

۱۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حج اور عمرہ میں اتصال کر لیا کرو (جب کہ زمانہ حج کا ہو) دونوں افلاس کو اور گناہوں کو دور کرتے ہیں جیسا بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کو دور کرتی ہے۔ (بشرطیکہ کوئی دوسرا امر اس کے خلاف اثر کرنے والا نہ پایا جائے) اور جو حج احتیاط سے کیا

جائے اس کا عوض بجز جنت کے کچھ نہیں۔ (عین مشکوٰۃ از ترمذی ونسائی)

ف: اس میں حج وعمرہ کا ایک دینی نفع مذکور ہے اور ایک دنیوی نفع اور گناہ سے مراد حقوق اللہ ہیں کیونکہ حقوق العباد تو شہادت سے معاف نہیں ہوتے۔ (الحدیث الا الدین کما فی المشکوٰۃ عن مسلم)

(وما وردفي ضمان لتبعات فبعد بثوته كما ترددفي ثبوته صاحب الترغيب يحمل على غير الماليات كالا غتباب و نحوه والله اعلم ۱۲)

۱۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔

اگر وہ دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر وہ اس سے مغفرت چاہتے ہیں وہ ان کی مغفرت کرتا ہے۔ (عین مشکوٰۃ از ابن ماجہ)

۲۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج کرنے یا عمرہ کرنے یا جہاد کرنے چلا، پھر وہ راستہ ہی میں (ان کاموں کے کرنے سے پہلے) مر گیا اللہ تعالیٰ اس کیلئے غازی اور حاجی اور عمرہ والے کا ثواب لکھے گا۔ (عین مشکوٰۃ از بیہقی)

اور حج کے متعلق ایک تیسرا عمل اور بھی ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ شریفہ کی زیارت جو اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے اور حج میں عشق الٰہی کی شان بھی اس زیارت میں عشقِ نبوی کی شان ہے اور جب حج سے عشقِ الٰہی میں ترقی ہوئی اور زیارت سے عشقِ نبوی میں، جس کے دل میں اللہ و رسول کا عشق ہوگا وہ دین میں کتنا مضبوط ہوگا؟ (اس شان عشقی کا پتہ اس حدیث سے چلتا ہے۔)

۲۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو شخص حج کر کے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے وہ ایسا ہے جیسے میری حیات میں میری زیارت کرے۔ (عین مشکوٰۃ از بیہقی)

ف: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں زیارتوں کو برابر فرمایا اور جب کسی خاص بات کی تخصیص نہیں تو ہر اثر میں برابر ہوں گی اور ظاہر ہے کہ آپ کی حیات میں آپ کی زیارت ہوتی تو کس قدر آپ کا عشق قلب میں پیدا ہوتا تو وفات کے بعد زیارت کرنے کا

بھی وہی اثر ہوگا اور حدیث تو اس دعوے کی تائید کے لیے لکھ دی ورنہ اس زیارت کا یہ اثر زی عشق نبوی کھلم کھلا آنکھوں سے نظر آتا ہے اور جس طرح حج کے مقام یعنی مکہ معظمہ میں محبت کی شان رکھی گئی ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا اسی طرح اس زیارت کے مقام یعنی مدینہ منورہ میں محبت کی شان رکھی گئی ہے، چنانچہ:

۲۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ انہوں نے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی ہے اور میں تجھ سے مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں وہ بھی اور اتنی ہی اور بھی۔ (مشکوٰۃ از مسلم)

ف: نمبر ۸ میں گذرا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے لیے محبوبیت کی دعا فرمائی ہے تو مدینہ منور کے لیے دوگنی محبوبیت کی دعا ہوگی۔

۲۳۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ مدینہ کو ہمارا محبوب بنا دے جیسے ہم مکہ سے محبت کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ الخ (مشکوٰۃ از بخاری ومسلم)

۲۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو سواری کو تیز کر دیتے مدینہ کی محبت کے سبب۔ (مشکوٰۃ از بخاری)

ف: محبوب کا محبوب جب محبوب ہوتا ہے تو ضرور سب مسلمانوں کو مدینہ سے محبت ہوگی۔

۲۵۔ حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روئے زمین میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں مجھ کو اپنی قبر ہونا مدینہ سے زیادہ پسند ہو یہ بات تین بار فرمائی۔ (مشکوٰۃ از مالک)

اس میں یہ بھی تقریر ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور حج وزیارت سے محبت کا بڑھ جانا اور خود حج وزیارت کی اور ان کے مقاموں کی بھی محبت ہر ایمان والے کے دل میں ہونا دلیل کا محتاج نہیں اور اس محبت کا جو اثر دین پر پڑتا ہے اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ پس اے مقدور والے مسلمانو اس دولت کو نہ چھوڑو۔ (والروایات ماخوذۃ من کتب مختلفۃ وصرح باسامیھا عند کل)

رُوح ہشدہم

ملقب بہ لقب عیش الحیان

(لقب بلقب خاص کما قبله وما قبله ولقبت الا ضحية بالحيان لهلا كها صورة واثبت لها العيش لبقاء هااجرافقيه صنعة التقابل وفى الاجزاء الاولىٰ من هذه الالقاب لطيفة اتفاقية وهى ان الباب كالمقدمة للبيت والبيت كالمقدمة للعيس ووقعت الاجزاء بهذا الترتيب و وقوع القافية فى الثلثة لطيفة اُخرى ومحبنى الاحرف اللمتازة من الحاء والدال والراء فى الاجزاء الثلثة من القاب بترتيب خاص حيث جاء الاول فى الاخر و الاخر فى الاول والاوسط فى الاوسط وفى كل اثنين منها فصل حرف واحد لطيفة ثالثه ويحبنى الحرف الاول فى الجزء الاخر وبالعكس ناسب كون الجزء الاخر مقد ما من حيث كونه مقصود اوكون الجزء الاول مؤخرا من حيث كونه مقدمة وهذه لطيفه رابعة فصارت الالقاب دات لطائف ۱۲)

قربانی کرنا جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اس کا بیان کہ زکوٰۃ کس پر فرض ہوتی ہے روح چہاردہم کے اخیر حصہ کے پہلے مضمون میں گذر چکا ہے اور بعضے ایسے شخص پر بھی واجب ہے جس پر زکوٰۃ فرض نہیں، اس کو کسی عالم سے زبانی پوچھ لے اور جس پر قربانی واجب نہ ہو اگر وہ بھی کرے یا اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے بھی کرے تو اس کو بھی بہت ثواب ملتا ہے اور اگر کسی مرے ہوئے کی طرف سے کرے تو اس مرے ہوئے کو بھی بہت ثواب ملتا ہے۔ اب اس کے متعلق آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

آیات: ا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر (یعنی گائے، اونٹ، بکری، بھیڑ پر) اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔ (الحج، آیت ۳۴) (اور یہ وہ جانور ہیں جن کا ذکر دوسری آیت میں

مع ان کے کھانے کے حلال ہونے کے اس طرح آیا ہے کہ) آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم (یعنی نر و مادہ اور بھیڑ میں دُنبہ بھی آ گیا) اور بکری میں وہی دو قسم اور اُونٹ میں وہی دو قسم اور گائے میں وہی دو قسم (اور گائے میں بھینس بھی آ گئی)۔ (سورۂ انعام، آیت ۱۴۳ او ۱۴۴) (پھر ارشاد ہے) اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے (کہ ان کی قربانی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دین کی رفعت ظاہر ہوتی ہے اور اس حکمت کے علاوہ) ان (جانوروں) میں تمہارے اور بھی فائدے ہیں (مثلاً دنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور اُخروی فائدہ ثواب۔) (الحج، آیت ۳۶) (پھر ارشاد ہے) اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ (اور اخلاص) پہنچتا ہے۔ (پھر ارشاد ہے) اور اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ (الحج، آیت ۳۷)

ف: ۱۔اس سے معلوم ہوا کہ قربانی پہلی اُمتوں پر بھی تھی۔

ف: ۲۔اگر چہ بکری بھیڑ بھی قربانی کے جانور ہیں اور اس لیے وہ بھی دین کی یادگار ہیں مگر آیت میں خاص اونٹ اور گائے کا ذکر فرمانا اس لیے ہے کہ ان کی قربانی بھیڑ بکری کی قربانی سے افضل ہے اور اگر پوری گائے یا اونٹ نہ ہو بلکہ اس کا ساتواں حصہ قربانی میں لے لے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ ساتواں حصہ اور پوری بکری یا بھیڑ قیمت اور گوشت کی مقدار میں برابر ہوں تو جس کا گوشت عمدہ ہو وہی افضل ہے اور اگر قیمت اور گوشت میں برابر نہ ہوں تو جو زیادہ ہو وہ افضل ہے۔ (شامی از تاتارخانیہ)

ف: ۳۔قربانی میں اخلاص یہ ہے کہ خاص حق تعالیٰ کے لیے ہو اور اس سے ثواب لینے کے لیے کرے۔

۲۔آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ (کوثر، آیت ۲)

ف: یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے جب آپ کو اس کی تاکید ہے تو ہم کو کیسے معاف ہو گی؟ جیسے اس کے ساتھ کی چیز ہے یعنی نماز کہ اُمت پر بھی فرض ہے۔

احادیث: ۱۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دن آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے

نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن مع اپنے سینگوں اور اپنے بالوں اور کھروں کے حاضر ہوگا (یعنی ان سب چیزوں کے بدلے ثواب ملے گا) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک خاص درجہ میں پہنچ جاتا ہے سو تم لوگ جی خوش کر کے قربانی کرو۔ (زیادہ داموں کے خرچ ہو جانے پر جی بُرا مت کیا کرو)۔ (ابن ماجہ و ترمذی و حاکم)

۲۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے (نسبی یا روحانی) باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو اس میں کیا ملتا ہے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر اون (والا جانور) ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی۔ (حاکم)

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے فاطمہ اُٹھ اور (ذبح کے وقت) اپنی قربانی کے پاس موجود رہ، کیونکہ پہلا قطرہ جو قربانی کا زمین پر گرتا ہے اُس کے ساتھ ہی تیرے لیے تمام گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی (اور) یاد رکھ، کہ قیامت کے دن اس (قربانی) کا خون اور گوشت لایا جائے گا اور تیری میزان (عمل) میں ستر حصہ بڑھا کر رکھ دیا جاوے گا (اور ان سب کے بدلے نیکیاں دی جاویں گی)۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ (ثواب مذکور) کیا خاص آلِ محمد کے لیے ہے؟ کیونکہ وہ اس کے لائق بھی ہیں کہ کسی چیز کے ساتھ خاص کیے جائیں یا آلِ محمد اور سب مسلمانوں کے لیے عام طور پر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آلِ محمد کے لیے ایک طرح سے خاص بھی ہے اور سب مسلمانوں کے لیے عام طور پر بھی ہے۔ (اصبہانی)

ف: ایک طرح سے خاص ہونے کا مطلب ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے فرمایا ہے کہ نیک کام کا ثواب بھی اوروں سے دُونا ہے اور گناہ کا عذاب بھی دُونا ہے۔ سو قرآن مجید سے آپ کی بیویوں کے لیے اور اس حدیث سے آپ کی اولاد کے لیے بھی یہ قانون ثابت ہوتا ہے اور اس کی بناء زیادہ بزرگی ہے۔

۴۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس طرح قربانی کرے کہ اس کا دل خوش ہو اور اپنی قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو وہ قربانی اس شخص کے لیے دوزخ سے آڑ ہو جائے گی۔ (طبرانی کبیر)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رکھے اور قربانی نہ کرے سو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آوے۔ (حاکم)

ف: اس سے کس قدر ناراضگی ٹپکتی ہے۔ کیا کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کی سہار کر سکتا ہے؟ اور یہ ناراضگی اسی سے ہے جس کے ذمہ قربانی واجب ہو اور جس کو گنجائش نہ ہو اس کے لیے نہیں ہے۔ یہ حدیثیں ترغیب میں ہیں۔

۶۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حج میں اپنی بیویوں کی طرف سے ایک گائے قربانی کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بقرعید کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ (مسلم)

ف: یہ ضروری نہیں کہ ایک گائے سب بیویوں کی طرف سے کی ہو بلکہ ممکن ہے کہ سات کے اندر اندر کی ہو اور اونٹ بکری کثرت سے ملتے ہوئے گائے کی قربانی فرمانا اگر اتفاقی طور پر نہ سمجھی جاوے تو ممکن ہے کہ یہود جو بچھڑے کو پوجا کرتے تھے اس شرک کے مٹانے کے لیے آپ نے اس کا اہتمام فرمایا ہو، اور بعضی روایتوں میں جو گائے کے گوشت کا مرض (یعنی مضر) ہونا آیا ہے وہ شرعی حکم نہیں ہے بطور پرہیز کے ہے جیسا کہ روح دہم نمبر ۹ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھجور کھانے سے ممانعت فرمانے کا مضمون گذر چکا ہے۔ چنانچہ حلیمی نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حجاز خشک ملک ہے اور گائے کا گوشت بھی خشک ہے۔ (مقاصد حسنہ فی علیکم وفی لحوم البقر) اور مقاصد والے نے کہا ہے کہ گویا یہ حجاز والوں کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ معنی پسند کیے گئے ہیں یعنی سب علماء نے اس کو پسند کیا ہے۔

۷۔ حضرت حنش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ دو دُنبے قربانی کیے اور فرمایا ان میں ایک میری طرف سے ہے اور دوسرا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ میں نے ان سے (اس کے متعلق) گفتگو کی انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کا حکم دیا ہے میں اس کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

ف: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم پر بڑا حق ہے اگر ہم ہر سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے بھی ایک حصہ کر دیا کریں تو کوئی بڑی بات نہیں۔

۸۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک دُنبہ کی اپنی طرف سے قربانی فرمائی اور) دوسرے دُنبہ کے ذبح میں فرمایا کہ یہ (قربانی) اس کی طرف سے ہے جو میری اُمت میں سے مجھ پر ایمان لایا اور جس نے میری تصدیق کی۔ (موصلی و کبیر و اوسط)

یہ حدیثیں جمع الفوائد میں ہیں۔

ف: مطلب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی اُمت کو ثواب میں شامل کرنا تھا نہ کہ یہ قربانی سب کی طرف سے ایسی طرح ہوگئی کہ اب کسی کے ذمہ قربانی باقی نہیں رہی۔

ف: یہ غور کرنے کی بات ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی میں اُمت کو یاد رکھا تو افسوس ہے کہ اُمتی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یاد نہ رکھیں اور ایک حصہ بھی آپ کی طرف سے نہ کریں۔

۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قربانیوں کو خوب قوی کیا کرو (یعنی کھلا پلا کر)۔ کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔ (کنز العمال فر عن ابی ہریرۃ)

ف: عالموں نے سواریاں ہونے کے دو مطلب بیان کیے ہیں ایک یہ کہ قربانی کے جانور خود سواریاں ہو جاویں گی اور اگر کئی جانور قربانی کیے ہوں یا تو سب کے بدلے میں ایک بہت اچھی سواری مل جاوے گی اور یا ایک ایک منزل میں ایک ایک جانور پر سواری کریں گے۔ دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ قربانیوں کی برکت سے پل صراط پر چلنا ایسا آسان ہو جائے گا جیسے گویا خود ان پر سوار ہو کر پار ہو گئے اور کنز العمال میں ایک حدیث اس

مضمون کی یہ ہے کہ سب سے افضل قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہو اور خوب موٹی ہو (حم ک عن رجل) اور ایک حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پیاری قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہو اور خوب موٹی ہو۔ (ہق عن رجل)

(والضعف غیر مضر فی الفضائل لاسیما بعد انجبارہ بتعدد الطرق)

قربانی سے روکنے کا مسئلہ

بعضے ظالم لوگ قربانی کرنے پر خاص کر گائے کی قربانی پر مسلمانوں سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں اور کبھی عین قربانی کے وقت مسلمانوں پر چڑھ آتے ہیں اور قربانی جو کہ ان کا حق جائز بلکہ واجب ہے اس کے چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں جو سراسر ان کی زیادتی ہے اور چونکہ اوپر آیتوں اور حدیثوں میں خاص گائے کا حلال ہونا اور اس کی قربانی کی فضیلت اور خود پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گائے کی قربانی فرمانا بھی مذکور ہے اس لیے مسلمان اس مذہبی دست اندازی کو گوارا نہیں کرتے اور اپنی جان دے دیتے ہیں جس میں وہ بالکل بے قصور ہیں۔ سو اس کے متعلق مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح ایسی مضبوطی (**مجمع البحار مادۃ فرہ ۱۲**) کرنا جائز ہے۔ اگر کہیں ایسی مضبوطی کرنا خلاف مصلحت ہو تو شرع سے دوسری بات بھی جائز ہے۔

(دلیلہ ما فی کتاب الاکراہ من الدر المختار فان اکرہ علیٰ آکل میتة الیٰ قولہ حل الفعل فان صبرا ثم الا اذا اراد مغایظة الکفار فلا باس وکذالولم یعلم الاباحة بالاکراہ وفیہ و ان اکرہ علی)(الکفرالی قولہ یوجرلو صبر و مثلہ سائر حقوقہ تعالیٰ کا فساد صوم و صلوٰۃ وکل ماثبت فرضیتہ بالکتاب اہ قلت وسائر الشعارعامة اصلیة کانت اوخاصة لعارض ملحقة بالصوم والصلوٰۃ فافھم ۱۲)

وہ یہ کہ اس وقت صبر کریں اور قربانی نہ کریں اور فوراً حکام کو اطلاع کر کے ان سے مدد لیں۔ اگر قربانی کی مدد میں یعنی بارہ تاریخ تک اس کا کافی انتظام کر دیا جائے قربانی کر لیں اور اگر اس کے بعد انتظام ہو تو اگلے سال سے قربانی کریں اور اس سال قربانی کے حصہ کی

قیمت محتاجوں کو دے دیں اور اگر پہلے سے معلوم ہو جائے کہ جھگڑا ہوگا تو اس وقت وہ طریقہ اختیار کریں جو روح دہم میں لکھا گیا ہے۔ اس کا یہ مضمون ہے کہ "اگر کسی مخالف کی طرف سے کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظام کر دیں خواہ تم کو انتظام کی اجازت دے دیں، اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو، اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو" اور اگر کہیں ظالم لوگ چھوڑ دینے پر نہ مانیں اور جان ہی لینے پر آمادہ ہوں تو مسلمانوں کو مقابلہ پر مضبوط ہو جانا ہر حال میں فرض[1] ہے گو کمزور ہی ہوں۔

خلاصہ یہ کہ حتی الامکان فتنہ وفساد کو امن کے ساتھ دفع کریں اور جو کوئی اس پر بھی سر ہی ہو جائے تو پھر مرتا کیا نہ کرتا۔

بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

چودست از ہمہ حیلتے درگسست　　حلال است بردن بشمشیر دست
اگر صلح خواہد عدو سر مپیچ　　وگر جنگ جوید عناں بر مپیچ

[1] (وهذا من باب القتال حيث يفرض عيناً اذا هجم العدو ولا من باب الاكراه ١٢)

رُوح نوزدہم

آمدنی وخرچ کا انتظام رکھنا

(یعنی مال کمانے میں بھی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہو اور اس کے
خرچ کرنے میں بھی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہو)

ا۔ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی آدمی کے قدم (حساب کے موقع سے) نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو چکے گا اور (ان پانچ میں دو یہ بھی ہیں کہ) اس کے مال کے متعلق بھی (سوال ہو گا) کہ کہاں سے کمایا (یعنی حلال سے یا حرام سے) اور کاہے میں خرچ کیا؟ الخ (ترمذی)

ف: تفصیل اس کی یہ ہے کہ کمانے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے جیسے سود لینا اور رشوت لینا اور کسی کا حق دبا لینا جیسے کسی کی زمین چھین لینا یا موروثی کا دعویٰ کرنا یا کسی کا قرض مار لینا یا کسی کا حصہ میراث کا نہ دینا جیسے بعضے آدمی لڑکیوں کو نہیں دیتے یا اس کے کمانے میں اتنا کھپ جانا کہ نماز کی پروانہ رہے یا آخرت کو بھول جائے یا زکوٰۃ و حج ادا نہ کرے یا دین کی باتیں سیکھنا یا بزرگوں کے پاس آنا جانا چھوڑ دے اور اسی طرح خرچ کرنے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے جیسے گناہوں کے کام میں خرچ کرنا یا شادی غمی کی رسموں میں یا نام کے لیے خرچ کرنا یا محض نفس کے خوش کرنے کو ضرورت سے زیادہ کھانے کپڑے یا مکان کی تعمیر یا سجاوٹ یا سواری شکاری یا بچوں کے کھیل کھلونوں میں خرچ کرنا، سو ان سب احتیاطوں کے ساتھ اگر مال کماوے یا جمع کرے کچھ ڈر نہیں بلکہ بعضی صورتوں میں ایسا کرنا بہتر بلکہ ضروری ہے جیسے بیوی بچوں کا ساتھ ہے اور ان کے کھانے پینے یا ان کو دین سکھلانے میں روپیہ کی حاجت ہے یا دین کی حفاظت میں روپیہ کی ضرورت ہے جیسے علم دین کے مدرسے ہیں یا مسلمانوں[1] کی خدمت یا اسلام کی تبلیغ کی انجمنیں ہیں یا اسلامی یتیم خانے ہیں یا مسجدیں ہیں۔

---

[1] (دل علی هذا التعميم قوله تعالیٰ و اخرين من دونهم لا تعلمونهم. (توبه)

خاص کر جب دشمنان دین ان چیزوں کے مٹانے کے لیے روپیہ خرچ کرتے ہوں اور حالات ایسے ہوں کہ روپیہ کا مقابلہ روپیہ ہی سے ہوسکتا ہو جیسا اللہ تعالیٰ نے ایسے موقع کے لیے پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھنے کا حکم فرمایا ہے (سورہ توبہ)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے ہی گھوڑوں کے رکھنے میں خاص درجہ کے ثواب کا اور ان گھوڑوں کی ہر حالت پر بہت بہت نیکیوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ (مسلم)

پس ایسی حالتوں میں دنیا اور دین کی موجودہ اور آئندہ۱ حاجتوں کی کفایت کی قدر روپیہ حاصل کرنا عبادت ہوگا۔ اگلی حدیثوں میں اسی کا ذکر ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کمائی کی تلاش کرنا فرض ہے بعد۲ فرض (عبادت) کے۔ (بیہقی)

۳۔ ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں کے لیے ہے (ان میں سے) ایک وہ بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال بھی دیا اور دین کی واقفیت بھی دی سو وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے حقوق پر عمل کرتا ہے یہ شخص سب سے افضل درجہ میں ہے۔ الخ (ترمذی)

۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال خوش نما خوش مزہ چیز ہے جو شخص اس کو حق کے ساتھ (یعنی شرع کے موافق) حاصل کرے اور حق میں (یعنی جائز موقع میں) خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے۔ الخ (بخاری و مسلم)

۵۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا مال اچھے آدمی کے لیے اچھی چیز ہے۔ (احمد)

۶۔ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے

۱ (مثلاً کوئی کافر زمیندار کسی مسلمان رعایا کو تنگ کرے، اگر مسلمان کے پاس زمین ہو وہ اس کو پناہ دے سکتا ہے ۱۲)

۲ (اشاء الی تاخیر المقصود بالغیر عن المقصود بالذات ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں صرف اشرفی اور روپیہ ہی کام دے گا۔

۷۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مال پہلے زمانہ میں (یعنی صحابہ کے وقت میں) ناپسند کیا جاتا تھا (کیونکہ قلب میں دین کی قوت ہوتی تھی اس لیے مال سے قوت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اس کی خرابیوں پر نظر کر کے اس سے دور رہنا پسند کرتے تھے) لیکن اس زمانہ میں وہ مال مومن کی ڈھال ہے (یعنی اس کو بد دینی سے بچاتا ہے کیوں کہ قلب میں وہ قوت نہیں۔ پس مال کے نہ ہونے سے پریشان ہو جاتا ہے اور پریشانی میں دین کو برباد کر لیتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے پاس یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بڑے لوگ ہماری صافی بنا لیتے (یعنی ذلیل و خوار سمجھتے اور ذلت سے بعض دفعہ دین کا بھی نقصان ہو جاتا ہے۔ اب مال کے سبب ہماری عزت کرتے ہیں اور عزت کے سبب ہمارا دین محفوظ رہتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے ہاتھ میں کچھ روپیہ پیسہ ہو اس کی درستی کرتا رہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہے یا کم از کم اس کو برباد نہ کرے) کیونکہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی (اس میں) محتاج ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے اپنے دین ہی پر ہاتھ صاف کرتا ہے (جیسا ڈھال ہونے کے مطلب میں ابھی گذرا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ حلال مال فضول خرچی کی برداشت نہیں کر سکتا (یعنی اکثر وہ اتنا ہوتا ہی نہیں کہ اس کو بے موقع اُڑایا جاوے اور وہ پھر بھی ختم نہ ہو اس لیے اس کو سنبھال سنبھال کر ضرورت میں خرچ کرے تاکہ جلدی ختم ہونے سے پریشانی نہ ہو (شرح السنہ) آگے حلال مال حاصل کرنے کے ذریعوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔

۸۔ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنے والا امانت والا تاجر (قیامت میں) پیغمبروں اور ولیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی و دارمی و دارقطنی)

ف: اس میں حلال تجارت کی فضیلت ہے۔

۹۔ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھائے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔ (بخاری) اور وہ دستکاری زرہ بنانا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے اور اس سے حلال دستکاری کی فضیلت معلوم ہوئی۔ البتہ حرام دستکاری گناہ کی چیز ہے، جیسے جاندار کا فوٹو لینا یا تصویر بنانا، باجے بنانا۔

۱۰۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اور آپ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراطوں پر چرایا کرتا تھا۔ (بخاری)

ف: قیراط دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے اور دینار ہمارے سکہ سے قریب پونے تین روپے کے ہوتا ہے تو قیراط دو پائی کم دو آنہ کا ہوا غالباً ہر بکری کی چرائی اتنی ٹھہر جاتی ہوگی اور اس ا سے ایسی مزدوری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں کئی شخصوں کا کام کیا جائے۔

۱۱۔ عتبہ بن الندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو آٹھ یا دس برس کے لیے نوکر رکھ دیا تھا (حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانے پر)۔ (احمد وابن ماجہ)

ف: یہ قصہ قرآن مجید میں بھی ہے اس سے ایسی نوکری کی فضیلت ہوئی کہ جس میں ایک ہی شخص کا کام کیا جائے۔ (ویسمی بالاجیر الخاص ۱۲)

۱۲۔ حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (زمین کو) کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اسکا کچھ حرج نہیں۔ (مسلم)

ف: اس سے جائز کرایہ کی آمدنی کی اجازت معلوم ہوئی۔

۱۳۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ کوئی درخت لگاوے یا کچھ کھیتی کرے پھر اس سے کوئی آدمی یا کوئی پرندہ یا کوئی مویشی کھاوے مگر اس شخص کے لیے وہ (بجائے) خیرات ہوتا

ا (ویسمیٰ بالاجیر المشترک ۱۲)

ہے (یعنی خیرات کا ثواب ملتا ہے)۔ (بخاری و مسلم)

ف: اس سے کھیتی کرنے کی اور اسی طرح درخت یا باغ لگانے کی کیسی فضیلت ثابت ہوتی ہے! تو یہ بھی آمدنی کا ایک پسندیدہ ذریعہ ہوا۔

۱۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آیا آپ نے (اس کے گھر سے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ پانی پینے کا منگا کر اور اس کو نیلام کر کے اس کی قیمت میں سے کچھ اناج اور کلہاڑی خرید کر اس کو دے کر) فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بیچو پھر فرمایا یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ مانگنے کا کام قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر (ذلت کا) ایک داغ ہو کر ظاہر ہو۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ حلال پیشہ کیسا ہی گھٹیا ہو[۱]

اگرچہ گھاس ہی کھودنا ہو مانگنے سے اچھا ہے اگرچہ شان ہی بنا کر مانگا جاوے جیسے بہت لوگوں نے چندہ مانگنے کا پیشہ کر لیا ہے جس سے اپنی ذلت اور دوسروں پر گرانی ہوتی ہے البتہ اگر دینی کام کے لیے عام خطاب سے چندہ کی ضرورت ظاہر کی جاوے تو مضائقہ نہیں۔

۱۵۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (حلال) پیشہ کرنے والے مومن سے محبت کرتا ہے۔ (عین ترغیب از طبرانی و بیہقی)

ف: اس میں ہر حلال پیشہ آ گیا کسی حلال پیشہ کو ذلیل نہ سمجھنا چاہئے آگے اس کا ذکر ہے کہ اپنی تسلی کے لیے حلال مال کا ذخیرہ رکھنا بھی مصلحت ہے۔

۱۶۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ (یہود) بنی نضیر کے اموال (مراد زمینیں ہیں جو بذریعہ فتح مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے (خرچ کے) لیے مخصوص تھے آپ اس میں سے اپنی بیویوں کا خرچ ایک سال کا دے دیتے تھے اور جو بچتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں (یعنی جہاد کے سامان) میں لگا دیتے۔ (عین بخاری)

---

[۱] (بشرطیکہ دین کی ذلت نہ ہو جیسے مسلمان کسی کافر کی بہت ذلیل خدمت کرے ۱۲)

۱۷۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ میری توبہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ ورسول کی نذر کر کے اس سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کچھ مال تھام لینا چاہیے یہ تمہارے لیے بہتر (اور مصلحت) ہے (اور وہ مصلحت یہی ہے کہ گذر کا سامان اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہونے پاتی) میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ تھامے لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے۔ (عین بخاری)

ف: پہلی حدیث سے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بقدرِ ضرورت ذخیرہ رکھنا اور دوسری حدیث سے حضور کا اس کے لیے مشورہ دینا ثابت ہوتا ہے۔

۱۸۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایسے شخص سے نفرت رکھتا ہوں جو محض بیکار ہو نہ کسی دنیا کے کام میں ہو اور نہ آخرت کے کام میں ہو۔

(عین مقاصد حسنہ از سعید بن منصور واحمد وابن مبارک وبیہقی وابن شیبہ)

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے متعلق کوئی دینی کام نہ ہو اس کو چاہیے کہ معاش کے کسی جائز کام میں لگے بیکار عمر نہ گذارے، باقی دینی کام کرنے والوں کا ذمہ دار خود اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ معاش کی فکر نہ کریں۔ یہاں تک آمدنی کا ذکر تھا آگے خرچ کا ذکر ہے۔

۱۹۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مال کے ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

ف: ضائع کرنے کا مطلب بے موقع خرچ کرنا ہے جس کی کچھ تفصیل حدیث نمبر ایک کے ذیل میں مذکور ہے۔

۲۰۔ حضرت انس وابوامامہ وحضرت ابن عباس وحضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے (مجموعاً ومرفوعاً) روایت ہے کہ بیچ کی چال چلنا (یعنی نہ کنجوسی کرے اور نہ فضول اُڑاوے بلکہ سوچ سمجھ کر اور سنبھال کر ہاتھ روک کر کفایت شعاری اور انتظام و اعتدال کے ساتھ ضرورت کے موقعوں میں صرف کرے تو اسطرح خرچ کرنا) آدھی کمائی ہے۔ جو شخص خرچ کرنے میں اسطرح بیچ کی چال چلے گا وہ محتاج نہیں ہوتا اور فضول اڑانے میں زیادہ مال بھی نہیں رہتا۔ (عین مقاصد از عسکری ودیلمی وغیرہا)

ف: اس میں خرچ کے انتظام کا گر بتلا دیا گیا اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ زیادہ تر پریشانی وبربادی کا سبب یہی ہے کہ خرچ کا انتظام نہیں رکھا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ہاتھ میں ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر قرض لینا شروع کر دیتے ہیں۔ جس کے بُرے نتیجے بے شمار ہیں۔ جو کہ دنیا میں بھی دیکھے جاتے ہیں اور آخرت میں بھی، جیسا کہ:

۲۱۔ حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کے بارے میں فرمایا

(یعنی جو کسی کا مالی حق کسی کے ذمہ آتا ہو) قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے قبضہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص جہاد میں شہید ہو جاوے پھر زندہ ہو کر (دوبارہ) شہید ہو جاوے پھر زندہ ہو کر (سہ بارہ) شہید ہو جاوے اور اس کے ذمہ کسی کا دین آتا ہو وہ جنت میں نہ جاوے گا جب تک اس کا دین ادا نہ کیا جائے گا۔ (عین ترغیب از نسائی وطبرانی وحاکم مع لفظ وصحیح حاکم)

ف: البتہ جو دین کسی ایسی ضرورت سے لیا کہ شرع کے نزدیک بھی وہ ضرورت ہے اور اس کے ادا کرنے کی دھن میں بھی لگا رہا اس کی اجازت ہے۔ (الاحادیث فی الترہیب من الدین من الترغیب)

ان سب حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ مال کا آمد و خرچ اگر شرع کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس میں کوئی بُرائی نہیں اور جہاں بُرائی آتی ہے وہ اس صورت میں ہے جب اس کا آمد و خرچ شرع کے خلاف ہو جیسے حدیثوں میں نکاح کرنے کی اور نسل بڑھانے کی تاکید بھی آئی ہے۔ (کمافی الروح لآتی) پھر بی بی[1] اور اولاد کو دشمن بھی فرمایا ہے۔ (تغابن)

یعنی جب آخرت سے روکے (جلالین)۔ یہی حالت مال[2] کی ہے۔

اسی لیے فتنہ ہونے میں بھی مال اور اولاد دونوں کا ساتھ ہی ذکر فرمایا (تغابن) یعنی جب آخرت سے غافل کرے (جلالین)۔ پس ان سب کی ایک حالت ہوئی۔ سو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں خوب برتو مگر غلام بن کر نہ کہ باغی بن کر۔ یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی ہیں اور بعضی حدیثیں جو دوسری کتابوں سے لی ہیں ان کے نام کے ساتھ لفظ عین بڑھا دیا۔

---

[1] (قال الله تعالى يايها الذين امنوا ان من ازواجكم و اولادكم عدوا لكم فاحذروهم فى الجلا لين بان تطيعوهم فى التخلف عن الخير كالجهاد)

[2] (قال الله تعالىٰ انما اموالكم و اولادكم فتنة . فى الجلالين لكم شاغلا عن امور الاخرة ۱۲)

رُوحِ بستم

نکاح کرنا اور نسل بڑھانا

(یعنی جس مرد یا جس عورت کو کوئی عذر نکاح سے روکنے والا نہ ہو اس کے لیے کبھی مصلحت کے درجہ میں اور کبھی ضرورت کے درجہ میں اصلی حکم یہی ہے کہ نکاح کر لے۔ چنانچہ:)

۱۔ حضرت ابن ابی نجیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محتاج ہے محتاج ہے وہ مرد جس کی بی بی نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر چہ وہ بہت مال والا ہو (تب بھی وہ محتاج ہے؟) آپ نے فرمایا (ہاں) اگر چہ وہ بہت مال والا ہو، (پھر فرمایا) محتاج ہے محتاج ہے وہ عورت جس کے خاوند نہ ہو لوگوں نے عرض کیا کہ اگر چہ وہ بہت مالدار ہو (تب بھی وہ محتاج ہے؟) آپ نے فرمایا (ہاں) اگر چہ وہ بہت مال والی ہو۔ (رزین)

ف: کیونکہ مال کا جو مقصود ہے یعنی راحت اور بے فکری نہ اس مرد کو نصیب ہے جس کی بی بی نہ ہو اور نہ اس عورت کو نصیب ہے جس کے خاوند نہ ہو۔ چنانچہ دیکھا بھی جاتا ہے اور نکاح میں بڑے بڑے فائدے ہیں دین کے بھی اور دنیا کے بھی چنانچہ:

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے جوانوں! کی جماعت جو شخص تم میں گھرستی کا بوجھ اُٹھانے کی ہمت رکھتا ہو (یعنی بی بی کے حقوق ادا کر سکتا ہو) اس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ نکاح نگاہ کو نیچی رکھنے والا ہے اور شرمگاہ کو بچانے والا ہے (یعنی حرام نگاہ سے اور حرام فعل سے آسانی کے ساتھ بچ سکتا ہے۔) (ستۃ الامالک)

ف: اس کا دینی فائدہ ہونا ظاہر ہے اور دنیوی فائدہ ایک تو نمبر ۱ میں مذکور ہو چکا ہے اور کچھ آگے مذکور ہوتے ہیں۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے نکاح کرو وہ تمہارے لیے مال لاویں گی۔ (بزار)

ف: یہ بات اسی وقت ہے جب میاں بی بی دونوں سمجھ دار اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں۔ سو ایسی حالت میں مرد تو یہ سمجھ کر کہ میرے ذمہ خرچ بڑھ گیا ہے، کمانے میں زیادہ کوشش کرے گا اور عورت گھر کا ایسا انتظام کرے گی جو مرد نہیں کر سکتا اور اس حالت میں راحت اور بے فکری لازم ہے اور مال کا یہی فائدہ ہے یہ مطلب ہوا مال لانے کا۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو ایسی ہو کہ جب شوہر اس کو دیکھے (دل) خوش ہو جاوے اور جب اس کو کوئی حکم دے تو اس کو بجالاوے اور اپنی ذات اور مال کے بارے میں کوئی ناگوار بات کر کے اس کے خلاف نہ کرے۔ (نسائی)

ف: خوشی اور فرماں برداری اور موافقت کتنے بڑے فائدے ہیں!

۵۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ سینہ میں چکی پیسنے سے اور پانی ڈھونے سے نشان پڑ گئے اور جھاڑو کی گرد اور چولھے کے دھوئیں سے کپڑے میلے ہو گئے، کہیں سے کچھ لونڈیاں آئی تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک لونڈی مانگی۔ آپ نے فرمایا اے فاطمہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے پروردگار کا فرض ادا کرتی رہو اور اپنے گھر والوں کا کام کرتی رہو۔ (بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی)

ف: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑی کون ہوگی، جو گھر کا کام نہ کرے، تو گھر کا انتظام رکھنا کتنا بڑا فائدہ ہے؟

۶۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہو اور بچے جننے والی ہو (اگر وہ بیوہ ہے تو پہلے نکاح سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اگر کنواری ہے تو اس کی تندرستی سے اور اس کے خاندان کی نکاح کی ہوئی عورتوں سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے) کیونکہ میں تمہاری کثرت سے اور اُمتوں پر فخر کروں گا (کہ میری اُمت اتنی زیادہ ہے)۔ (ابوداؤد ونسائی)

ف: اولاد کا ہونا بھی کتنا بڑا فائدہ ہے؟ زندگی میں بھی کہ وہ سب سے بڑھ کر اپنی

خدمت گذار و مددگار اور فرماں بردار اور خیر خواہ ہوتے ہیں (کما ہو مشاہد فی الاکثر) اور مرنے کے بعد اس کے لیے دعا بھی کرتے ہیں۔ (عین مشکوۃ باب العلم از مسلم) اور اگر آگے نیک نسل چلی تو اس کے دینی راستہ پر چلنے والے مدتوں تک رہتے ہیں۔ (رُوحِ دوم نمبر ۵) اور قیامت میں بھی اس طرح کہ جو بچپن میں ہی مر گئے وہ اس کو بخشوائیں گے (کتاب الجنائز) اور جو بالغ ہو کر نیک ہوئے وہ بھی سفارش کریں۔ (روح سوم نمبر ۶ و ۷)

اور سب سے بڑی بات یہ کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہے جس سے دنیا میں بھی قوت بڑھتی ہے اور قیامت میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہو کر فخر فرمائیں گے۔ سو نکاح نہ کرنا اتنے فائدوں کو برباد کرنا ہے۔ اور اگر کسی ملک میں شرع کے موافق باندی مل سکے تو ان فائدوں کے حاصل کرنے میں وہ بھی بجائے بی بی کے ہے۔ پس بدون معقول عذر کے حلال عورت سے خالی رہنے کی بُرائی آئی ہے۔ چنانچہ:

۷۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عکاف بن بشیر تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا اے عکاف کیا تمہاری بی بی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا اور باندی بھی نہیں؟ عرض کیا باندی بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا اور خیر سے تم مالدار بھی ہو، وہ بولے خیر سے میں مالدار بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر تو تم اس حالت میں شیطان کے بھائی بھی ہو۔ اگر تم نصاریٰ میں سے ہوتے تو ان کے راہبوں میں سے ہوتے، ہمارا (یعنی اہل اسلام کا) طریقہ نکاح کرنا ہے (یا شرعی باندی رکھنا) تم میں سب سے بدتر مجرد لوگ ہیں۔

شیطان کے پاس کوئی ہتھیار جو نیک لوگوں میں پورا اثر کرنے والا ہو عورتوں سے بڑھ کر نہیں مگر جو لوگ نکاح کیے ہوئے ہیں وہ گندی باتوں سے پاک وصاف ہیں۔

ف: یہ اس حالت میں ہے جب نفس میں عورت کا تقاضا ہو، سو جب حلال نہ ہوگی حرام کا ڈر ظاہر ہے اور یہ سب فائدے دین و دنیا کے جو ذکر کیے گئے پورے طور سے اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب میاں بی بی میں محبت ہو اور محبت اس وقت ہوتی ہے جب ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں پھر ان حقوق کا حکم بھی ہے۔ اس لیے کچھ بڑے بڑے

حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے باقی حقوق اس سے سمجھ میں آ جائیں گے۔ بی بی کے حقوق یہ ہیں:

۸۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اس شخص کی فضیلت فرمائی جس کے پاس کوئی باندی تھی اس نے اس کو (دینی) ادب اور علم اچھی طرح سکھایا۔ الخ (عین مشکوٰۃ از بخاری و مسلم)

ف: ظاہر ہے کہ بی بی کا حق باندی سے زیادہ ہی ہے تو اس کو علم دین سکھلانے کی کیسی کچھ فضیلت ہوگی اور روح دوم نمبر۴ میں اس کا حکم قرآن سے مذکور ہوا ہے۔

۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے حق میں (تم کو) اچھے برتاؤ کی نصیحت کرتا ہوں، تم (اس کو) قبول کرو کیونکہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ سو اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا طلاق دے دینا ہے اور اگر اس کو اس کے حال پر رہنے دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ اس لیے ان کے حق میں اچھے برتاؤ کی نصیحت قبول کرو۔ (بخاری و مسلم و ترمذی)

ف: سیدھا کرنے کا یہ مطلب کہ ان سے کوئی بات بھی تمہاری طبیعت کے خلاف نہ ہو سو اس کوشش میں کامیابی نہ ہوگی، انجام کار طلاق کی نوبت آئے گی۔ اس لیے معمولی باتوں میں درگذر کرنا چاہیے۔ نیز زیادہ سختی یا بے پروائی کرنے سے کبھی عورت کے دل میں شیطان دین کے خلاف باتیں پیدا کر دیتا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

۱۰۔ حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری بی بی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ہے کہ جب تم کھانا کھاؤ اس کو بھی کھلاؤ اور جب کپڑا پہنو اس کو بھی پہناؤ اور اس کے منہ پر مت مارو (یعنی قصور پر بھی منہ پر مت مارو، اور بے قصور مارنا تو سب جگہ بُرا ہے) اور نہ اس کو بُرا کو سنا دو اور نہ اس سے ملنا جلنا چھوڑو مگر گھر کے اندر اندر رہ کر (یعنی روٹھ کر گھر سے باہر مت جاؤ)۔ (ابوداؤد)

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی بی بی کو غلام کی سی مار نہ دے پھر شاید دن کے ختم ہونے پر اس سے ہم بستری کرنے لگے۔ (بخاری و مسلم و ترمذی)

ف: یعنی پھر کیسے آنکھیں ملیں گی۔

۱۲۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں اتنے میں حضرت ابن اُم مکتوم (نابینا) رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور یہ واقعہ ہم کو پردہ کا حکم ہونے کے بعد کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں ان سے پردے میں جاؤ۔ ہم نے عرض کیا کیا وہ نابینا نہیں ہے؟ نہ ہم کو دیکھتا ہے نہ ہم کو پہچانتا ہے! آپ نے فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو، کیا تم اس کو نہیں دیکھتیں؟ (ترمذی وابوداؤد)

ف: یہ بھی بی بی کا حق ہے کہ اس کو نامحرم سے ایسا پردہ کروائے کہ نہ یہ اُس کو دیکھے نہ وہ اس کو دیکھے اور اس میں بی بی کے دین کی بھی حفاظت ہے کہ بے پردگی کی خرابیوں سے بچی رہے گی اور اس کی دنیا کی بھی حفاظت ہے۔ اس لیے کہ تجربہ ہے کہ کسی سے جس قدر زیادہ خصوصیت ہوتی ہے اسی قدر اس سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اور جتنی کوئی چیز عام ہوتی ہے اس سے کم تعلق ہوتا ہے اور پردہ میں یہ خصوصیت ظاہر ہے اس لیے تعلق بھی زیادہ ہوگا اور جتنا تعلق بی بی سے زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا حق زیادہ ادا ہوگا تو پردہ میں بی بی کا دنیا کا نفع بھی زیادہ ہوا۔ آگے خاوند کا حق مذکور ہوتا ہے۔

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو بی بی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔ (ترمذی)

ف: اس سے کتنا بڑا حق شوہر کا ثابت ہوتا ہے۔

۱۴۔ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے عورت اپنے پروردگار کا حق ادا نہ کرے گی جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے گی۔ (ابن ماجہ)

ف: یعنی صرف نماز روزہ کر کے یوں نہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر دیا وہ حق بھی پورا ادا نہیں ہوا۔

۱۵۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس عورت کی نماز اس کے سر سے آگے نہیں بڑھتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) جو اپنے خاوند کی نافرمانی کرے جب تک وہ اس سے باز نہ آجاوے۔ (اوسط وصغیر وطبرانی)

یہاں تک نکاح کی تاکید اور حقوق کا مضمون ہو چکا البتہ اگر نکاح سے روکنے والا کوئی قوی عذر ہو تو اس حالت میں نہ مرد کے لیے نکاح ضروری رہتا ہے نہ عورت کے لیے۔ اگلی حدیثوں میں بعضے عذروں کا بیان ہے:

۱۶۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لایا اور عرض کیا کہ یہ میری بیٹی نکاح کرنے سے انکار کرتی ہے۔ آپ نے اس لڑکی سے فرمایا (نکاح کے بارہ میں) اپنے باپ کا کہنا مان لے۔ اس نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا، میں نکاح نہ کروں گی جب تک آپ مجھے یہ نہ بتلا دیں کہ خاوند کا حق بی بی کے ذمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا (اس میں بعضے بڑے حقوق کا ذکر ہے)۔ اس نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا دین کر بھیجا میں کبھی نکاح نہ کروں گی۔ آپ نے فرمایا عورتوں کا نکاح (جب وہ شرعاً بااختیار ہوں) بدون ان کی اجازت کے مت کرو۔ (بزار)

ف: اس کا عذر یہ تھا کہ اسکو امید نہ تھی کہ خاوند کا حق ادا کر سکوں گی، آپ نے اسکو مجبور نہیں فرمایا۔

۱۷۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ عورت جس کے رخسار (محنت مشقت سے) بدرنگ ہو گئے ہوں قیامت کے دن اس طرح ہوں گے جیسے بیچ کی اُنگلی اور شہادت کی اُنگلی۔ یعنی ایسی عورت جو اپنے خاوند سے بیوہ ہو گئی ہو اور شان و شوکت والی اور حسن و جمال والی ہے (جس کے طالب نکاح بہت سے ہو سکتے ہیں مگر) اس نے اپنے کو یتیموں (کی خدمت) کے لیے مقید کر دیا یہاں تک کہ (سیانے ہو کر) جدا ہو گئے یا مر گئے۔ (ابوداؤد)

ف: یہ اس صورت میں ہے جب عورت کو یہ اندیشہ ہو کہ دوسرا نکاح کرنے سے بچے برباد ہو جائیں گے۔ پہلی حدیث میں پہلے نکاح کا اور دوسری حدیث میں دوسرے نکاح کا عذر ہے۔ یہ عذر عورت کے لیے تھے آگے مردوں کے عذر کا ذکر ہے۔

۱۸۔ حضرت یحییٰ بن واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک سو اسی سنہ ہو (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پونے دو

سو برس کے قریب گذر جاویں جس میں فتنوں کی کثرت ہوگی اور بعضی روایت میں دو سو برس آئے ہیں۔ (کمافی عین تخریج العراقی علی الاحیاء ابی یعلی و الخطابی) سو ایسی کسر کو شمار نہ کرنے سے دونوں کا ایک ہی مطلب ہوا) میں (اس وقت) اپنی اُمت کے لیے مجرد رہنے کی اور تعلقات چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں میں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔ (رزین)

ف: اس کا مفصل مطلب آگے آتا ہے۔

۱۹۔ حضرت ابن مسعود و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آوے گا کہ آدمی کی ہلاکت اس کی بیوی اور ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں ہوگی کہ یہ لوگ اس شخص کو ناداری سے عار دلائیں گے اور ایسی باتوں کی فرمائش کریں گے جس کو یہ اُٹھا نہیں سکے گا۔ سو یہ ایسے کاموں میں گھس جاوے گا جس میں اس کا دین جاتا رہے گا پھر یہ برباد ہو جائے گا۔ (عین تخریج مذکور از خطابی و بیہقی)

ف: حاصل اس عذر کا ظاہر ہے کہ جب دین کے ضرر کا قوی اندیشہ ہو اور بعضے آدمی جو کم ہمتی سے نکاح نہیں کرتے اور پرائے ٹکڑوں پر پڑے رہتے ہیں، ان کی نسبت یہ حدیث آئی ہے۔

۲۰۔ حضرت عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ آدمی دوزخی ہیں (ان میں سے) ایک وہ کم ہمت ہے جس کو (دین کی) عقل نہیں جو لوگ تم میں طفیلی بن کر رہتے ہیں نہ اہل و عیال رکھتے ہیں نہ مال رکھتے ہیں۔ (مسلم) اور بیویوں کی طرح اولاد کے بھی حقوق ہیں جن کا حکم بھی ہے اور ان کے ادا کرنے سے یہ بھی زیادہ امید ہے کہ وہ زیادہ خدمت کریں گے، ان میں سے دینی حقوق کا ذکر روح دوم کے نمبر ۴ و ۶ و ۷ میں اور روح سوم نمبر ۶ و ۷ میں ہو چکا ہے اور ان کا دنیوی حق یہ ہے کہ جن چیزوں سے دنیا کا نفع اور آرام ملتا ہے وہ بھی سکھلاوے۔

۲۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بیٹوں کو تیرنا اور تیر چلانا سکھلاؤ اور عورتوں کو کاتنا سکھلاؤ۔ (عین مقاصد از بیہقی)

ف: ان تین کا نام مثال کے طور پر ہے مراد سب ضرورت کی چیزیں ہیں۔ یہ سب حدیثیں جمع الفوائد سے لی گئیں اور بعض حدیثیں جو دوسری کتابوں سے لی گئی ہیں ان کے نام کے ساتھ لفظ عین بڑھا دیا گیا۔ فقط۔

رُوح بست ویکم

دنیا سے دل نہ لگانا اور آخرت کی فکر میں رہنا

اس سے دین میں پختگی اور دل میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے اور یہ بات اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ ہمیشہ یوں سوچا کرے کہ دنیا ایک ادنیٰ درجہ کی چیز اور پھر ختم ہونے والی ہے خاص کر اپنی عمر تو بہت ہی جلد گذر جائے گی اور آخرت کی شاندار چیز اور آنے والی ہے جس میں موت تو بہت ہی جلد آ کھڑی ہوگی پھر لگاتار یہ واقعات ہونا شروع ہو جائیں گے۔ قبر کا ثواب عذاب، قیامت کا حساب کتاب، جنت دوزخ کی جزا اور سزا۔

اسی مضمون کی چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی مثلاً عورتیں ہیں اور بیٹے ہیں اور لگے ہوئے ڈھیر ہیں سونے اور چاندی کے اور نشان لگے ہوئے گھوڑے ہیں اور دوسرے مویشی ہیں اور زراعت ہے (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی اور انجام کار کی خوبی (کی چیز) تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے (جو بعد موت کے کام آوے گی جس کی خبر دینے کا آگے حکم یعنی) آپ (ان لوگوں سے یہ) فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان (مذکورہ) چیزوں سے (سو سنو!) ایسے لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں (یعنی بہشت) جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں۔ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور (ان کے لیے) ایسی بیبیاں ہیں (جو ہر طرح) صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور ان کے لیے خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ (آل عمران آیت ۱۴ و ۱۵)

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ (دنیا میں) تمہارے پاس ہے وہ (ایک روز) ختم ہو جاوے گا (خواہ زوال سے یا موت سے) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔ (نحل آیت ۹۶)

۳۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالحہ (ہمیشہ ہمیشہ کو) باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک (یعنی آخرت میں اس دنیا سے) ثواب کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں یعنی اعمال صالحہ پر جو اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں وہ آخرت میں پوری ہوں گی اور اس سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔ بخلاف متاع دنیا کے کہ اس سے خود دنیا ہی میں امیدیں پوری نہیں ہوتیں اور آخرت میں تو احتمال ہی نہیں۔ (کہف آیت ۴۶)

۴۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی حیات (ہرگز قابل اشتغال مقصود نہیں کیونکہ) وہ محض لہو ولعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا (قوت وجمال میں اور دنیوی ہنر وکمال میں) اور اموال واولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے (آگے دنیا کے زوال کو ایک مثال سے بیان کرکے فرماتے ہیں) اور آخرت کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں (کفار کے لیے) عذاب شدید ہے اور (اہل ایمان کے لیے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے۔ (حدید۔ آیت ۲۰)

۵۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔ (اعلیٰ۔ آیت ۱۶ و ۱۷)

۶۔ حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم دنیا کی نسبت بمقابلہ آخرت کے صرف ایسی ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنی انگلی دریا میں ڈالے پھر دیکھے کتنا پانی لے کر واپس آتی ہے؟ اس پانی کو جو نسبت تمام دریا سے ہے وہ نسبت دنیا کو آخرت سے ہے۔ (مسلم)

۷۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک کن کٹے مرے ہوئے بکری کے بچے پر گذر ہوا آپ نے فرمایا تم میں کون پسند کرتا ہے کہ یہ (مردہ بچہ) اس کو ایک درہم کے بدلے مل جاوے؟ لوگوں نے عرض کیا (درہم تو بڑی چیز ہے) ہم تو اس کو بھی پسند نہیں کرتے کہ وہ ہم کو کسی ادنیٰ چیز کے بدلے بھی مل جاوے آپ نے فرمایا قسم اللہ کی دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس

قدر یہ تمہارے نزدیک۔ (مسلم)

۸۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

۹۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کا ضرر کرے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کا ضرر کرے گا سو تم باقی رہنے والی چیز کو (یعنی آخرت کو) فانی ہونے والی چیز پر (یعنی دنیا پر) ترجیح دو۔ (احمد و بیہقی)

۱۰۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں وہ بھی بکریوں کو اتنا تباہ نہ کریں جتنا انسان کے دین کو مال اور بڑائی کی محبت تباہ کرتی ہے۔ (ترمذی و دارمی)

ف: یعنی ایسی محبت کہ اس میں دین کے تباہ ہونے کی بھی پرواہ نہ رہے اور یہ بڑائی چاہنا دنیا کا ایک بڑا حصہ ہے خواہ دینی سرداری ہو جیسے استاد یا پیر یا واعظ بن کر اپنی تعظیم و خدمت چاہتا ہو۔ خواہ دنیوی سرداری ہو جیسے رئیس یا حاکم یا صدر انجمن وغیرہ بن کر اپنی شان و شوکت یا حکومت چاہتا ہو، قرآن مجید میں بھی اس کی بُرائی آئی ہے۔ چنانچہ:

۱۱۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ عالمِ آخرت ہم ان لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ تو (نفس کیلئے) بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد یعنی گناہ اور ظلم کرنا چاہتے ہیں۔ (قصص، آیت ۸۳)

البتہ اگر بے چاہے اللہ تعالیٰ کسی کو بڑائی دیدے اور وہ اس بڑائی سے دین میں کام لے وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ جیسا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ سے قیامت میں فرماوے گا کیا میں نے تجھ کو سرداری نہ دی تھی۔ (مسلم) اس سے بڑائی کا نعمت ہونا ظاہر ہے اور جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجاہت والا فرمایا۔ (احزاب۔ آیت ۶۹) اور جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا و آخرت میں وجاہت والا فرمایا۔ (آل عمران آیت ۴۵) یہاں تک کہ بعض انبیاء علیہم السلام

کو سلطنت تک عطا فرمائی جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے۔ (ص وغیرہا) بلکہ دین کی خدمت کے لیے خود سرداری کی خواہش کرنا بھی مضائقہ نہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے ملکی خزانوں پر باختیار ہونے کی خود خواہش کی۔ (یوسف۔ آیت ۵۵)۔ لیکن باوجود نعمت اور جائز ہونے کے پھر بھی اس میں خطرہ ہے۔ چنانچہ:

۱۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص دس آدمیوں پر بھی حکومت رکھتا ہو وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کی مشکیں کسی ہوں گی یہاں تک کہ یا تو اس کا انصاف (جو دنیا میں کیا ہوگا) اس کی مشکیں کھلوا دے گا اور یا بے انصافی (جو اس نے دنیا میں کی ہو گی) اس کو ہلاکت میں ڈال دے گی۔ (دارمی)

ف: اس کا خطرہ ہونا ظاہر ہے۔

۱۳۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے، پھر اُٹھے تو آپ کے بدن مبارک میں چٹائی کا نشان ہو گیا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم آپ کے لیے بستر بچھا دیں اور (بستر) بنا دیں۔ آپ نے فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا واسطہ؟ میری اور دنیا کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی سوار (چلتے چلتے) کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کو ٹھہر جاوے پھر اُس کو چھوڑ کر آگے چل دے۔ (احمد وترمذی وابن ماجہ)

۱۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس شخص کا مال ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو اور اس کو (حدِ ضرورت سے زیادہ) وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو۔ (احمد بیہقی)

۱۵۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا (اپنے خطبہ میں یہ بھی فرماتے تھے کہ) دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ (رزین بیہقی عن الحسن مرسلا)

۱۶۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دنیا ہے جو سفر کرتی ہوئی جارہی ہے اور یہ آخرت ہے جو سفر کرتی ہوئی آرہی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کے کچھ فرزند ہیں سو اگر تم یہ کر سکو کہ دنیا کے فرزندوں میں نہ بنو تو ایسا کرو کیونکہ تم آج دار العمل میں ہو اور یہاں حساب نہیں ہے اور تم کل کو آخرت میں ہوگے اور وہاں عمل نہ ہوگا۔ (بیہقی)

۱۷۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے پھر آپ نے فرمایا جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی علامت ہے جس سے (اس نور کی) پہچان ہو جاوے؟ آپ نے فرمایا ہاں دھوکہ کے گھر سے (یعنی دنیا سے) کنارہ کشی اور ہمیشہ رہنے کے گھر کی طرف (یعنی آخرت کی طرف) توجہ ہو جانا اور موت کے لیے اس کے آنے سے پہلے تیار ہو جانا۔ (بیہقی)

یہاں تک دنیا سے دل ہٹانے کا مضمون تھا آگے آخرت سے دل لگانے اور اس کے خیال رکھنے کا مضمون ہے۔

۱۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے یاد کیا کرو لذتوں کو قطع کرنے والی چیز یعنی موت کو۔ (ترمذی ونسائی وابن ماجہ)

۱۹۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا موت تحفہ ہے مومن کا۔ (بیہقی)

ف: سو تحفہ سے خوش ہونا چاہیے اور اگر کوئی عذاب سے ڈرتا ہو تو اس سے بچنے کی تدبیر کرے، یعنی اللہ و رسول کے احکام کو بجالاوے، کوتاہی پر توبہ کرے۔

۲۰۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانے پکڑے پھر فرمایا دنیا میں اس طرح رہ جیسے گویا تو پردیسی ہے (جس کا قیام پردیس میں عارضی ہوتا ہے اس لیے اس سے دل نہیں لگاتا) یا (بلکہ ایسی

طرح رہ جیسے گویا تو) راستہ میں چلا جارہا ہے (جس کا بالکل ہی قیام نہیں) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب شام کا وقت آوے تو صبح کے وقت کا انتظار مت کر اور جب صبح کا وقت آوے، تو شام کے وقت کا انتظار مت کر۔ الخ (بخاری)

۲۱۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن دنیا سے آخرت کو جانے لگتا ہے تو اس کے پاس سفید چہرہ والے فرشتے آتے ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے پھر ملک الموت آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے جانِ پاک اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل، پھر جب اس کو لے لیتے ہیں تو وہ فرشتے ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور اس کو اس کفن اور اس خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اور اس سے مشک کی سی خوشبو مہکتی ہے اور اس کو لے کر (اوپر) چڑھتے ہیں اور (زمین پر رہنے والے) فرشتوں کی جس جماعت پر گذر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں یہ پاک روح کون ہے؟ یہ فرشتے اچھے اچھے القاب سے اس کا نام بتلاتے ہیں کہ یہ فلانا فلانے کا بیٹا ہے، پھر آسمان دنیا تک اس کو پہنچاتے ہیں اور اس کے لیے دروازہ کھلواتے ہیں اور دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اپنے قریب والے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک اس کو پہنچایا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کا اعمال نامہ علّیین میں لکھ دو اور اس کو (سوال وجواب کے لیے) زمین کی طرف لے جاؤ سو اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے (مگر اس طرح نہیں جیسے دنیا میں تھی بلکہ اس عالم کے مناسب جس کی حقیقت دیکھنے سے معلوم ہوگی) پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر کہتے ہیں یہ کون شخص ہیں جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ ایک پکارنے والا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) آسمان سے پکارتا ہے میرے بندہ نے صحیح صحیح جواب دیا۔ اس کے لیے جنت کا فرش کر دو اور اس کو جنت کی پوشاک پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو سو اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے۔

اس کے بعد اسی حدیث میں کافر کا حال بیان کیا گیا جو بالکل اس کی ضد ہے۔ (احمد)

ف: اس کے بعد یہ واقعات ہوں گے۔

الف: صور پھونکا جاوے گا۔

ب: سب مردے زندہ ہوں گے۔

ج: میدان محشر کی بڑی بڑی ہولیں ہوں گی۔

د: حساب کتاب ہوگا۔

ہ: اعمال تولے جائیں گے کسی کا حق رہ گیا ہوگا اس کو نیکیاں دلائی جائیں گی۔

و: خوش قسمتوں کو حوضِ کوثر کا پانی ملے گا۔

ز: پل صراط پر چلنا ہوگا۔

ح: بعضے گناہوں کی سزا کے لیے جہنم میں عذاب ہوگا۔

ط: ایمان والوں کی شفاعت ہوگی۔

ی: جنتی جنت میں جاویں گے وہاں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

ان سب واقعات کی تفصیل اکثر مسلمانوں کے کان میں بارہا پڑی ہے اور جس نے نہ سنا ہو یا پھر معلوم کرنا ہے شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیامت نامہ اُردو پڑھ لے۔ ان سب باتوں کو سوچا کرے اگر سوچنے کا زیادہ وقت نہ ملے تو سوتے ہی وقت ذرا اچھی طرح سوچ لیا کرے۔ یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔ فقط

رُوحِ بست ودوم

گناہوں سے بچنا

گناہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس میں سزا بھی نہ ہوتی تب بھی یہ سوچ کر اس سے بچنا ضروری تھا کہ اس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو جاتی ہے اگر دنیا میں کوئی اپنے ساتھ احسان کرتا ہو اس کے ناراض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بندہ کے ساتھ بے شمار ہیں۔ اس کے ناراض کرنے کی کیسے ہمت ہوتی ہے اور اب تو سزا کا بھی ڈر ہے خواہ دنیا میں بھی سزا ہو جاوے یا صرف آخرت میں [۱]

چنانچہ دنیا میں ایک سزا یہ بھی ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے کہ اس شخص کو دنیا سے رغبت اور آخرت سے وحشت ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے دل کی مضبوطی اور دین کی پختگی جاتی رہتی ہے جیسا روح بست ویکم کے شروع مضمون سے بھی یہ صاف سمجھا [۲] جاتا ہے تو اس حالت میں تو گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہیے خواہ دل [۳] کے گناہ ہوں خواہ ہاتھ پاؤں کے، خواہ زبان کے۔ پھر خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں خواہ بندوں کے ہوں اور یہ سزا تو سب گناہوں میں مشترک ہے اور بعض بعض گناہوں میں خاص خاص سزائیں بھی آئی ہیں ان سب باتوں کے متعلق حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ واستغفار کر لیا تو اس کا قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر (گناہ میں) زیادتی کی تو وہ (سیاہ دھبہ) اور زیادہ ہو جاتا ہے سو یہی ہے وہ زنگ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں)

---

[۱] (کما فسربه فی الحدیث قوله تعالیٰ من یعمل سوءً یجزبه ۱۲)

[۲] (وهو مصرح فی الحدیث الاتی ۱۲)

[۳] (قال تعالی و ذروا ظاهر الاثم وباطنه ۱۲)

فرمایا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں (جیسا وہ لوگ سمجھتے ہیں) بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (احمد و ترمذی وابن ماجہ)

۲۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کو گناہ سے بچانا کیونکہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تمہاری بیماری اور دوا نہ بتلا دوں، سن لو کہ تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے۔ (عین ترغیب از بیہقی والاشبہ از قول قتادۃ)

۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں میں ایک قسم کا زنگ لگ جاتا ہے (یعنی گناہوں سے) اور اس کی صفائی استغفار ہے۔ (عین ترغیب از بیہقی)

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک آدمی محروم ہو جاتا ہے رزق سے گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔ (عین جزاء الاعمال از مسند احمد غالباً)

ف: ظاہر میں بھی محروم ہو جانا تو کبھی ہوتا ہے اور رزق کی برکت سے محروم ہو جانا ہمیشہ ہوتا ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے، پانچ چیزیں ہیں میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ ان کو پاؤ، جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے وہ طاعون میں مبتلا ہوں گے اور ایسی ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوں گے جو ان کے بڑوں کے وقت میں کبھی نہیں ہوئیں اور جب کوئی قوم ناپنے تولنے میں کمی کرے گی قحط اور تنگی اور ظلم حکام میں مبتلا ہوگی، اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جاوے گا ان سے بارانِ رحمت۔ اگر بہائم بھی نہ ہوتے تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط فرما دے گا اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن

کو غیر قوم سے پس بہ جبر لے لیں گے وہ ان کے اموال کو۔ (عین جزاء الاعمال از ابن ماجہ)

۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب کسی قوم میں خیانت ظاہر ہوئی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلہ کرنے لگی ان پر دشمن مسلط کر دیا گیا۔ (مالک)

۸۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قریب زمانہ آ رہا ہے کہ کفار کی تمام جماعتیں تمہارے مقابلہ میں ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کھانے والے اپنے خوان کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا اور ہم اس روز (کیا) شمار میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ تم اس روز بہت ہو گے لیکن تم کوڑہ (اور ناکارہ) ہو گے جیسے رَو میں کوڑا آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا کہ یہ کمزوری کیا چیز ہے (یعنی اس کا سبب کیا ہے؟) آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ (ابوداؤد و بیہقی)

۹۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں سے (گناہوں کا) انتقام لینا چاہتا ہے بچے بکثرت مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔ (عین جزاء الاعمال از ابن ابی الدنیا)

۱۰۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں بادشاہوں کا مالک ہوں بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اور جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے (بادشاہوں کے) دلوں کو ان پر رحمت اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان بادشاہوں کے دلوں کو غضب اور عقوبت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت عذاب کی تکلیف دیتے ہیں۔ (آہ مختصراً) (ابونعیم)

۱۱۔ حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور

میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی غضبناک ہوتا ہوں اور لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک پہنچتا ہے۔ (عین جزاء الاعمال از احمد)

ف: یہ مطلب نہیں کہ سات پشت پر لعنت ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے نیک ہونے سے جو اولاد کو برکت ملتی وہ نہ ملے گی۔

۱۲۔ حضرت وکیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی بے حکمی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والا خود ہجو کرنے لگتا ہے۔ (عین جزاء الاعمال از احمد)

ف: ان حدیثوں میں زیادہ تر مطلق گناہ کی خرابیاں مذکور ہیں، اب بعض بعض گناہوں کی خاص خاص خرابیاں بھی لکھی جاتی ہیں۔

۱۳۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے (یعنی لینے والے) پر اور اس کے کھلانے والے پر (یعنی دینے والے) پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہ پر اور فرمایا یہ سب برابر ہیں (یعنی بعضی باتوں میں)۔ (مسلم)

۱۴۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص مر جاوے اور اس پر دین (یعنی کسی کا حق مالی) ہو اور اس کے ادا کرنے کے لیے کچھ نہ چھوڑ جاوے۔ (اھ مختصراً احمد وابوداؤد)

۱۵۔ حضرت ابی حرۃ رقاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سنو ظلم مت کرنا۔ سنو کسی کا مال حلال نہیں بدون اس کی خوش دلی کے۔ (بیہقی ودارمی)

ف: اس میں جیسے کھلم کھلا کسی کا حق چھین لینا یا مار لینا آ گیا۔ جیسے کسی کا قرض یا میراث کا حصہ وغیرہ دبا لینا، ایسے ہی جو چندہ دباؤ سے یا شرم ولحاظ سے لیا جاتا ہے وہ بھی آ گیا۔

۱۶۔ حضرت سالم اپنے باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی کی) زمین سے بدون حق کے ذرا سی بھی

لے لے (احمد کی ایک حدیث میں ایک بالشت آیا ہے) اسکو قیامت کے روز ساتوں زمین میں دھنسا دیا جاوے گا۔ (بخاری)

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے پر (ابوداؤد وابن ماجہ وترمذی) اور ثوبان کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے اور (لعنت فرمائی ہے) اس شخص پر جو ان دونوں کے بیچ میں معاملہ ٹھہرانے والا ہو۔ (احمد وبیہقی)

ف: البتہ جہاں بدون رشوت دیئے ظالم کے ظلم سے نہ بچ سکے وہاں دینا جائز ہے مگر لینا وہاں بھی حرام ہے۔

۱۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب اور جوئے سے منع فرمایا۔ الخ (ابوداؤد)

ف: شراب میں سب نشہ کی چیزیں آ گئیں اور جوئے میں بیمہ ولاٹری وغیرہ سب آ گئی۔

۱۹۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی سب چیزوں سے منع فرمایا ہے جو نشہ لاوے (یعنی عقل میں فتور لاوے) یا جو حواس میں فتور لاوے۔ (ابوداؤد)

ف: اسمیں افیون بھی آ گئی اور بعضے حقے بھی آ گئے جن سے دماغ یا ہاتھ پاؤں بے کار ہو جاویں۔

۲۰۔ حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو میرے رب نے حکم دیا ہے باجوں کے مٹانے کا جو ہاتھ سے بجائے جاویں اور جو منہ سے بجائے جاویں۔ الخ (احمد)

۲۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں آنکھوں کا زنا (شہوت سے) نگاہ کرنا ہے اور دونوں کانوں کا زنا (شہوت سے) باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا (شہوت سے) باتیں کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا (شہوت سے کسی کا ہاتھ وغیرہ) پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا (شہوت سے) قدم اُٹھا (کر جانا) ہے اور قلب کا (زنا یہ ہے کہ وہ خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے۔ الخ (مسلم)

ف: اور لڑکوں کے ساتھ ایسی باتیں یا ایسے کام کرنا اس سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے اور اس حدیث کے ساتھ اس سے پہلی حدیث کو ملا کر دیکھنا چاہیے کہ ناچ رنگ میں کتنے گناہ جمع ہیں۔

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ (کی نافرمانی کر کے ان) کو تکلیف دینا اور بے خطا جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ (بخاری)

۲۳۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث میں بجائے اس کے جھوٹی گواہی دینا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) یہ چیزیں بھی ہیں۔ یتیم کا مال کھانا اور (جنگجو کافر کی) جنگ کے وقت (جب شرع کے موافق جنگ ہو) بھاگ جانا اور پارسا ایمان والی بیبیوں کو جن کو ایسی بُری باتوں کی خبر بھی نہیں تہمت لگانا۔ (بخاری و مسلم)

۲۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) یہ چیزیں بھی ہیں۔ زنا کرنا، چوری کرنا، ڈکیتی کرنا۔ (بخاری و مسلم)

۲۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چار خصلتیں ہیں جس میں وہ چاروں ہیں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک اس کو چھوڑ نہ دے گا (وہ خصلتیں یہ ہیں) جب اس کو امانت دی جائے خواہ مال ہو یا کوئی بات ہو، وہ خیانت کرے اور جب بات کہے جھوٹ بولے، اور جب عہد کرے اس کو توڑ ڈالے اور جب کسی سے جھگڑے تو گالیاں دینے لگے۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب وعدہ کرے خلاف کرے۔

۲۷۔ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی حکم ارشاد فرمائے ان میں یہ بھی ہے کہ کسی بے خطا کو کسی حاکم کے پاس مت لے جاؤ کہ وہ اس کو قتل کرے (یا اس پر کوئی ظلم کرے) اور جادو مت کرو۔ الخ (ترمذی و ابوداؤد و نسائی)

اور ان گناہوں پر عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔ حقارت سے کسی پر ہنسنا، کسی پر طعن کرنا، بُرے لقب سے پکارنا، بدگمانی کرنا، کسی کا عیب تلاش کرنا، غیبت کرنا، بلا وجہ بُرا بھلا کہنا چغلی کھانا، دورویہ ہونا، یعنی اس کے منہ پر ایسا، اُس کے منہ پر ویسا، تہمت لگانا، دھوکا دینا، عار دلانا، کسی کے نقصان پر خوش ہونا، تکبر و فخر کرنا، ضرورت کے وقت باوجود قدرت کے مدد نہ کرنا، کسی کے مال کا نقصان کرنا، کسی کی آبرو پر صدمہ پہنچانا، چھوٹوں پر رحم نہ کرنا، بڑوں کی عزت نہ کرنا، بھوکوں ننگوں کی حیثیت کے موافق خدمت نہ کرنا، کسی دنیوی رنج سے بولنا چھوڑ دینا، جاندار کی تصویر بنانا، زمین پر موروثی کا دعویٰ کرنا، ہٹے کٹے کو بھیک مانگنا، ان امور کے متعلق آیتیں اور حدیثیں روح نہم ونوز دہم میں گذر چکی ہیں، ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا کافروں کا یا فاسقوں کا سالباس پہننا، عورتوں کے لیے مردانہ وضع بنانا جیسے مردانہ جوتا پہننا، ان کا بیان روح بست وپنجم میں آوے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور بہت سے گناہ ہیں نمونہ کے طور پر لکھ دیئے ہیں سب سے بچنا چاہیے اور جو گناہ ہو چکے ہیں ان سے توبہ کرتا رہے کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ:

۲۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہی نہ تھا۔ (بیہقی مرفوعاً وشرح السنہ موقوفاً) البتہ حقوق العباد میں توبہ کی یہ بھی شرط ہے کہ اہل حقوق سے بھی معاف کرائے۔ چنانچہ

۲۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ذمہ اس کے بھائی (مسلمان) کا کوئی حق ہو آبرو کا، کسی چیز کا اس کو آج معاف کرالینا چاہیے اس سے پہلے کہ نہ دینار ہوگا نہ درہم ہوگا۔ (بخاری)

(مراد قیامت کا دن ہے)

۳۰۔ اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوا تو بقدر اس کے حق کے اس سے لے لیا جاوے گا (اور صاحب حق کو دے دیا جاوے گا) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو دوسرے کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے۔ (عین جمع الفوائد از مسلم وترمذی)

یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی ہیں اور بعض حدیث جو دوسری کتاب کی ہیں وہاں لفظ عین لکھ دیا ہے۔

رُوحِ بست وسوم

صبر وشکر کرنا

انسان کو جو حالتیں پیش آتی ہیں خواہ اختیاری ہوں خواہ غیر اختیاری ہوں، وہ دو طرح کی ہوتی ہیں یا تو طبیعت کے موافق ہوتی ہیں، ایسی حالت کو دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی حیثیت سے اس کو زیادہ سمجھنا اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا گناہوں میں استعمال نہ کرنا یہ شکر ہے اور یا وہ حالتیں طبیعت کے موافق نہیں ہوتیں بلکہ نفس کو ان سے گرانی اور ناگواری ہوتی ہے ایسی حالت کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں میری کوئی مصلحت رکھی ہے اور شکایت نہ کرنا اور اگر وہ کوئی حکم ہے تو اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور اگر وہ کوئی مصیبت ہے تو مضبوطی سے اس کی سہار کرنا اور پریشان نہ ہونا یہ صبر ہے اور چونکہ صبر زیادہ مشکل ہے اس لیے اس کا بیان شکر سے پہلے بھی کرتا ہوں اور زیادہ بھی کرتا ہوں۔ اول اس کے کثرت سے پیش آنے والے موقعے بطور مثال کے بتلاتا ہوں پھر اس کے متعلق آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔ وہ مثالیں یہ ہیں مثلاً نفس دین کے کاموں سے گھبراتا ہے اور بھاگتا ہے یا گناہ کے کاموں کا تقاضا کرتا ہے خواہ نماز روزہ سے جی چراتا ہے یا حرام آمدنی کو چھوڑنے سے یا کسی کا حق دینے سے ہچکچاتا ہے، ایسے وقت ہمت کر کے دین کے کام کو بجا لاوے اور گناہ سے رُکے اگرچہ دونوں جگہ کسی قدر تکلیف ہی ہو۔ کیونکہ بہت جلدی اس تکلیف سے زیادہ آرام اور مزہ دیکھے گا اور مثلاً اس پر کوئی مصیبت پڑ گئی خواہ فقر و فاقہ کی، خواہ بیماری کی، خواہ کسی کے مرنے کی، خواہ کسی دشمن کے ستانے کی، خواہ مال کے نقصان ہو جانے کی، ایسے وقت میں مصیبت کی مصلحتوں کو یاد کرے اور سب سے بڑی مصلحت ثواب ہے جس کا مصیبت پر وعدہ کیا گیا ہے اور اس مصیبت کا بلا ضرورت اظہار نہ کرے اور دل میں ہر وقت اس کی سوچ بچار نہ کرے اس سے ایک خاص سکون پیدا ہو جاتا ہے البتہ اگر اس مصیبت کی کوئی تدبیر ہو جیسے حلال مال کا

حاصل کرنا یا بیماری کا علاج کرنا یا کسی صاحب قدرت سے مدد لینا یا شریعت سے تحقیق کر کے بدلہ لے لینا یا دعا کرنا اس کا کچھ مضائقہ نہیں اور مثلاً دین کے کام میں کوئی ظالم روک ٹوک کرے یا دین کو ذلیل کرے، وہاں جان کو جان نہ سمجھے مگر قانون عقلی اور قانونِ شرعی کے خلاف نہ کرے۔ یہ صبر کی ضروری مثالیں ہیں آگے آیتیں اور حدیثیں ہیں۔

۱۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (اگر تم کو حُبِ مال وجاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار ہو تو) تم مدد لو صبر اور نماز سے۔ (بقرہ، آیت ۱۵۳)

ف: یہاں صبر کی صورت شہوات خلاف شرع کا ترک کرنا ہے۔

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے (جو دشمنوں کے ہجوم یا حوادث کے نزول سے پیش آوے) اور کسی قدر فقر و فاقہ سے اور کسی قدر مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے (مثلاً مواشی مر گئے یا کوئی آدمی مر گیا یا بیمار ہو گیا یا پھل اور کھیتی کی پیداوار تلف ہو گئی) اور آپ (ان موقعوں میں) صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیجئے۔ الخ (بقرہ، آیت ۱۵۵)

۳۔ (پہلی اُمتوں کے مخلصین کے باب میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو نہ ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان کے (قلب یا بدن) کا زور گھٹا اور نہ وہ (دشمن کے سامنے) دبے (کہ ان سے عاجزی اور خوشامد کی باتیں کرنے لگے ہوں) اور اللہ تعالیٰ کو ایسے صابرین (یعنی مستقل مزاجوں) سے محبت ہے (جو دین کے کام میں ایسے ثابت رہیں)۔ (آل عمران، آیت ۱۴۶)

۴۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو لوگ (احکام دین پر) صابر (ثابت قدم) رہیں (ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے۔) (نحل، آیت ۹۶)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طویل آیت میں دوسرے اعمال کے ساتھ یہ بھی فرمایا اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں (پھر اخیر میں فرمایا) ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (احزاب، آیت ۳۵)

ف: اس میں سب قسمیں صبر کی آ گئیں صبر طاعات پر اور صبر معاصی سے اور صبر مصائب پر۔

۶۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیزیں نہ بتلاؤں جن سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ضرور بتلایئے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وضو کا کامل کرنا ناگواری کی حالت میں (کہ کسی وجہ سے وضو کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر پھر ہمت کرتا ہے) اور بہت سے قدم ڈالنا مسجدوں کی طرف (یعنی دور سے آنا یا بار بار آنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ الخ (مسلم و ترمذی)

ف: ایسے وقت وضو کرنا صبر کی ایک مثال ہے۔

۷۔حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے دلی محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا اگرچہ تیری بوٹیاں کاٹ دی جاویں اور تجھ کو (آگ میں) جلا دیا جاوے۔ الخ۔(ابن ماجہ)

ف: ایسے وقت ایمان پر قائم رہنا صبر کی ایک مثال ہے اور کسی ظالم کی زبردستی کے وقت جو ایسی بات یا ایسا کام شرع سے معاف ہے وہ شرک و کفر میں داخل نہیں کیونکہ دل تو ایمان سے بھرا ہے۔

۸۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر پر سردار بنا کر دریا کے (سفر) میں بھیجا ان لوگوں نے اسی حالت میں اندھیری رات میں کشتی کا بادبان کھول رکھا تھا (اور کشتی چل رہی تھی) اچانک ان کے اوپر سے کسی پکارنے والے نے پکارا اے کشتی والو! ٹھہرو، میں تم کو اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی خبر دیتا ہوں جو اس نے اپنی ذات پر مقرر کر رکھا ہے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم کو خبر دینا ہے تو ہم کو خبر دو۔ اس پکارنے والے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر یہ بات مقرر کر لی ہے کہ جو شخص گرمی کے دن میں (روزہ رکھ کر) اپنے کو پیاسا رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو پیاس کے دن (یعنی قیامت میں جب پیاس کی شدت ہوگی) سیراب فرما دے گا۔(عین ترغیب از بزار)

ف: یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے۔

۹۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اٹکتا ہو اور وہ اس کو مشکل لگتا ہو اس کو دو ثواب ملیں گے۔ (بخاری و مسلم)

ف: یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے اور یہ پوری حدیث روح سوم نمبر ۳ میں گذر چکی ہے۔

۱۰۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ پیارا عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ (بخاری و مسلم)

ف: ظاہر ہے کہ اس طرح ہمیشہ نبھانے میں ضرور کسی نہ کسی وقت نفس کو دشواری ہوتی ہے اس لیے یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے۔

۱۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ گھری ہوئی ہے (حرام) خواہشوں کے ساتھ اور جنت گھری ہوئی ہے ناگوار چیزوں کے ساتھ۔ (مسلم)

ف: جو عبادتیں نفس پر دشوار ہیں اور جن گناہوں سے بچنا دشوار ہے اس میں سب آ گئے۔

۱۲۔ حضرت ابو ہریرہ و حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کو کوئی مصیبت یا کوئی مرض یا کوئی فکر یا کوئی رنج یا کوئی تکلیف یا کوئی مصیبت یا کوئی غم نہیں پہنچتا یہاں تک کہ کانٹا جو چبھ جاوے مگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے اس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا شخص نہیں جو طاعون واقع ہونے کے وقت اپنی بستی میں صبر کیے ہوئے ثواب کی نیت کیے ہوئے ٹھہرا رہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے (تقدیر میں) لکھ دیا ہے مگر ایسے شخص کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ (بخاری) اگرچہ مرے نہیں اور مرنے میں بڑے درجہ کی شہادت ہے۔ (مسلم وغیرہ)

ف: لیکن گھر بدلنا یا محلہ بدلنا یا اسی بستی کے جنگل میں چلا جانا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ بیماروں اور مُردوں کے حقوق ادا کرتا رہے۔

۱۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو پیاری چیزوں (کی مصیبت) میں مبتلا کر دوں اس سے مراد دو آنکھیں ہیں جیسا راوی نے بھی تفسیر اسی حدیث میں کی ہے یعنی اس کی آنکھیں جاتی رہیں) پھر وہ صبر کرے، میں ان دونوں کے عوض میں اس کو جنت دوں گا۔ (بخاری)

۱۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے مؤمن بندہ کے لیے جب کہ میں دنیا میں رہنے والوں میں سے اس کے کسی پیارے کی جان لے لوں پھر وہ اس کو ثواب سمجھے (اور صبر کرے تو ایسے شخص کے لیے) میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں۔ (بخاری)

ف: وہ پیارا خواہ اولاد ہو یا بی بی ہو یا شوہر ہو یا اور کوئی رشتہ دار ہو یا دوست ہو۔

۱۶۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندہ کا بچہ مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کے بچہ کی جان لے لی، وہ کہتے ہیں ہاں، پھر فرماتا ہے میرے بندہ نے کیا کہا۔ وہ کہتے ہیں آپ کی حمد (وثناء) کی اور انا للہ وانا الیہ رجعون کہا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (احمد و ترمذی)

۱۷۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر ہنستا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور ان کی حالت پر خوش ہوتا ہے (ان تین میں) ایک وہ (بھی) ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جان دینے کو تیار ہو گیا (جہاں اس کی شرطیں پائی جاویں) پھر خواہ جان جاتی رہے اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غالب کر دیا اور اس کی طرف سے کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندہ کو دیکھو میرے لیے کس طرح اپنی جان کو صابر بنا دیا۔ (اھ مختصراً من ترغیب از طبرانی)

یہ صبر کا بیان ہو چکا اب کچھ شکر کا بیان کرتا ہوں اور یہ شکر جس طرح خود اپنی ذات میں بھی ایک عبادت ہے اسی طرح اس میں ایک یہ بھی خاصیت ہے کہ اس سے ایک دوسری عبادت یعنی صبر آسان ہو جاتا ہے عقلی طور پر بھی اور طبعی طور سے بھی۔ عقلی طور

سے تو اس طرح کہ جب اللہ کی نعمتوں کے سوچنے کی اور ان پر خوش ہونے کی (جو کہ شکر میں لازم ہے) عادت پختہ ہو جائے گی تو مصیبت وغیرہ کے وقت یہ بھی سوچے گا کہ جس ذات پاک کے اتنے احسانات ہوتے رہتے ہیں اگر اس کی طرف سے کوئی تکلیف بھی پیش آ گئی اور وہ بھی ہماری ہی مصلحت اور ثواب کے لیے (جیسا اوپر حدیثوں سے معلوم ہوا) تو اس کو خوشی سے برداشت کرنا چاہیے، جیسے دنیا میں اپنے محسنوں کی سختیاں خوشی سے گوارا کر لی جاتی ہیں۔ خاص کر جب بعد میں انعام بھی ملتا ہو اور طبعی طور پر اس طرح کہ نعمتوں کے سوچنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہو جائے گی اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کی سختی ناگوار نہیں ہوتی جیسا دنیا میں عاشق کو اپنے معشوق کی سختیوں میں خاص لطف آتا ہے۔ آگے اس شکر کے متعلق آیتیں اور حدیثیں آتی ہیں۔

۱۸۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یاد کرو میں تم کو (رحمت سے) یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔ (بقرہ۔ آیت ۱۵۲)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ہم بہت جلد جزا دیں گے شکر کرنے والوں کو۔ (آل عمران، آیت ۱۴۵)

۱۹۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر تم (میری نعمتوں کا) شکر کرو گے میں تم کو زیادہ نعمت دوں گا (خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں تو ضرور) اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (یہ سمجھ رکھو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے (ناشکری میں اس کا احتمال ہے)۔ (ابراہیم، آیت ۷)

۲۰۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل گئیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں مل گئیں، دل شکر کرنے والا اور زبان ذکر کرنے والی اور بدن جو بلا پر صابر ہو اور بیوی جو اپنی جان اور شوہر کے مال میں اسے خیانت نہیں کرنا چاہتی۔ (بیہقی)

خلاصہ: کوئی وقت خالی نہیں کہ انسان پر کوئی نہ کوئی حالت نہ ہوتی ہو، خواہ طبیعت کے موافق خواہ طبیعت کے خلاف اول حالت پر شکر کا حکم ہے، دوسری حالت پر صبر کا حکم ہے، تو صبر و شکر ہر وقت کے کرنے کے کام ہوئے۔

مسلمانو! اس کو نہ بھولنا، پھر دیکھنا ہر وقت کیسی لذت و راحت میں رہو گے۔

یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی ہیں اور جو دوسری کتاب سے لی ہیں اس پر لفظ عین لکھ دیا ہے۔

روح بست و چہارم

مشورہ کے قابل امور میں دیانتدار خیرخواہوں سے مشورہ لینا

(آگے آتا ہے کہ ایسے کام کون سے ہیں ۱۲)

اور آپس میں محبت اور ہمدردی اور اتفاق رکھنا اور معاملات یعنی لین دین وغیرہ میں اور معاشرت یعنی میل جول میں اس کا خیال رکھنا کہ میرے ہاتھ سے کسی کو نقصان یا میری بات سے کسی کو دھوکہ نہ ہو اور اس کا نام صفائی معاملہ ہے اور اس کا خیال رکھنا کہ میرے برتاؤ سے کسی کو ظاہری تکلیف یا باطنی تنگی یا پریشانی یا گرانی نہ ہو، اور اس کا نام حسن معاشرت ہے۔ یہ تین چیزیں ہوئیں۔ مشورہ اتفاق صفائی معاملہ وحسن معاشرت اور یہ تینوں چیزیں مستقل طور پر بھی مقصود ہیں (یعنی ان کا الگ الگ بھی حکم ہے) جیسا کہ آگے آنے والی آیتوں اور حدیثوں سے معلوم ہوگا اور ایک کا دوسرے سے خاص تعلق بھی ہے۔

مثلاً مشورہ پر اسی وقت بھروسہ ہوسکتا ہے جب مشورہ والوں میں باہم محبت واتفاق ہو اور محبت واتفاق اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب ایک کو دوسرے سے کوئی نقصان یا تکلیف ظاہری یا باطنی نہ پہنچی ہو۔ اسی طرح دوسری طرف سے لو کہ کسی کو تکلیف یا نقصان سے بچانے کا خیال پورے پورے طور سے تب ہی ہوسکتا ہے جب اس سے محبت و ہمدردی ہو اور اتفاق ومحبت کو پوری ترقی اس سے ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کو اپنے مشورہ میں شریک رکھے۔ اس خاص تعلق کی وجہ سے ان تینوں چیزوں کو مثل ایک ہی چیز کے قرار دے کر سب کا ساتھ ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ اب ترتیب سے ایک ایک کا بیان کرتا ہوں۔

مشورہ: اس میں دنیا کا بھی فائدہ ہے کہ اس سے کاموں میں غلطی کم ہوتی ہے۔ چنانچہ

۱۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان کے ساتھ کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ (ترمذی)

ف: ظاہر ہے کہ مشورہ میں جلد بازی کا انسداد ہے اور یہ ان ہی امور میں ہے جس میں دیر کی گنجائش ہے اور دین کا بھی فائدہ ہے کہ شریعت میں اس کی فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اے پیغمبر) ان (صحابہ) سے خاص خاص[1] باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کرلیں (خواہ[2] وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو) سو اللہ تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اسی کام کو کر ڈالا) کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (آل عمران، آیت ۱۵۹)

ف: خاص خاص باتوں سے مراد وہ امور ہیں جن میں وحی نازل نہ ہوئی ہو اور مہتم بالشان بھی ہوں یعنی معمولی نہ ہوں کیوں کہ وحی کے بعد اس کی گنجائش نہیں اور معمولی کاموں میں مشورہ منقول نہیں۔ جیسے دو وقت کا کھانا وغیرہ۔

۳۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر (یعنی ثواب اور برکت) نہیں ہوتی، ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ (خیر) خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کردینے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس تعلیم و ترغیب کی تکمیل و انتظام کے لیے تدبیریں اور مشورہ کرتے ہیں ان کی سرگوشی میں البتہ خیر یعنی ثواب و برکت ہے۔ (نساء، آیت ۱۱۴)

ف: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات مشورہ خفیہ ہی مصلحت ہے۔

۴۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان (مؤمنین کا ہر) کام (جو قابل مشورہ ہو جس کا بیان اوپر آچکا ہے) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔ (شوریٰ آیت ۳۸)

ف: مشورہ پر مؤمنین کی مدح فرمانا مشورہ کی مدح کی صاف دلیل ہے۔

۵۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

---

[1] (اشارة الی کون اللام للعهد ۱۲)

[2] (یدل علیه الاطلاق ۱۲)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (واقعہ بدر میں جانے کے متعلق صحابہ سے) مشورہ فرمایا۔ الخ (عین مسلم)

۶۔ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی مقدمہ میں جب) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (قرآن وحدیث میں حکم نہ ملتا تو) بڑے لوگوں کو اور نیک لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے جب ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے موافق فیصلہ فرماتے۔ (عین حکمت بالغہ عن ازالۃ الخفاء عن الدارمی)

ف: رائے کا متفق ہونا عمل کی شرط نہیں۔ (لعزمہ علی قتال مانعی الزکوٰۃ مع اختلاف الجماعۃ)

۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل مشورہ علماء ہوتے تھے خواہ بڑی عمر کے ہوں یا جوان ہوں۔ (عین بخاری)

ف: اخیر کی تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا مشورہ لینے کا۔

۸۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی سے مشورہ لینا چاہے تو اس کو مشورہ دینا چاہیے۔ (عین ابن ماجہ)

اب مشورہ کے کچھ آداب ذکر کیے جاتے ہیں۔

۹۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی معرکہ کا ارادہ فرماتے تو اکثر دوسرے واقعہ کا پردہ فرماتے۔ الخ (بخاری)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جس مشورہ کا ظاہر کرنا مضر ہو اس کو ظاہر نہ کرنا چاہیے۔

۱۰۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (یعنی کسی مجلس میں کسی معاملہ کے متعلق کچھ باتیں ہوں ان کو باہر ذکر نہ کرنا چاہیے۔ اس میں مشورہ کی مجلس بھی آ گئی) مگر تین مجلسیں۔ الخ (ابوداؤد)

ف: ان تین مجلسوں کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی جان یا مال یا آبرو لینے کا مشورہ یا تذکرہ ہو اس کو چھپانا جائز نہیں اور جب خاص آدمی کے ضرر کے شبہ میں ظاہر کرنا گناہ ہے تو جس کے ظاہر کرنے میں عام مسلمانوں کا ضرر ہو اس کا ظاہر کرنا تو اور زیادہ گناہ ہوگا۔ چنانچہ

۱۱۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدنیتی سے نہیں بلکہ غلط فہمی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ایسا ہی راز کفار مکہ کو پہنچا دیا تھا، اس پر سورہ ممتحنہ کی شروع کی آیتوں میں تنبیہ کی گئی۔ (عین درمنثور از کتب حدیث) بلکہ جس معاملہ کا بھی تعلق عام مسلمانوں سے ہو اگرچہ اس کے ظاہر کرنے میں کوئی نقصان بھی معلوم نہ ہوتا ہو تب بھی بجز ان لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں عام لوگوں کو اس کا ظاہر کرنا نہ چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصان کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔ چنانچہ

۱۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جب ان لوگوں کو کسی امر (جدید) کی خبر پہنچتی ہے خواہ (وہ امر موجب) امن ہو یا (موجب) خوف تو اس (خبر) کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آ گئے حالانکہ کبھی وہ غلط ہوتے ہیں کبھی ان کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کرنے کے) یہ لوگ اس (خبر) کو رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے) کے اوپر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں (یعنی اکابر صحابہ ان کی رائے) کے اوپر حوالے رکھتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔ (پھر جیسا یہ حضرات عملدرآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اڑانے والوں کو کرنا چاہیے تھا)۔ (نساء، آیت ۸۳)

ف: اور اس آیت سے اکثر اخباروں کا خلاف حدود ہونا معلوم ہو گیا البتہ جو اخبار حدود کے اندر ہوں ان کا مفید ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۳۔ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے حالات کی تلاش رکھتے تھے اور (خاص) لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ (عام) لوگوں میں کیا واقعات (ہو رہے) ہیں۔ (عین شمائل ترمذی)

اتفاق: ۱۴۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو) اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو۔ الخ (آل عمران، آیت ۱۰۳)

۱۵۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان (مسلمانوں) کے دلوں میں اتفاق پیدا کر دیا۔ (انفال، آیت ۶۳)

ف: احسان کے موقع پر ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ اتفاق بڑی نعمت ہے۔

۱۶۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (تمام امور میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کا لحاظ) کیا کرو (کہ کوئی کام خلاف شرع نہ ہو) اور آپس میں نزاع مت کرو۔ ورنہ (باہمی نااتفاقی سے) کم ہمت ہو جاؤ گے (کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی ایک کو دوسرے پر وثوق نہ ہوگا اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے) اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی (مراد اس سے بے رعبی ہے کیوں کہ دوسروں کو اس نااتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ امر لازمی ہے۔) (انفال، آیت ۴۶)

ف: اس میں نااتفاقی کی بُرائی اور اصل چیز اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت یعنی دین کا ہونا مذکور ہے۔

۱۷۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی خبر نہ دوں جو (اپنے بعض آثار کے اعتبار سے) روزہ اور صدقہ (زکوٰۃ) اور نماز کے درجہ سے بھی افضل ہے لوگوں نے عرض کیا ضرور خبر دیجئے آپ نے فرمایا وہ آپس کے تعلقات کو درست رکھنا ہے اور آپس کا بگاڑ (دین کو) مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (ابوداؤد وترمذی) اور جن باتوں سے اتفاق پیدا ہوتا ہے یا اتفاق قائم رہتا ہے یعنی آپس کے حقوق کا خیال رکھنا اور جن سے نااتفاقی ہوتی ہے یعنی آپس کے حقوق میں کوتاہی کرنا ان کا بیان روح نہم میں ہو چکا ہے صفائی معاملہ او حسن معاشرت۔

جن لوگوں کو دین کا تھوڑا سا بھی خیال ہے وہ پہلی بات کا یعنی صفائی معاملہ کا تو کچھ خیال کرتے بھی ہیں اور اس کو دین کی بات بھی سمجھتے ہیں اور مسائل نہ جاننے سے کچھ کوتاہی ہو جائے تو اور بات ہے اس کا آسان علاج یہ ہے کہ میرا رسالہ صفائی معاملات اور پانچواں حصہ بہشتی زیور کا دیکھ لیں یا سن لیں یا جو معاملہ پیش آیا کرے اس کا حکم کسی عالم سے پوچھ لیا کریں اور اگر خود کوئی خیال نہیں کرتا تو دوسرا شخص جس کا حق ہے وہ تقاضا کر کے اس کے کان کھول دیتا ہے اس لیے اس جگہ اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن دوسری چیز یعنی حسن معاشرت کا بہت سے دین دار لوگ بھی خیال نہیں کرتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض دنیا

ل (ان کے معنی شروع مضمون میں گذر چکے ہیں ۱۲)

کا ایک انتظام ہے اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں اس لیے اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اس کے متعلق کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

حسن معاشرہ

۱۸۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا (جن میں کسی دوسرے کے ہونے کا احتمال ہی نہیں جیسے اپنا خاص کمرہ) دوسرے گھروں میں (جن میں دوسرے لوگ رہتے ہیں خواہ مرد خواہ عورتیں خواہ محرم خواہ غیر محرم) داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو (آگے فرمایا) اور اگر (اجازت لینے کے وقت) تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ۔ تو تم لوٹ آیا کرو (اور یہی لوٹ آنے کا بخاری و مسلم کی حدیث میں حکم ہے جب تین بار پوچھنے پر اجازت نہ ملے۔)۔ (سورہ نور، آیت ۲۷ و ۲۸)

ف: یہ مسئلہ اجازت چاہنے کا زنانہ اور مردانہ سب گھروں کے لیے ہے اور اس میں تین حکمتیں ہیں ایک یہ کہ گھر والے کے کسی ناجائز موقع پر نظر نہ پڑ جائے، دوسرے یہ کہ کسی ایسی حالت کی خبر نہ ہو جائے جس کی خبر ہونا اس کو ناگوار ہے تیسرے یہ کہ بعض اوقات دل پر گرانی ہوتی ہے خواہ آرام میں خلل پڑنے سے خواہ کسی کام میں حرج ہونے سے خواہ ملنے ہی کو جی نہیں چاہتا۔

۱۹۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاوے (یعنی صدر مجلس کہہ دے)[1] کہ مجلس میں جگہ کھول دیا دو (جس میں آنے والے کو بھی جگہ مل جائے) تو تم جگہ کھول دیا کرو (اور آنے والے کو جگہ دے دیا کرو) اللہ تعالیٰ تم کو (جنت میں) کھلی جگہ دے گا اور جب (کسی ضرورت سے) یہ کہا جائے کہ (مجلس سے) اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو (خواہ خلوت کی ضرورت سے اُٹھاوے اور خواہ دوسری جگہ بیٹھنے کیلئے اُٹھاوے)۔ (مجادلہ، آیت ۱۱)

۲۰۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری باری کی رات میں (اول) بستر پر لیٹ گئے پھر اتنا ہی توقف فرمایا کہ آپ نے

[1] (ولا یختص بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الروح ۱۲)

یہ سمجھا کہ میں سو گئی سو اپنا چادرہ آہستہ سے لیا اور نعلِ مبارک آہستہ سے پہنے اور دروازہ آہستہ سے کھولا اور باہر تشریف لے گئے پھر دروازہ آہستہ سے بند کر دیا (اور بقیع میں تشریف لے گئے) اور (واپسی پر اس کی وجہ میں یہ) فرمایا کہ میں یہ سمجھا کہ تم سو گئیں اور میں نے تمہارا جگانا پسند نہیں کیا اور مجھ کو یہ اندیشہ ہوا کہ تم جاگ کر اکیلی گھبراؤ گی۔ الخ (عین مسلم)

ف: حدیث میں صاف مذکور ہے کہ آپ نے سب کام اس لیے آہستہ کیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تکلیف نہ ہو خواہ جاگنے کی وجہ سے خواہ صرف گھبرانے کی۔

۲۱۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ ہم تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے یہاں مقیم تھے بعد عشاء آ کر لیٹ رہتے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیر سے تشریف لاتے تو چونکہ مہمانوں کے سونے جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا اس لیے سلام تو فرماتے کہ شاید جاگتے ہوں مگر ایسا آہستہ فرماتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے۔ (عین مسلم بحاصلہ)

حسن معاشرت کا مضمون اس جگہ مختصر لکھ دیا اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے رسالہ آداب المعاشرت اور دسواں حصہ بہشتی زیور کا شروع سے ہنر اور پیشوں کے بیان تک ضرور دیکھ لیں یا سن لیں اور یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں مگر جو دوسری کتابوں سے لی ہیں ان میں لفظ عین لکھ دیا ہے۔

روح بست وپنجم

امتیازِ قومی [1]

(یعنی اپنا لباس اپنی وضع، اپنی بول چال، اپنا برتاؤ وغیرہ غیر مذہب والوں سے الگ رکھنا) دوسری قوموں کی وضع وعادات بلاضرورت اختیار کرنے کو شریعت نے منع کیا ہے پھر ان میں بعضی چیزیں تو ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیات نہ بھی رہے تب بھی گناہ رہیں گی جیسے ڈاڑھی منڈانا یا حد سے باہر کترانا یا گھٹنوں سے اونچا پائجامہ یا جانگیہ پہننا کہ ہر حال میں ناجائز [2] ہے۔

اور اگر اس کے ساتھ شرعی وضع کو حقیر سمجھے یا اس کی بُرائی کرے تو پھر گناہ سے گذر کر کفر ہو جاوے گا۔ اور بعضی چیزیں ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ رہے تو گناہ نہ رہیں گی اور خصوصیت نہ رہنے کی پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے لوگوں کی ہے جیسے انگرکھا یا اچکن پہننا۔ مگر جب تک یہ خصوصیت ہے اس وقت تک منع کیا جاوے گا جیسے ہمارے ملک میں کوٹ پتلون پہننا یا گرگابی پہننا یا دھوتی باندھنا یا عورتوں کو لہنگا پہننا۔ پھر ایسی چیزوں میں جو چیزیں دوسری قوموں کی محض قومی وضع ہیں جیسے کوٹ پتلون وغیرہ یا قومی وضع کی طرح ان کی عام عادت ہے جیسے میز کرسی پر یا چھری کانٹے سے کھانا۔ ان کے اختیار کرنے سے تو صرف گناہ ہی ہوگا کہیں کم کہیں زیادہ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی مذہبی وضع ہیں ان کا اختیار کرنا کفر ہوگا جیسے صلیب لٹکانا یا سر پر چوٹی رکھ لینا یا جنیو باندھ لینا یا ماتھے پر قشقہ لگا لینا یا جے پکارنا وغیرہ۔ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی نہ قومی وضع ہیں نہ مذہبی وضع ہیں گو ان کی ایجاد ہوں اور عام ضرورت کی چیزیں ہیں جیسے دیا سلائی یا گھڑی یا کوئی حلال دوا یا مختلف

---

[1] (ویلقب بلسان الشرع بمسئلة التشبه ۱۲)

[2] (فالتشبه حكمة للنهي عنها لا علة ۱۲)

سواریاں یا ضرورت کے بعضے نئے آلات جیسے ٹیلیگراف یا ٹیلیفون یا نئے ہتھیار یا نئی ورزشیں جن کا بدل ہماری قوم میں نہ ہوان کا برتنا جائز ہے نہ کہ گانے بجانے کی چیزیں جیسے گراموفون یا ہارمونیم وغیرہ۔ مگران جائز چیزوں کی تفصیل اپنی عقل سے نہ کریں بلکہ علماء سے پوچھ لیں اور مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں خواہ وہ بدعتی دین کے رنگ میں ہوں خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں ان کی وضع اختیار کرنا بھی گناہ ہے۔ گو کافروں کی وضع سے کم سہی بلکہ مرد کو عورت کی وضع اور عورت کو مرد کی وضع بنانا گناہ ہے۔ پھران سب ناجائز وضعوں میں اگر پوری وضع بنائی زیادہ گناہ ہوگا اگر ادھوری بنائی اس سے کم ہوگا اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ یہ مسئلہ جس طرح شرعی ہے اسی طرح عقلی بھی ہے کیونکہ مرد کے لئے زنانہ وضع بنانے کو ہر شخص عقل سے بھی بُرا سمجھتا ہے حالانکہ دونوں مسلمان اور صالح ہیں تو جہاں مسلمان اور کافر کا فرق ہو یا صالح و فاسق کا فرق ہو وہاں کافر یا فاسق کی وضع بنانے کو کس کی عقل اجازت دے سکتی ہے۔ اب کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

۱۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور شیطان نے یوں کہا کہ میں ان کو (اور بھی) تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے (جیسے ڈاڑھی منڈانا بدن گودنا وغیرہ)۔ (النساء، آیت ۱۱۹)

ف: بعضی تبدیلی تو صورت بگاڑنا ہے اور حرام ہے جیسی اوپر مثالیں لکھی گئیں اور بعضی تبدیلی صورت کا سنوارنا ہے اور واجب ہے جیسے لبیں ترشوانا ناخن ترشوانا بغل اور زیرناف کے بال لینا اور بعضی تبدیلی جائز ہے جیسے مرد کو سر کے بال منڈا دینا یا کٹا دینا یا ڈاڑھی کا جو حصہ ایک مٹھی سے زیادہ ہو کٹا دینا اور اس کا فیصلہ شریعت سے ہوتا ہے نہ کہ رواج سے کیونکہ اول تو رواج کا درجہ شریعت کے برابر نہیں دوسرے ہر جگہ کا رواج مختلف ہے پھر وہ ہر زمانے میں بدلتا بھی رہتا ہے۔

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ظالموں (یعنی نافرمانوں) کی طرف (باعتبار دوستی یا شرکت اعمال واحوال کے) مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے۔ الخ (ہود۔ آیت ۱۱۳)

ف: یہ یقینی بات ہے کہ اپنی وضع و طریقہ چھوڑ کر دوسرے کی وضع اور طریقہ خوشی سے تب ہی اختیار کرتا ہے جب اس کی طرف دل جھکے اور نافرمانوں کی طرف جھکنے پر دوزخ کی

وعید فرمائی ہے، اس سے صاف ثابت ہوا کہ ایسی وضع اور طریقہ اختیار کرنا گناہ [ا] ہے۔

۳۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے دیکھے فرمایا یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں ان کو مت پہنو۔ (مسلم)

ف: ایسا کپڑا مرد کے لئے خود بھی حرام ہے مگر آپ نے ایک وجہ یہ بھی فرمائی معلوم ہوا کہ اس وجہ میں بھی اثر ہے پس یہ وجہ جہاں بھی پائی جاوے گی یہی حکم ہوگا۔

۴۔ حضرت رکانہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹوپیوں کے اوپر عماموں کا ہونا فرق ہے ہمارے اور مشرکین کے درمیان۔ (ترمذی)

ف: مرقاۃ میں ہے کہ معنی یہ ہیں کہ ہم عمامہ ٹوپیوں کے اوپر باندھتے ہیں اور مشرکین صرف عمامہ باندھتے ہیں۔ اھ

۵۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (وضع وغیرہ میں) کسی قوم کی شباہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہے۔ (احمد وابوداؤد)

ف: یعنی اگر کفار فساق کی وضع بناوے گا وہ گناہ میں اُن کا شریک ہوگا۔

۶۔ حضرت ابی ریحانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا (ان میں یہ بھی ہے یعنی) اور اس سے بھی کہ کوئی شخص اپنے کپڑوں کے نیچے حریر لگاوے مثل عجمیوں کے یا اپنے شانوں پر حریر لگاوے مثل عجمیوں کے۔ الخ (ابوداؤد ونسائی)

ف: اس میں بھی وہی تقریر ہے جو (نمبر۳) میں گذری۔

۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کی سی شباہت بناتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی شباہت بناتی ہیں۔ (بخاری)

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورت کی وضع کا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی جو مرد کی وضع کا لباس پہنے۔ (ابوداؤد)

ا (فمسئلة لتشبه ثابتة بالقرآن ايضا ۱۲)

۹۔ حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ ایک عورت (مردانہ) جوتا پہنتی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردانی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

ف: آج کل عورتوں میں اس کا بہت رواج ہو گیا ہے اور بعضی تو انگریزی جوتہ پہنتی ہیں جس سے دو گناہ ہوتے ہیں۔ ایک مردوں کی وضع کا دوسرا غیر قوم کی وضع کا۔

۱۰۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعنت کرے اللہ تعالیٰ بال میں بال ملانے والی کو اور ملوانے والی کو (جس سے غرض دھوکہ دینا ہو کہ دیکھنے والوں کو لمبے معلوم ہوں، اور گودنے والی کو اور گدوانے والی کو۔ (بخاری و مسلم)

ف: مردوں کا بھی یہی حکم ہے۔

۱۱۔ حضرت حجاج بن حسان سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے (حجاج اس وقت بچے تھے کہتے ہیں کہ) میری بہن مغیرہ نے مجھ سے قصہ بیان کیا کہ تم اس وقت بچے تھے اور تمہارے (سر پر) بالوں کے دو چٹلے یا گچھے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی اور فرمایا ان کو منڈوا دو یا کاٹ دو کیونکہ یہ وضع یہود کی ہے۔ (ابوداؤد)

۱۲۔ حضرت عامر بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاف رکھو اپنے مکانوں کے سامنے کے میدانوں کو اور یہود کے مشابہ وضع مت بنو (وہ میلے کچیلے ہوتے تھے)۔ (ترمذی)

ف: جب گھر سے باہر کے میدانوں کو میلا رکھنا یہود کی مشابہت کے سبب ناجائز ہے تو خود اپنے بدن کے لباس میں مشابہت کیسے جائز ہوگی۔

۱۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ مغرب کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جاویں اور (یہ) دیہاتی اس کو عشاء کہتے تھے (یعنی تم اس کو عشاء مت کہو مغرب کہو) اور یہ بھی فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ عشاء کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جاویں کیونکہ وہ کتاب اللہ میں عشاء ہے (اور وہ اس کو عتمہ کہتے تھے) اس لئے کہ عتمہ (یعنی اندھیرے) میں اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا تھا۔ (مسلم)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ بول چال میں بھی بلا ضرورت ان لوگوں کی مشابہت نہ چاہئے جو دین سے واقف نہیں۔

۱۴۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عربی کمان تھی آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارس کی کمان تھی آپ نے فرمایا اس کو پھینک اور (عربی کمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس کو لو اور جو اس کے مشابہ ہے۔ الخ (ابن ماجہ)

ف: فارسی کمان کا بدل عربی کمان تھی اسلئے اسکے استعمال سے منع فرمایا، معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوم کی مشابہت سے بچنا چاہئے جیسے کانسی پیتل کے برتن بعضی جگہ غیر قوموں سے خصوصیت رکھتے ہیں۔

۱۵۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو عرب لہجے اور آواز میں پڑھو (یعنی صحیح اور بلا تکلف اور اپنے کو اہل عشق کے لہجہ سے اور دونوں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کے لہجہ سے بچاؤ۔ الخ (بیہقی و رزین)

ف: معلوم ہوا کہ پڑھنے میں بھی غیر قوموں اور بے شرع لوگوں کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔

۱۶۔ ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ام سعید دختر ابو جہل کو دیکھا کہ ایک کمان لٹکائے ہوئے تھی اور مردوں کی چال سے چل رہی تھی۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ کون ہے میں نے کہا کہ یہ ام سعید دختر ابو جہل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے ایسا شخص ہم سے الگ ہے جو عورت ہو کر مردوں کی مشابہت کرے یا مرد ہو کر عورتوں کی مشابہت کرے۔ (عین ترغیب از احمد و طبرانی واسقط المبہم)

۱۷۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارے ذبح کئے ہوئے کو کھائے وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لئے اللہ کی ذمہ داری ہے اور اس کے رسول کی سو تم لوگ اللہ کی ذمہ داری میں خیانت مت کرو (یعنی اس کے اسلامی حقوق ضائع مت کرو) (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی جن چیزوں کو مسلمانوں کے ساتھ خاص تعلق ہے ان کا کھانا بھی نماز وغیرہ کی طرح علامت ہے اسلام کی، سو بعضے آدمی جو گائے کا گوشت بلا عذر کسی کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں اس کا ناپسند ہونا اس سے معلوم ہوا (ویویدہ شان نزول قولہ تعالیٰ

یاایها الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ (البقرہ، آیت ۲۰۸) غرض ہر بات میں اسلامی طریقہ اختیار کرنا چاہئے، دین کی باتوں میں بھی اور دنیا کی باتوں میں بھی۔ چنانچہ

۱۸۔ عبداللہ بن عمرؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب فرقے دوزخ میں جاویں گے بجز ایک ملت کے۔ لوگوں نے عرض کیا اور وہ فرقہ کونسا ہے (جو دوزخ سے نجات پاوے گا) آپ نے فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (ترمذی)

ف: طریقہ سے مراد واجب طریقہ ہے جس کے خلاف دوزخ کا ڈر ہے اور آپ نے اس طریقہ میں کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی تو اس میں دین کی باتیں بھی آ گئیں اور دنیا کی بھی۔ البتہ کسی چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا طریقہ ہونا اور اس کا واجب ہونا کبھی قول سے معلوم ہوتا ہے کبھی فعل سے کبھی نص یعنی (صاف عبارت) سے کبھی (اجتہاد اور) اشارہ سے جس کو صرف عالم لوگ سمجھ سکتے ہیں عام لوگوں کو ان کے اتباع سے چارہ نہیں اور بدون ان کے اتباع کے غیر عالم لوگوں کا دین بچ نہیں سکتا۔

ختم کلام: جس قسم کے اعمال کی فہرست کا دیباچہ میں ذکر ہے ان میں اس وقت جس عمل کو سوچتا ہوں وہ ان پچیس حصوں میں پاتا ہوں اجمالاً یا تفصیلاً۔ اس لئے رسالہ کو ختم کرتا ہوں، البتہ اگر ذوقاً کسی کے ذہن میں اور کوئی عمل آوے یا ان میں سے کسی حصہ کی تفصیل مصلحت معلوم ہو وہ اس کا ضمیمہ بن سکتا ہے۔

شکرِ انعام: ۱۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے پہنچاتے رہو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ (بخاری)

۲۰۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دین کے احکام میں چالیس حدیثیں محفوظ کر کے میری امت پر پیش کر دے اللہ تعالیٰ اُس کو فقیہ کر کے اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔ (بیہقی)

الحمدللہ کہ ان حصوں میں نوے سے زائد آیتوں کی اور غیر مکرر و مرفوع تین سو چالیس سے زائد حدیثوں کی تبلیغ ہو گئی۔ اگر کوئی ان حصوں کو چھپوا کر تقسیم کرے یہ ثواب اس کو بھی ملے گا یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں بجز ایک کے جس میں عین لکھ دیا ہے۔ فقط اشرف علی

ضمیمہ حٰیوۃ المسلمین

از صوفی محمد اقبال قریشی، ناظم مرکز مجلس صیانۃ المسلمین، ہارون آباد، بہاول نگر

احقر نے حیاۃ المسلمین کی احادیث تخریج کے دوران سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ سے روح جہاد و شہادت بطور اضافہ تحریر فرمانے کی درخواست کی تو آپ نے اس ناچیز کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے والا نامہ میں تحریر فرمایا کہ

''احقر کے لیے آپ نے حٰیوۃ المسلمین میں رُوحِ جہاد و شہادت کے اضافہ کا مشورہ دیا ہے، دل کو بہت لگا اور اس وقت اس کی ضرورت بھی شدید ہے۔ اگرچہ قویٰ جواب دے رہے ہیں مگر اللہ کے نام پر اس کے لکھنے کا خیال تو پیدا ہوا، آج کل اپنی ساری توانائی تفسیر معارف القرآن پر خرچ کر رہا ہوں، وقت نکل سکا تو ان شاء اللہ یہ بھی لکھوں گا۔''

لیکن افسوس ملکی حالات کے سبب تحریر نہ فرماسکے۔ چنانچہ ۱۷ر ذیقعد ۹۱ھ کے والا نامہ میں تحریر فرمایا کہ:

''عنایت نامہ کا جواب بہت دیر کے بعد لکھ رہا ہوں، اپنے ضعف و امراض کے ساتھ ملک کے حالات نے کمر شکستہ نیم مُردہ کر رکھا ہے۔ حٰیوۃ المسلمین میں رُوح جہاد کے اضافے کی تجویز اچھی معلوم ہوئی۔ احقر نے جہاد کے موضوع پر رسالہ جہاد میں احادیث جمع کردی ہیں، آپ کے نام پر بذریعہ بک پوسٹ بھیج رہا ہوں، اگر اس میں سے رُوحِ جہاد آپ ہی انتخاب فرمالیں تو بہتر ہوگا۔''

احقر نے مذکورہ رسالہ کے اضافات و افادات سے رُوحِ جہاد و شہادت لکھ کر نظر انوار سے گزرنے کے لیے بھیجی تو باوجود ضعفِ بصر و دیگر امراض اور ہجوم مشاغل کے سارا مسودہ دیکھ کر والا نامہ تحریر فرمایا: مسودہ پہنچا، سب دیکھ لیا، جہاں آیتوں کے حوالے نہیں تھے وہ لکھ دیئے، ایک نئے عنوان کا اضافہ نئی سرخی سے لکھ دیا، باقی سب درست ہے۔

اللہ تعالیٰ نافع و مفید بنائے۔ والسلام، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ جمعہ ۹۱/۱۲/۲۵ھ

رُوح بست وششم

جہاد وشہادت

تلخیص رسالہ جہاد مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

جہاد کے معنی لغت میں کسی کام کے لیے اپنی پوری کوشش اور توانائی خرچ کرنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور دشمن کی مدافعت کرنے میں جان، مال، زبان، قلم کی پوری طاقت خرچ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔

شروع میں فضائل سے متعلق ہر عنوان کے تحت آیاتِ قرآنی واحادیث لکھی جائیں گی۔ اس کے بعد اسی ترتیب سے جہاد نہ کرنے پر وعید کے بارے میں آیات واحادیث لکھی جائینگی۔

(۱) وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ○ (سورۂ حج، آیت:۷۸)

''ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جہاد کرو اللہ کی راہ میں پورا جہاد۔''

ف: امام راغب اصفہانی نے اس ارشاد قرآنی کے بارے میں فرمایا کہ یہ آیت جہاد کی تین قسموں کو شامل ہے۔ (۱) کھلے دشمن سے مقابلہ (۲) شیطان اور اس کے پیدا کیے ہوئے خیالات کا مقابلہ (۳) خود اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کا مقابلہ۔

(۲) وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ○ (سورۃ الانفال، آیت: ۶۰)

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور تیار کرو تم دشمن کے لیے سامانِ جنگ اور سجے ہوئے گھوڑے تاکہ دھاک پڑ جائے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر۔

ف: اس میں ہر زمانہ اور ہر مقام کے مناسب اسلحہ اور سامانِ جنگ جمع کرنیکی تاکید ہے۔

(۳) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۝

''اے ایمان والو! جنگ میں کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو تم اُن سے پشت نہ پھیرو اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری تو اللہ کا غضب لے کر لوٹا۔'' (سورۂ انفال، آیت: ۱۵۔۱۶)

ف: ہاں اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ مجاہدین کو حالات سے پورا اندازہ ہو جائے کہ اگر ہم اس وقت لڑیں گے تو ہم سب فنا ہو جائیں گے اور دُشمن کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے تو دوسرے مسلمانوں سے کمک حاصل کرنے اور تیاری کے بعد لڑنے کی نیت سے اس وقت میدان چھوڑ دینا جائز ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

(۴) وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۝ (انفال، آیت: ۱۶)

''اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری بجز جنگی چال کے یا مسلمانوں کے کسی گروہ سے ملنے کے لیے تو اللہ کا غضب لے کر لوٹا۔''

(۵) اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝ (الانفال: آیت: ۶۵)

''اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم سو ہو تو ہزار پر غالب آ جاؤ گے۔''

(۱) ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لیے جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مسلسل روزے رکھتا ہو اور رات بھر تہجد کی نماز اور تلاوت میں مشغول رہے نہ کسی دن روزہ میں سستی کرے اور نہ کسی رات کی نماز میں اور مجاہد کو یہ فضیلت اس وقت تک برابر حاصل رہے گی جب تک لوٹ کر وہ اپنے گھر نہ آ جائے۔'' (بخاری و مسلم)

(۲) ''حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۲) "قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔ اللہ کے راستہ (جہاد) میں ایک مرتبہ صبح و شام کو نکلنا ساری دُنیا اور اُس کی تمام نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہے اور ایک گھڑی کا جہاد کی صف میں کھڑا ہونا گھر میں رہ کر ساٹھ برس کی نمازوں سے بہتر ہے۔" (احمد)

(۳) "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہو جائے اور اللہ (اس میں نیت کی طرف اشارہ ہے کہ محض ریاء و نمود شہرت اور کسی دنیوی مفاد کے لیے لڑنے کی نہ ہو) ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اُس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا رنگ و صورت میں تو خون ہوگا مگر اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔" (بخاری و مسلم)

ف: جب صرف زخمی ہونے میں اس قدر فضیلت ہے تو شہید ہونے میں کیا کچھ ہوگا۔

(۴) "حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن کا رباط یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا کام ساری دُنیا اور جو کچھ زمین پر ہے ان سب سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۵) "حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والے کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے، مرنے کے بعد اس کے عمل میں کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ بجز اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں کسی سرحد کی نگرانی کرتے ہوئے مر گیا تو اس کا عمل قیامت تک اس کے اعمال نامے میں بڑھایا جاتا رہے گا اور قبر کے سوال و جواب سے بھی محفوظ رہے گا۔" (ترمذی، ابوداؤد)

ف: ان دونوں حدیثوں میں رینجرز پولیس کے لیے کتنی عظیم الشان بشارت ہے جبکہ ان کی نیت اسلامی سرحدوں کو دُشمنانِ دین سے محفوظ رکھنے کی ہو اور اس نیت کے ساتھ اُن کو تنخواہ بھی ملتی ہے تو وہ بھی اس ثواب سے اُن کو محروم نہ کرے گی۔

(۶) "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک رات سمندر کے کنارے پر پہرہ دے تو اس کا یہ عمل اپنے گھر میں بیٹھ کر ہزار برس کی عبادت سے افضل ہے۔" (موصلی)

ف: اس میں بحری فوج کے لیے کتنی عظیم سعادت ہے۔

مال سے جہاد کرنا

چونکہ سب مسلمانوں کا جہاد میں جانا نہ ضروری ہوتا ہے اور نہ مفید، اس لیے دیگر مسلمان مجاہدین کی مالی امداد کر کے جہاد کا ثواب گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَاللّٰہِ ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ o یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ o (التوبہ:۲۰۔۲۱)

''فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ترکِ وطن کیا وہ درجہ میں اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں، اُن کا رب اُن کو اپنی طرف سے بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور ایسے باغوں کی کہ اُن کے لیے ان میں دائمی جنت ہوگی۔''

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o (التوبہ، آیت:۴۱)

''ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے نکل پڑو تھوڑے سامان اور زیادہ سامان کے ساتھ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم یقین رکھتے ہو۔''

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَۃً ط وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ط وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا (النساء، آیت:۶۵)

''ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت بلند بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ نے اچھے گھروں کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجرِ عظیم دیا ہے۔''

ف: قرآن کریم کی کئی آیتوں میں ارشاد ہے: وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ. غرض مال کے جہاد کو ہر جگہ جان کے جہاد سے مقدم فرمایا ہے۔

(۱) ''حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غازی کو تو اس کے غزوہ اور جہاد کا ثواب ملتا ہے اور جس شخص نے اُس کو مال دے کر جہاد کیلئے

بھیجا ہے اس کو اپنے مال کا بھی ثواب ملے گا اور اس غازی کے عمل کا بھی۔'' (ابوداؤد)

(۲) ''حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غازی کو جہاد کا سامان دیا، اُس نے بھی جہاد کیا اور جو شخص کسی غازی کے گھر والوں کی خبر گیری اور نگرانی میں لگا رہا، اس نے بھی جہاد کیا۔'' (بخاری و مسلم)

(۳) ''حضرت ابی الدرداء، ابوہریرہ، ابی امامہ، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جہاد کے لیے کچھ مال خرچ کیا مگر خود جہاد میں نہیں گیا اس کو ایک درہم پر سات سو درہم کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے خود بھی جہاد کیا اور اس میں اپنا مال بھی خرچ کیا تو اُس کے ایک درہم کا ثواب سات لاکھ کے برابر ہوگا۔'' (ابن ماجہ)

ف: ان آیات واحادیث سے جہاد کے لیے مال خرچ کرنے کی بڑی فضیلت ثابت ہوئی۔ حکومت کے دفاعی فنڈ کو صحیح مصرف میں خرچ کا اطمینان ہو تو اس میں چندہ دینا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

(۴) ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے خلاف جہاد کرو، اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اپنی زبانوں سے۔'' (ابوداؤد ونسائی)

ف: زبان کا جہاد یہ ہے کہ اپنی گفتگو اور تقریر سے دُشمن کو مرعوب کرے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے، قلم سے لکھنا بھی زبان سے بولنے کے قائم مقام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء کے مواعظ، مضامین، شعراء کے اشعار جو جذبے کو اُبھارنے والے ہیں، جہاد میں شامل ہیں۔

اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جانا

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ٥ (البقرہ: آیت: ۱۵۴)

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کی نسبت یوں نہ کہو کہ وہ مُردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن اس کا تم اِدراک نہیں کر سکتے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران: آیت:۱۶۹تا۱۷۱)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے اُن کو مُردہ مت خیال کرو، وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، اُن کو رزق دیا جاتا ہے، وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں، اُن کی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ اُن پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے، وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص جو جنت میں داخل ہو جائے پھر اس کو یہ کہا جائے کہ تو لوٹ کر دُنیا میں چلا جا، ساری دُنیا کی دولت وحکومت تجھے دی جائے گی وہ کبھی جنت سے نکل کر دُنیا میں آنے پر راضی نہ ہوگا، بجز شہید کے جو یہ تمنا ظاہر کرے گا کہ مجھے دُنیا میں بھیج دیا جائے تا کہ میں جہاد کر کے شہید ہوں۔ اسی طرح دس مرتبہ زندہ کر کے دُنیا میں بھیجا جاؤں، پھر شہید ہو کر آؤں کیونکہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا بڑا اعزاز واکرام کا مشاہدہ کرے گا جو اور کسی کا عمل نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم شریف)

(۲) حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہید ہونے کی دُعا مانگے تو اس کو اللہ تعالیٰ شہیدوں کے مرتبے پر پہنچا دے گا، اگر چہ وہ اپنے بستر پر مرے۔

(۳) حضرت ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جہاد کے لیے اپنے گھر سے نکلا پھر اس کو موت آ گئی یا کسی نے قتل کر دیا یا سواری سے مر گیا یا کسی موذی جاندار نے ڈس لیا یا اپنے بستر پر مر گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ (ابوداؤد)

ترکِ جہاد پر وعید اور وبالِ آخرت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى

الْاَرْضِ ط اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ o اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے عوض دُنیاوی زندگی پر قناعت کر لی، سو دُنیوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں، بہت قلیل ہے، اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ (التوبہ: آیت: ۳۸ تا ۳۹)

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ م بِالْمُتَّقِيْنَo اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَo

ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رُخصت نہیں مانگتے اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے، البتہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رُخصت مانگتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں، وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں۔ (التوبہ: آیت: ۴۴۔۴۵)

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ o رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَo (التوبہ: ۸۶۔۸۷)

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جب کوئی ٹکڑا قرآن کا اس مضمون میں نازل کیا جاتا ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں کے جو مقدور والے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رُخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں تو وہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور اُن کے دلوں پر مہر لگ گئی جسے وہ سمجھتے نہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے نہ کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے دل میں جہاد کا ارادہ کیا وہ ایک قسم کے نفاق پر مرے گا۔ (مسلم)

(۲) حضرت ابی اُمۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نہ کبھی جہاد کیا اور نہ کبھی کسی مجاہد فی سبیل اللہ کی یہ خدمت انجام دی کہ اس کے اہل وعیال کی نگرانی بلا کسی غرض دنیوی کے پوری طرح کرتا تو قیامت سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ اس پر عذاب نازل فرمائیں گے۔ (ابوداؤد)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے بدن پر کوئی جہاد کا نشان نہ ہو وہ ایک عیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ہندوستان پر جہاد کی خاص اہمیت اور فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جماعتیں میری اُمت میں ایسی ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے نجات لکھ دی ہے ایک وہ جماعت جو ہندوستان پر جہاد کرے گی اور ایک وہ جماعت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد اُن کے ساتھ ہوگی۔ (طبرانی فی الاوسط)

ف: الفاظ حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ حدیث کو کسی خاص جہاد کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے جتنے جہاد ہندوستان میں مختلف زمانوں میں ہوتے رہے اور آئندہ بھی ہوں گے سب کو یہ بشارت شامل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ہندوستان کے جہاد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں نے اس کو اپنی زندگی میں پالیا تو میں اپنا سارا مال اور اپنی جان اس میں خرچ کروں گا، پھر اگر میں قتل کر دیا گیا تو افضل الشہداء ہو جاؤں گا اور اگر زندہ لوٹا تو میں جہنم سے آزاد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہوں گا۔ (نسائی)

ف: سبحان اللہ! اس حدیث میں کیا عظیم الشان بشارت ہے۔

حقوق الوالدین

ازالۃ الدین عن حقوق الوالدین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

حمد وصلوٰۃ کے بعد مؤلف رسالہ ہٰذا اپنے برادرانِ اسلامی کی خدمت میں گزارش کرتا ہے کہ عرصے سے دیکھتا تھا کہ بعض اسلامی بھائی ادائے حقوق والدین میں اس قدر زیادتی اور مبالغہ کرتے ہیں کہ جس سے دیگر اہل حقوق کے حق ضائع ہوتے ہیں اور حضرت ذوالجلال والاکرام کی نافرمانی ہوتی ہے اور پھر اس برتاؤ کو عمدہ شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت نے ہم کو اطاعت والدین اسی طرح سکھلائی ہے اور اپنی کج فہم کے موافق آیات واحادیث پیش کرتے ہیں۔ سو اس ناشائستہ حرکت کو دیکھ کر دل دُکھتا ہے۔ اب بفضل خالق اکبر ایک مضمون اس بارے میں لکھنے کا قصد کیا اور اپنے پیارے پروردگار رحیم وکریم سے اختتام رسالہ اور راہِ صواب کی دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ بطریق حق اس کتاب کو پورا فرمادے۔

آخر میں ایک مفید تذئیل اضافہ کی جائے گی جس میں حقوقِ شوہر اور حقوق اُستاد کا مبالغہ بیان ہو کر امرِ حق واضح کیا جاوے گا۔ اصل مقصود رسالے سے اُمور مذکورہ ہیں مگر ضمناً اور فوائد بھی بیان کیے جاویں گے۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ ہم کو حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لیے پیدا کیا ہے اور مقصود اور مستقل بالذات ہمارے ذمہ اس خالق اکبر ہی کی تابعداری ہے اور باقی جن حضرات کی تابعداری ہمارے ذمہ اللہ پاک نے لازم کی ہے وہ مقصود بالغیر اور تابع ہے اور ظاہر ہے کہ اصل تابع پر ہمیشہ اور مقصود ذریعہ پر دواماً مقدم ہوا کرتا ہے۔ اگر وسیلہ اور فرع کی اطاعت سے اصل اور مقصود کی تابعداری میں نقصان ہوگا تو وہ تابعداری مذموم اور ناجائز ہوگی، حسب قواعد عقلیہ ونقلیہ وعرفیہ ورنہ اصل کا فرع اور فرع کا اصل ہونا لازم آوے گا اور یہ قلب موضوع ہے جو باطل اور مقصود سے دور ہے۔ پس اس قاعدہ کلیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیات اور احادیث وغیرہ سے مقصود کو ثابت کرتا ہوں۔ خوب غور سے سمجھئے، یہ رسالہ ان شاء اللہ تعالیٰ عوام وخواص کی غلطی رفع کرے گا۔ بعض خواص بھی بوجہ عدم تدبر اس مغالطہ عظیمہ میں مبتلا ہیں۔ "واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل اللّٰھمّ تقبل منّا انّک انت السمیع العلیم"

آغاز مقاصد کتاب

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْکِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْ ھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًاo وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًاo رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ ط اِنْ تَکُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا o وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًاo (سورۃ بنی اسرائیل: آیت:۲۲-۲۶)

ترجمہ یہ ہے اور قطعی حکم دے دیا تیرے رب نے کہ کسی کو نہ پوجو اس (اللہ) کے سوا اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو۔ اگر پہنچ جاویں بڑھاپے کو تیرے سامنے والدین میں کا ایک یا دونوں (بڑھاپے کی قید) اہتمام کیلئے ہے کہ یہ حالت زیادہ تعظیم کی مقتضی ہے اور نیز اس حالت میں ان کو خدمت کی زیادہ حاجت ہے اور ایسی حالت میں اولاد کو بوجہ شفقت شدید غصہ آنے کا احتمال ہے ورنہ بڑھاپے کی حالت کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ سورۃ لقمان کی آیت: "وصاحبھما فی الدنیا معروفا"

(اور ان کا ساتھ دے دُنیا میں عمدہ طور پر) اس حکم کو مطلقاً ثابت کرتی ہے اس لیے کہ ایذائے والدین ایسے ساتھ دینے کے خلاف ہے جس کا حکم ہے اور جس لفظ کا کہنا حالت بڑھاپے میں حرام کیا گیا ہے (وہ ایذا ہے خوب سمجھ لو) تو ان کو ہوں بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور کہہ ان سے تعظیم کی بات اور جھکا دے ان کے آگے عاجزی کا بازو (یعنی عاجزی کا برتاؤ کر) نیاز سے اور کہہ اے میرے پروردگار! اُن پر رحم فرما جیسا اُنہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم سعادت

مند ہو گے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے۔

یعنی سعادت سمجھ کر والدین کی خدمت کرنا یا ایک بوجھ سمجھ کر نبھانا سب کچھ ہم خوب جانتے ہیں۔ البتہ اگر نیت نیکی پر ہو اور کسی وقت تنگ دلی یا غصہ میں کچھ ناراض کر بیٹھو اور پھر توبہ کر لو تو ہم (اپنی نافرمانی کا گناہ) معاف کر دیں گے (اور خود ان سے بھی کہ جن کا قصور کیا ہے بحالت قدرت معافی مانگنا ضروری ہے۔ مجبوری میں ان کے لیے کثرت سے استغفار کرے۔ حق تعالیٰ قیامت میں معاف کرا دیں گے اور سعادت مند ہونے کی قید خصوصیت سے معافی کے لیے ہے ورنہ گناہ تو کسی طریق پہ ہو بچی توبہ سے معاف کر دیا جاتا ہے) اور دے قرابت دار کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو مت اُڑا کر بکھیر کر (حق تعالیٰ نے حد اعتدال قائم رکھنے کو حقوقِ والدین کے متصل دیگر حقوق کا ادا کرنا بھی فرض کر دیا کیونکہ احتمال تھا کہ اس شدومد کے ساتھ والدین کی اطاعت کا حکم دیکھ کر کوئی شخص کسی دوسرے کے ادائے حقوق کو محض معمولی بات خیال کر کے اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا اور رضائے والدین کو مقدم کرتا۔ مثلاً والدین کہتے کہ تو اپنے اہل وعیال کو ایذا دے، خورد ونوشِ واجب میں کمی کر تو یہ کرنے لگتا۔ پس رحیم وکریم نے بتلا دیا کہ ہر چیز کی حد ہے، والدین کی وجہ سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ کرو۔ یہ وجہ ربط ہے دونوں مضمونوں میں، دوسری وجہ یہ ہے کہ اوّل والدین کا حق بیان کیا۔ پس اعلیٰ کو مقدم اور ادنیٰ کو مؤخر کیا۔

فوائد: اس آیت سے والدین کو اُف (یعنی ہوں) کہنا منع ثابت ہوا اور جو دوسرا لفظ یا برتاؤ ایسا ہی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے) اور وجہ اس لفظ کے ممنوع ہونے کی حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایذائے والدین بیان فرمائی ہے یعنی اس لفظ اور مثل اس کے دیگر الفاظ اور برتاؤ سے ان کو رنج پہنچتا ہے کیونکہ یہ کلمہ ہتک اور بے عزتی کا ہے۔ پس قاعدہ کلیتہ ہوا کہ جس بات میں والدین کو واقعی ایذا ہو۔

(روی عن بعض التابعین انه قال من دعا لابویه فی کل یوم خمس مراتٍ فقدادی حقهما لان الله تعالیٰ قال ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر فشکر الله تعالیٰ ان یصلی فی کل یوم خمس مرات

و کذالک الوالدین ان یدعوا ما فی کل یوم خمس مرات کذا قال الفقیہ ابو اللیث قدس سرہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لو علم اللّٰہ شیئًا من العقوق ادنٰی من اُفّ نھی عن ذلک فیعمل العاق اشد ان یعمل ظن یدخل الجنۃ ویعمل البار ماشاء ان یعمل ظنّ یدخل النّار رواہ الفقیہ الممدوح قلت انہ ینبغی ان یتصدّق عنھم اذا ادی الزکٰوۃ وغیرھا وقال صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لایجزی ولد والدا الاّ ان یجدہٗ مملوکاً فیشتریہ فیعتقہ مروی بسند صحیح ۱۲)

(جوعندالشرع معتبر ہے) وہ ہر برتاؤ قولی ہو یا فعلی اُن کے ساتھ منع اور حرام ہوگا اور جس برتاؤ سے رنج مذکور بشروط مذکورہ نہ ہو وہ منع نہ ہوگا۔ اس علت اور حکم کا ہر جگہ خیال رکھے۔ تمام احکام کا مدار اسی علت پر ہے اور قرآن میں اس آیت سے زیادہ کسی آیت میں حقوق والدین کی شدت نہیں بیان ہوئی۔ اگر یہ لفظ یا اس کے مثل کسی قوم میں بطور تعظیم بولا جاتا ہو تو اس کا اطلاق والدین پر جائز ہوگا۔

چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے چند مسائل اس علت پر مبنی کر کے بطور نمونہ ناظرین کو دکھلاتا ہوں، پھر جن احادیث سے لوگوں کو شبہ پڑا ہے ان کو نقل کر کے جواب معقول قلمبند کروں گا اور بعض احادیث جو غیر معتبر ہیں۔ اس باب میں وہ بھی اس کے بیان غیر معتبر کے ساتھ نقل کروں گا۔

کن چیزوں میں والدین کا حکم ماننا ضروری نہیں

۱۔ جو سفر (خواہ تجارت کا ہو خواہ حج وغیرہ کا بشرطیکہ وہ سفر فرض واجب نہ ہو) ایسا ہو جس میں غالب ہلاکی کا اندیشہ نہیں بغیر اجازت والدین درست ہے۔ اگر والدین اس سفر سے منع کریں تو اُن کے کہنے سے سفر نہ کرنا ضروری نہیں۔ چنانچہ یہ مسئلہ درمختار عالمگیری میں موجود ہے اور جو سفر فرض یا واجب ہو اس میں تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب والدین اپنی ضروری خدمت کے محتاج نہ ہوں خواہ ان کو حاجت ہی نہ ہو یا ہو تو دوسرا کوئی خدمت کرنے والا موجود ہو۔ وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں والدین کو کوئی رنج و تکلیف واقعی اور قابل اعتبار نہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے اس لیے اس

صورت میں والدین کے خلاف کام کرنا درست ہے نہ حرام نہ مکروہ۔

۲۔اگر والدین کو ضروری حاجت کے لیے (جس کو شریعت نے ضروری کہا ہے مثلاً طعام ولباس وغیرہ وادائے قرض) خرچ کی ضرورت نہ ہو اور اولاد کے پاس اپنی ضروری حاجت سے روپیہ یا دوسری قسم کا مال زائد ہو اور والدین اولاد سے طلب کریں تو اولاد کو دینا ضروری نہیں۔

۳۔والدین بغیر احتیاج خدمت نوافل پڑھنے کو منع کریں یا کسی دوسرے غیر ضروری کام کرنے سے روکیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں۔ ہاں اگر وہ خدمت ضروری کے محتاج ہوں اور نوافل وغیرہ میں مشغولی ان کو تکلیف دے اور کوئی دوسرا خادم نہ ہو تو اولاد پر ضرور واجب ہے کہ نوافل وغیرہ چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔

(۴) اگر والدین حقہ نوش ہوں اور حقہ پینا بغیر مرض اور معذوری کے ہو اور اولاد سے حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں (حقہ پینا سخت مکروہ تنزیہی ہے) ہاں اگر کوئی خاص حقہ ہو اور اس سے کسی ضرر اور بدبو منہ میں پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو یا کوئی ایسا مریض ہو کہ سوائے حقہ کے کسی وجہ سے دوسرا علاج ممکن نہ ہو تو شرعاً بلا کراہت اجازت ہے۔ صاحب مجالس الابرار نے نہایت تحقیق اور تفصیل سے حقہ کی مذمت ثابت کی ہے تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ ایک فعل مکروہ کا مرتکب ہونا ہے جو شرعاً مذموم ہے اور ضرورت کی حالت میں جس کی تفصیل بیان ہو چکی اس فرمائش کی تعمیل واجب ہے۔

۵۔اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہنچتا ہو خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت کو طلاق دے دے، اس کہنے کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے۔ طلاق اللہ پاک کے نزدیک بڑی بری چیز ہے فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہ تحریمی ہے۔ نکاح تو وصال کے لیے موضوع ہے یہ فراق بلاوجہ کیسے روا ہو سکتا ہے۔ وفصله (لا ترد علينا حال سيدنا حسن بن علي عنهما بطلقات كثيرة لازواجه كما هوا مذكور في الكتب فانه لا يظن انه كان يفعله بغير سبب ولو فرضنا كذالک فهو قياس الصحابي فلا يلزم علينا اتباعه) ابن الہمام رحمہ اللہ فی فتح القدیر وحققہ،

صورت میں والدین کے خلاف کام کرنا درست ہے نہ حرام نہ مکروہ۔

۲۔ اگر والدین کو ضروری حاجت کے لیے (جس کو شریعت نے ضروری کہا ہے مثلاً طعام ولباس وغیرہ وادائے قرض) خرچ کی ضرورت نہ ہو اور اولاد کے پاس اپنی ضروری حاجت سے روپیہ یا دوسری قسم کا مال زائد ہو اور والدین اولاد سے طلب کریں تو اولاد کو دینا ضروری نہیں۔

۳۔ والدین بغیر احتیاج خدمت نوافل پڑھنے کو منع کریں یا کسی دوسرے غیر ضروری کام کرنے سے روکیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں۔ ہاں اگر وہ خدمت ضروری کے محتاج ہوں اور نوافل وغیرہ میں مشغولی ان کو تکلیف دے اور کوئی دوسرا خادم نہ ہو تو اولاد پر ضرور واجب ہے کہ نوافل وغیرہ چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔

(۴) اگر والدین حقہ نوش ہوں اور حقہ پینا بغیر مرض اور معذوری کے ہو اور اولاد سے حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں (حقہ پینا سخت مکروہ تنزیہی ہے) ہاں اگر کوئی خاص حقہ ہو اور اس سے کسی ضرر اور بدبو منہ میں پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو یا کوئی ایسا مریض ہو کہ سوائے حقہ کے کسی وجہ سے دوسرا علاج ممکن نہ ہو تو شرعاً بلا کراہت اجازت ہے۔ صاحب مجالس الابرار نے نہایت تحقیق اور تفصیل سے حقہ کی مذمت ثابت کی ہے تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ ایک فعل مکروہ کا مرتکب ہونا ہے جو شرعاً مذموم ہے اور ضرورت کی حالت میں جس کی تفصیل بیان ہو چکی اس فرمائش کی تعمیل واجب ہے۔

۵۔ اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہنچتا ہو خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت کو طلاق دے دے، اس کہنے کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے۔ طلاق اللہ پاک کے نزدیک بڑی بری چیز ہے فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہ تحریمی ہے۔ نکاح تو وصال کے لیے موضوع ہے یہ فراق بلاوجہ کیسے روا ہو سکتا ہے۔ وفصلہ (لا ترد علینا حال سیدنا حسن بن علی عنهما بطلقات کثیرة لازواجه کما هوا مذکور فی الکتب فانه لا یظن انه کان یفعله بغیر سبب ولو فرضنا کذالک فهو قیاس الصحابی فلا یلزم علینا اتباعه) ابن الہمام رحمہ اللہ فی فتح القدیر وحققہ،

(قال الشیخ ابن الهمام فی کتاب الطلاق من فتح القدیر ولا یخفٰی من کلامهم فیما سیاتی من التعالیل یصرح بانه محظور لا فیه من کفران نعمته النکاح و للحدیثین المذکورین وغیرهما وانما ابیح الحاجة والحاجة ما ذکرنا فی بیان سببه فبین الحکمین منهم تدافع فالاصح خطره الالحاقه الادله المذکورة ویحمل لفظ المباح علیٰ ما ابیح فی بعض الاوقات اعنی اوقات تحقق الحاجة المبیحةَ انتهٰی الیٰ انها کلامه ثم طول کلامه فان شئت فارجع الیه) 12

۶۔ اگر والدین کسی گناہ کا حکم دیں کہ فلاں گناہ کرو مثلاً فرمائیں کہ اہل حق کی مدد نہ کرو یا زکوٰۃ نہ دو یا دینی تعلیم نہ کرو یا اور کوئی ایسی ہی بات کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا حرام ہے اور ان کی مخالفت فرض ہے جب کہ وہ کام ضروری ہو جس سے وہ روکتے ہیں۔ ہاں اگر ان کو کوئی (واقعی اور سخت) تکلیف ہو مثلاً وہ بیمار ہوں اور کوئی خادم نہ ہو اور نماز کا وقت ہے، اگر ان کی خبر گیری نہ کی جائے تو سخت تکلیف کا اندیشہ ہے۔ پس ایسی صورت میں اگر نماز قضا کرنے کو کہیں تو قضا کر دے پھر کسی وقت قضا پڑھ لے اور اگر کسی مستحب کام سے روکیں اور اپنی کسی ضروری حاجت (واقعی اور معتبر) کی وجہ سے روکیں تو ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے اور خواہ مخواہ روکیں تو واجب نہیں ہے۔

۷۔ اگر والدین کہیں کہ تم ہماری فلانی اولاد کو (کہ وہ صاحب حاجت نہیں ہے) اس قدر رقم دے دو تو باوجود گنجائش کے بھی یہ رقم دینا واجب نہیں (یہاں تک مع نظائر یہ بیان ہو گیا کہ کس کس جگہ والدین کے حکم کی تعمیل واجب اور کس مقام پر منع ہے اور کس مقام پر جائز ہے۔ غرض ہر جگہ اطاعت والدین ضروری نہیں)۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا صحیح مطلب

حدیث میں ہے کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا افضل ہے نماز سے اور روزہ سے اور حج سے اور عمرہ سے اور جہاد سے راہِ خدا میں (یہ حدیث ثابت نہیں) اس لیے قابل اعتبار نہیں اور اس کو حدیث کہنا روا نہیں جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے مختصر سے نقل کیا ہے۔ فوائد

مجموعہ میں اور قاعدۂ شرعی کے خلاف ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

مشکوٰۃ باب البر والصلہ میں بروایت ترمذی مذکور ہے۔ رضائے پروردگار رضائے والدین میں ہے (یعنی والدین اگر راضی رہیں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی رہے اور اگر وہ ناراض رہیں تو خدا بھی ناراض رہے اور ناخوشی پروردگار کی ناخوشی والدین میں ہے)۔

ف: یہاں سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ ہر کام والدین کی رضا پر لازم ہے ورنہ گناہ ہوگا حالانکہ یہ حکم نہیں۔ پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جن اُمور میں اطاعت والدین شریعت سے لازم ہے ان اُمور میں اگر کوتاہی کرے گا تو ناراضی حق حاصل ہوگی اور نافرمان جب ہی ہوگا جب کہ حقوق ضروریہ ادا نہ کرے۔ پس یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ داخل ہے اس قاعدۂ کلیہ میں جو ابتداء قائم کیا گیا ہے کہ جس بات کے کرنے سے والدین کو تکلیف ہو وہ کام نہ کرنا واجب ہے اور اس حدیث کا شانِ نزول خصوصیت بیان حقوق والدین اور مراد مذکور پر دلالت کرتا ہے جس کو اشعۃ اللمعات میں نقل کیا ہے اور راز یہ ہے کہ ہر امر میں اطاعت کا حکم دیا جاتا اور اسی طرح عورت کو ہر امر میں خاوند کی اطاعت کا حکم ہوتا تو بہت سے لوگ عبادتِ الٰہی سے جو پیدائش انسان سے اصلی مقصود ہے محروم ہو جاتے اور اپنے اصلی محبوب کی یاد سے اور اس کے ذکر کی حقیقی لذت اور کمالات عالیہ سے محروم رہتے جس کے بغیر طالب خالق اکبر کو چین ہی نہیں اور مقصود بھی وہی ہے جیسا کہ تمہید میں بیان کر چکا ہوں۔

انسانی پیدائش کا اصل مقصد

قرآن مجید میں فرمایا ہے: "وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون" (اور ہم نے جن وانسان کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے)۔

اور حدیث قدسی جو باعتبار سند ضعیف مگر ہمارے مقصود کو غیر مضر اور باعتبار تحقیق حضرات اہل کشف صحیح ہے اسی مضمون کو بتلاتی ہے اور وہ یہ ہے: "میں خزانہ میں پوشیدہ تھا، پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو پیدا کیا میں نے مخلوق کو۔"

پس معلوم ہوا کہ عبادتِ الٰہی اور معرفت محبوب حقیقی مقصود ہے پیدائش مخلوق سے، پس ہر جگہ اس کو مقدم رکھا جائے۔

والدین کے حکم کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے یا نہیں؟

۴۔ مشکوٰۃ کے مقام مذکور میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرد اُن کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک بیوی ہے جس کے طلاق دینے کا میری ماں حکم کرتی ہے (آیا طلاق دوں یا نہیں) پس فرمایا اس سے حضرت موصوف نے میں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ باپ (اور ماں) افضل دروازہ بہشت کا ہے (یعنی سب داخل ہونے جنت میں افضل دروازے جنت سے رضائے والد (اور والدہ) ہے۔ پس اگر تو چاہے تو حفاظت کر دروازے کی یا ضائع کر دے اس کو، یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس عورت سے اس مرد کی والدہ کو تکلیف (واقعی) پہنچتی تھی، اس وجہ سے طلاق دلانا چاہتی تھی ورنہ خواہ مخواہ طلاق دلانا ظلم ہے اور ظلم پر مدد کرنا ظلم ہے۔

پس طلاق جو ظلم ہے صورتِ مذکورہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس کی کیسے اجازت دے سکتے تھے۔ نیز یہی جواب ہے اس حدیث کا جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت (اس حدیث کو ترمذی نے اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔۱۲) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے کہ اُن کے صاحبزادے اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ صاحبزادے طلاق نہیں دینا چاہتے تھے تو اُنہوں نے جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، آپ نے طلاق دینا ارشاد فرمایا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مقبول صحابی کسی پر کیسے ظلم کرتے، اگر بفرضِ محال ایسا کرتے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے گوارا فرماتے اور ظلم کی کس طرح اعانت فرما سکتے تھے۔ اس حدیث کی تقریر قریب اسی تقریر کے حضرت امام ہمام غزالی قدس سرہ نے احیاء العلوم میں فرمائی ہے۔

والدین کے حقوق ادا کرنے پر جنت کی بشارت

۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مشکوٰۃ کے باب میں بروایت بیہقی روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ فرماں بردار ہو۔ حق تعالیٰ کا ماں باپ کے (حق ضروری) ادا کرنے میں تو وہ ایسے حال

میں صبح کرتا ہے کہ دو جنت کے دروازے اس کے لیے کھلے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو اور یہ برتاؤ اس کے ساتھ کیا جائے تو بطریق مذکور ایک دروازہ جنت کا اس کے لیے کھلا ہوتا ہے اور اسی طرح جو صبح کرے اس حال میں کہ نافرمانی کرے اللہ تعالیٰ کی والدین کے حقوق (ضروریہ) میں تو دو دروازے جہنم کے کھل جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ ایک مرد نے عرض کیا کہ اگرچہ والدین اس پر ظلم کریں (یعنی باوجود ان کے ظلم وزیادتی کے بھی ان کی اطاعت ہی کرے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کہ اگرچہ وہ دونوں اس پر ظلم کریں (تب بھی اس کو اطاعت ہی کرنا چاہیے اور ضرور ہے) واضح رہے کہ مطلب یہ ہے کہ والدین کے ظلم کرنے کی وجہ سے جو حقوق ان کے اولاد پر ضرور ہیں ان کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ برائی کی ہم بھی ایسا ہی کریں۔

خدا کی نافرمانی کیلئے کسی کا حکم نہیں ماننا چاہیے

یہ غرض نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے کام کا حکم کریں جو شرعاً ظلم ہو اور اس میں ان کا کہنا مانے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (نہیں ہے کسی طرح کی تابعداری کسی مخلوق کی خالق کی نافرمانی میں) یعنی کسی مخلوق کا کسی قسم کا حکم ماننا جو خالق کے حکم کے خلاف ہو ہرگز جائز نہیں (اور یہ جملہ صورۃً خبر ہے اور مراد اس سے نہی ہے اور نہی بصورت خبر ابلغ ہوتی ہے خود نہی کے صیغہ سے۔ پس نہایت تاکید سے یہ امر ثابت ہوا کہ کسی مخلوق کا کوئی کہنا ماننا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، ہرگز جائز نہیں، خوب سمجھ لو)۔

ماں باپ کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے

۶۔ بیوی کے نفقہ کے سوا اور اہل قرابت کا نفقہ مرد کے ذمہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وہ اس قدر مال کا مالک ہو جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے اور والدین بھی اسی حکم میں داخل ہیں اور بیوی کا نفقہ ہر صورت میں فرض ہے خواہ شوہر فقیر ہو یا امیر ہو (حاشیہ شرح وقایہ)۔ پس معلوم ہوا کہ جب تک بقدر مال مذکور مرد کے پاس نہ ہو والدین کا نفقہ (ضروری خرچ) واجب نہ ہوگا۔ اس تقریر سے یہ غرض نہیں کہ انسان والدین سے بے رُخی

اوران کے ادائے حقوق میں کوتاہی اوران کی احسان فراموشی کرے کہ یہ تو بہت بری بات ہے بلکہ غرض اس تمام تقریر سے یہ ہے کہ مبالغہ رفع کردیا جاوے۔ وہ حقوق بھی بیان ہو جاویں جوواجب ہیں اوروہ بھی جوغیرضروری اور مستحب یا مباح ہیں۔ والدین رب مجازی ہیں، ان کا بڑا لحاظ اور بڑی اطاعت کرنی چاہیے اور چونکہ حقوقِ والدین مشہور ہیں، ان کے بیان کی حاجت نہیں۔ نیز یہ کتاب جس مبالغہ رفع کرنے کے واسطے موضوع ہے وہ اس کا اصلی مقصد ہے اور صورتِ مذکورہ میں مستحب مؤکدہ ہے کہ اگر کوئی خاص مجبوری نہ ہوتو باوجود اس قدر مال نہ ہونے کے بھی ان کی خدمت کرے۔ اگرچہ خود کو تکلیف ہو۔

والدین کے حکم سے مشتبہ مال کھانا واجب نہیں

۷۔ والدین کے فرمانے سے مشتبہ مال کا کھانا واجب (**وبه قال العلماء نقله الغزالی قدس سرّہ قلت ان من افتٰی بذالک فهو کان محققا ۱۲**) نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس میں والدین کو کوئی معتبر اور واقعی تکلیف نہیں، ہاں اگر اولاد مرنے لگے اور سخت تکلیف ہو اور والدین اصرار کریں کہ مشتبہ مال صرف کر اور حلال طیب مال پر ان کو قدرت نہ ہو تو ان کی فرمانبرداری کے لیے بقدرِ حاجت کھالے۔ ہاں اگر وہ کھانے والا صاحب قلب صافی اور بزرگ ہو تو، جب بھی نہ کھاوے کہ ایسا مال ایسے شخص کو حسی اور ظاہری اور معنوی سخت نقصان دیتا ہے جیسا کہ بندہ کا اور دیگر حضرات کا تجربہ ہے اور ایسی صورت میں والدین کی فرمانبرداری واجب نہیں۔ اس لیے اپنی ذات کو از خود ہلاکی میں ڈالنا ممنوع ہے اور اس میں نافرمانی خالق ہے اور مخلوق کی اطاعت ناراضی خالق میں روا نہیں اور ایسی صورت تکلیف سے اگر مر جاوے اور خراب مال نہ کھاوے تو بڑا ثواب ہوگا۔

جہاد میں کافر باپ کو قتل کرنا دُرست ہے

۸۔ لباب النقول میں ہے کہ جنگ بدر میں اِدھر مسلمانوں کے لشکر خدائی گروہ میں حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ (یہ بڑے زاہد صحابی ہیں) تھے۔ ادھر کفار کے لشکر شیطانی گروہ میں اُن کے باپ جو مشرک تھے اپنے بیٹے کو جان سے مارنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا میرا باپ کافر مجھ کو میرے

اسلام کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اِدھر اُدھر بچتے پھرتے رہے۔ آخر کار موقع پاکر باپ کو مار ڈالا تو آیات نازل ہوئیں۔ نیز حضرت ابوبکر صدیق کے باپ ابوقحافہ (پھر یہ اسلام لے آئے تھے ۱۲) نے کفر کی حالت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً طمانچہ کھینچ مارا، وہ گر پڑے اور حضور سے شکایت کی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسے بے جا کلمات پر گردن اُڑا دیتا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ان آیات کا شانِ نزول یہ دو سبب ہیں) اور وہ آیتیں سورۂ مجادلہ پارہ ۲۸ میں درج ہیں جن کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

''تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر کہ وہ دوستی کریں، ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے، گو وہ ان کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا ان کے بھائی ہوں یا اُن کے کنبے کے یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے (یعنی خوب رچا دیا ہے) اور ان کی تائید کی فیضان غیبی سے اور ان کو داخل فرمائے گا، ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ خدائی لشکر ہے۔''

سنو جی! اللہ کا لشکر وہی فلاح پانے والے ہیں۔ یہاں سے بخوبی روشن ہو گیا کہ اللہ پاک کے حق کے سامنے والدین کے حق کی کیا وقعت ہے اور ثابت ہوا کہ جہاد میں باپ کو خود قتل کرنا درست ہے اور ہدایہ (**یدل علیه ماروا‌ه الزمخشری عن حذیفه انه استاذن النّبی صلی اللّٰه علیه وسلّم فی قتل ابیه وهو فی صف المشرکین فقال دعه یلیه غیرک انتهٰی و قلت بلااستحباب تطبیقا بین الاحادیث و لعل هذا الحدیث ثابت لکن لم اطلع علٰی وضعه ولا ثبوته فی غیرالکشاف والبیضاوی و تتبعت کتب الموضوعات**) میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ جہاد میں اپنے باپ کے مارنے کو دوسرے کو اشارہ کر دے خود نہ مارے۔ سو ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم مستحب ہے کہ ادب پدری بھی ملحوظ رہے گا اور مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور یہ بھی جب

کہ دوسرا شخص موجود ہو ایسے موقع پر اس کو بخوبی مار سکے۔ کفر اور شرک کا انجام ذلت ہے۔ جس سے حب پدری پورے طور پر نہیں باقی رہ سکتا۔

فاسق والدین کو اچھے طریق سے نصیحت کرے

پس اگر والدین فاسق ہوں تو خوب اچھے طریق پر نصیحت کرے اور اگر ضرورت ہو اور جھڑک (جھڑکنے کی ممانعت قرآن کی نص صریح ہے اور محققین فقہاء نے ایسی صورت میں کہ والدین کسی گناہ میں مبتلا ہوں، سمجھانے پر بھی باز نہ آئیں یہ لکھا ہے کہ اولاد کو چاہیے کہ ان کے لیے دُعا پر اکتفاء کرے جھڑکنے اور دلآزاری کے طریقہ سے بچے۔ کذا فی خوبصورت۔ محمد شفیع دیوبندی) دے تاہم کچھ گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ معاملہ دینی میں کسی کی رعایت جائز نہیں۔ لیکن حتی المقدور خاص طور پر ادب ملحوظ رکھے جہالت سے نہ پیش آوے سماحت اور ادب کا برتاؤ کرے۔

حد شریعت کے اندر اندر خوب سمجھ لو اور حضرت ابراہیم نے جو اپنے کافر باپ کو باوجود کفر اور نصیحت نہ ماننے کے کوئی تکلیف نہیں دی۔ سو اس وجہ سے کہ ان کو بظاہر اُمید تھی کہ یہ نرمی سے نصیحت قبول کریں گے اور اسی شفقت کی وجہ سے استغفار کرنے کا ان کے لیے وعدہ کیا تھا مگر جب یہ اُمید منقطع ہوگئی اور معلوم ہوا کہ یہ دُشمن خدا ہے اور استغفار بوجہ کفر ان کو مفید نہ ہوگی۔ تب ان سے بیزار ہوئے۔

۹۔ احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جو خدا کا فرمانبردار نہ ہو اور والدین کا فرمانبردار ہو (تو بوجہ اطاعت والدین نامۂ اعمال میں) وہ نیک لکھا جاتا ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ بد لکھا جاتا ہے۔ یہ روایت اگر طریق معتبر سے ثابت ہو تو اس سے وہم ہو سکتا ہے کہ اطاعتِ خالق کا درجہ اور حقوق الٰہیہ کا مرتبہ ہر موقع پر حقوق والدین سے کم ہے مگر ایسا نہیں ہے، معنی حدیث کے یہ ہیں کہ جو شخص اطاعت والدین کرے ان اُمور میں جہاں ان کی اطاعت جائز ہے، خواہ وہ اطاعت واجب ہو یا مستحب ہو تو اس برکت سے حقوق الٰہیہ کا ادا نہ کرنا معاف ہو جاتا ہے اور جب کہ والدین کے ضروری حقوق ادا نہ کرے تو نیک اعمال متعلق حقوق الٰہیہ ادا کرنے سے یہ نافرمانی والدین معاف نہیں ہوتی۔ پس

نافرمان لکھا جاتا ہے اس لیے حقوق العباد باوجود قدرت بغیر ادا کیے یا بغیر معافی اصحاب حقوق ساقط نہیں ہوتے کہ اللہ غنی اور بندہ محتاج ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ والدین کا غیر ضروری حکم نہ ماننے سے باوجودِ اطاعت حقوق الٰہیہ بندہ نافرمان لکھا جائے، خوب سمجھ لو۔

اولاد کو اچھی تعلیم دینا باپ پر فرض ہے

۱۰۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کسی باپ نے اپنے بیٹے کی اس کو رنج وایذا دینے کی شکایت کی۔ آپ نے بیٹے سے وجہ دریافت کی اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا، باپ کا حق بہت بڑا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ موافق حکم حدیث میرے ان پر (خاص طور پر) تین حق تھے۔ نام اچھا رکھنا، تعلیم کرانا، اپنی شادی اچھی جگہ (شرعی طور پر) کرنا کہ لڑکے کو طعنہ نہ دیں بوجہ ماں کے رذیل وخراب ہونے کے، اُنہوں نے کوئی حق ادا نہیں کیا (بغیر تعلیم کسی کا حق کیسے معلوم ہوسکتا ہے جو ادا کرے)۔

پس حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکے سے کوئی مطالبہ نہیں کیا (اور فرمایا باپ سے کہ تو کہتا ہے کہ میرا بیٹا ایذا دیتا ہے بلکہ اس کے ایذا دینے سے پہلے تو اس کو ایذا دے چکا ہے۔ میرے سامنے سے اُٹھ جا۔

یہ حدیث امام فقیہ ابواللیث نے روایت کی ہے۔ مختصر کر کے نقل کیا ہے۔ ہر شخص کے حقوق کا لحاظ شریعت میں کیا گیا ہے اور اسی کے موافق مطالبہ ہے)۔

امام علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (لفظ و سعید بن المسیب هجر اباه حتی مات و کان الثوری یتعلم من ابی لیلی فمات ابن ابی لیلٰی ولم یشهد الثوریؒ جنازته، وقد لقلته، لان الاستاذاب روحی لکن لایبلغ درجة الاب الحقیقی فافهم ۱۲)...

(یہ بڑے درجہ کے تابعی ہیں، علم میں کوئی تابعی اس درجہ کو نہیں پہنچا اور بزرگ تھے اور صاحب کرامت تھے) نے اپنے بیٹے سے علیحدگی اختیار کی اور بالکل چھوڑ دیا (دینی وجہ سے) یہاں تک کہ ان کی وفات (قدجاء فی فضل الذکر عایت یدل علیه وان شئت شرحه فانظر فی شرح المشکوة للشیخ الدهلوی) ہوگئی۔

(حضرت موصوف کی یا ان کے باپ کی) سبحان اللہ! اللہ والے کسی کی رعایت نہیں کرتے۔ خالق اکبر کی مخالفت ان کو گوارا نہیں گو کوئی راضی ہو یا ناراض ہو۔

۱۱۔ ذکر کرنا، والدین یا دیگر حضرات کی مالی خدمت و نیز دوسری غیر ضروری خدمتوں سے افضل ہے اور علمی عبادت تو بطریق اولیٰ افضل ہے۔ یہ مضمون حدیث سے ثابت ہے۔ **(فلا تلتفت الیٰ ما قال فی عالمگیریه ناقلاً عن شرح شرعة الاسلام من تقديم حقوق الاستاد على الابوين فان ليس فيه نص ولا قياس صحيح والاجماع ۱۲ منه)** ہے۔

الحمدللہ! کہ یہاں تک بخوبی ثابت ہو گیا کہ خلافِ شرع حکم والدین کا ماننا جائز نہیں اور وہ مقامات بھی معلوم ہو گئے جہاں اطاعت والدین فرض مستحب ہے۔ الغرض ہر حکم والدین کی تعمیل لازم نہیں اور معتبر حدیث میں ہے کہ "**نزلوا الناس منازلهم**" (یعنی لوگوں کو ان کے درجوں پر قائم کرو) نہ کسی کو حد سے زیادہ بڑھاؤ نہ حد سے زیادہ گھٹاؤ، خود افضل البشر سید الانبیاء نے اپنی حد سے زیادہ تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ آپ کا رُتبہ والدین وغیرہ سب سے زیادہ ہے۔ "**وآخر دعوانا ان الحمدللّٰه رب العٰلمين و صلى اللّٰه علىٰ سيّدنا المرسلين وآلهٖ اجمعين وسلّم**"

تذئیل مفید

اُستاد و مرشد اور زوجین کے حقوق

ا۔ اُستاد و مرشد کا بڑا حق ہے لیکن والدین سے کم ہے۔ بعضے حضرات سے غلطی ہوئی ہے جنہوں نے اُستاد و مرشد کے حق کو والدین کے حق پر ترجیح دی ہے اور والدین کے حق کو اُستاد و مرشد کے حق سے کم فرمایا ہے اور شاید ان کی دلیل یہ ہوگی کہ والدین تربیت ظاہری و جسمانی کرتے ہیں اور یہ حضرات تعلیم باطنی و تربیت روحانی فرماتے ہیں اور روح و باطن کا فضل جسم پر ظاہر ہے مگر یہ دلیل نہایت ضعیف قابل اعتماد نہیں کہ جزئی فضل ہے، کلی فضل نہیں۔ پس ایک جہت سے بزرگی ہونا دوسری جہات سے افضل ہونے کے منافی نہیں اور نہ کہیں قرآن و حدیث میں اس قدر اہتمام کے ساتھ اُستاد و مرشد کے حقوق کا بیان ہے۔ جیسا کہ والدین کے حقوق کا اہتمام شدت سے فرمایا گیا ہے۔ اُستاد و مرشد میں فقط تعلیم کی وجہ سے حق قائم ہوتا ہے۔

والدین بے شمار سختیوں اور بے طمع محبت سے اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ باوجود اولاد کی گستاخی اور سرکشی کے اپنی اضطراری محبت سے اولاد پر شفقت کرنے سے اعراض نہیں فرماتے اور جان و دل ان پر قربان کرتے ہیں بخلاف اُستاد پیر کے تھوڑی خفگی کی بھی اس قدر برداشت دُشوار ہے جیسا کہ والدین بے شمار سختیوں کا تحمل کرتے ہیں اور جزاء بمقدار عمل ہوا کرتی ہے۔ پس چونکہ والدین کا عمل بہت بڑا ہے لہٰذا درجہ بھی بڑا ہوا۔ گو بطریق شذوذ و ندرت بعض والدین میں شفقت مرشد و اُستاد سے کم پائی جائے اور بعض اُستاد و مرشد میں والدین سے زائد شفقت پائی جائے۔ پس اس کا اعتبار نہیں، اس لیے کہ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے۔ مدارِ حکم یہ امر نہیں ہو سکتا۔ مدارِ حکم وہی ہے جو بیان ہوا۔

خوب سمجھ لو اور مرشد و اُستاد کا حق دل و جان سے سعی کر کے ادا کرو کہ ان کے ذریعہ سے انسانیت اور رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے مگر حد کو ملحوظ رکھو۔ یہ مختصر مضمون اس موقع پر کافی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ اُستاد کے حکم سے بیوی کو طلاق دینا ضروری ہے۔ یہ غلط محض ہے اور ہر موقع پر تو والدین کا بھی اتنا حق نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا سوائے عظمت و تکریم اور ضرورت کے وقت مثلِ خدمت دیگر حضرات ان کی خدمت کرنے کے مثل والدین کی اطاعت لازم نہیں۔ ہاں قریب واجب ضرور ہے۔ اس موقع پر جہاں والدین کی اطاعت لازم ہے، خوب سمجھ لو اور اُستاد اگر فاسق یا کافر ہو تو بھی اس کی تعظیم اور ادائے حقوق میں کمی نہ کرے۔

بیوی کے ذمہ خاوند کے حقوق

۲۔ بیوی کے ذمہ خاوند کی خدمت اور اس کی خواہش کو پورا کرنا لازم اور فرض ہے۔ وہ کوئی مباح کام ایسا نہیں کر سکتی جس میں خاوند کی خدمت وغیرہ میں خلل پڑے، دُنیا میں بیوی پر خاوند کا جتنا حق ہے، اتنا کسی کا کسی پر نہیں۔ جیسا کہ حدیث (مشکوٰۃ) میں ہے کہ فرمایا جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں سجدہ کرنے کا غیر خدائے تعالیٰ کے لیے حکم کرتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ یہاں سے کس قدر عظمت شوہر کی ثابت ہوئی کہ عبادت جو مخصوصات خداوندی میں سے ہے، اگر غیر خدا کے لیے روا ہوتی تو اس کا اہل شوہر کے سوا کوئی دوسرا نہ ہوتا لیکن ہر حکم خاوند کا ماننا ضروری نہیں۔ ہاں خاوند کا وہ حکم جس کے نہ کرنے سے اسے تکلیف ہو اس کی خدمت کا حرج ہو یا کسی کام کے کرنے سے ایسا ہو۔ پس ضرور ہے کہ ایسے اُمور میں (بشرطیکہ وہ اُمور خلافِ شرع نہ ہوں) خاوند کی تابعداری کرے اور اس کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے اور کسی طرح اس کے حقوق میں کمی نہ کرے اور یہ مضمون والدین کے حقوق کے بارے میں تفصیلی بیان ہو چکا ہے۔ بعینہ وہی حکم یہاں ہے مگر یہاں زیادہ مؤکد ہے سمجھانے کیلئے چند مسائل نمونے کے طور پر لکھتا ہوں۔

بیوی اور شوہر کا مال شرعاً علیحدہ علیحدہ ہے

ا۔ خاوند اور زوجہ کا مال شرعاً جدا جدا سمجھا جاتا ہے جس چیز کی فروخت اور ہر قسم کے

تصرف کا حق زوجہ کو حاصل ہوگا۔ وہ مال اس کا مملوک ہوگا اور جس مال پر اسی طرح زوج کا تصرف ہو وہ مال زوج کا ہے خلط ملط اور گڑبڑ کرنے سے اگر مال حدِ نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ وغیرہ ساقط نہ ہوگی۔ پس اگر خاوند کہے کہ میرا تیرا ایک ہی معاملہ ہے تو زکوٰۃ نہ ادا کر تو ہرگز اس کا کہنا نہ مانے کہ اس میں مخالفت خداوندی ہے اور کسی مخلوق کی اطاعت مخالفت الٰہی میں جائز نہیں، لوگ اس مسئلہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔

شوہر کے حکم سے فرض واجب اور سنت کو نہیں چھوڑا جاسکتا

۲۔ اگر خاوند عورت کے مملوک مال جائز موقع میں صرف کرنے سے روکے تو عورت کو اس کے حکم کی تعمیل واجب نہیں جب کہ بغیر کسی وجہ شرعی کے روکے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ باہم فساد برپا کرنا اچھا نہیں حتی المقدور خوب موافقت سے رہنا چاہیے۔ بعضے شوہر چونکہ دین دار نہیں ہوتے اس وجہ سے ایسے موقعوں پر مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے فساد سے بچنے کے لیے جائز اور مکروہ تنزیہی اُمور میں اس کی اطاعت کرسکتی ہے۔ ہاں فرض و واجب و سنت مؤکدہ کو اس کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتی۔

۳۔ بغیر اجازت شوہر کسی بزرگ سے بیعت ہونا جائز ہے۔ ہاں کسی فساد کا اندیشہ ہو تو اس فساد کو رفع کرنے کی وجہ سے یہ جائز ہے کہ بیعت نہ ہو۔ مثلاً خاوند منع کرے کہ تو بیعت نہ ہو اور وہ بیعت ہونا چاہتی ہے تو اگر باہمت ہو تو اللہ کے بھروسہ پر بیعت ہو جائے لیکن پھر کوئی رنج اس وجہ سے پیش آئے تو صبر کرے ناشکری نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی ہیں۔ آخرت میں ایسے لوگوں کا بڑا درجہ ہے اور یہی حکم اُن کاموں کا ہے جو مکروہ تنزیہی ہیں اور خاوند ان کے کرنے کو کہے۔

خاوند کی موجودگی میں نفلی عبادت کا حکم

۴۔ اگر خاوند مکان پر موجود ہو تو نفلی روزہ، نماز بغیر اس کی اجازت کے نہ پڑھے۔ اس لیے کہ شاید اس کی خدمت میں اس وجہ سے کوتاہی ہو جائے، ہاں اس کی اجازت سے پڑھے۔ حدیث شریف میں مکان پر موجود ہونے کی قید آئی ہے۔ اگر باہر ہو تو بغیر اجازت مضائقہ نہیں

اور اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اُمور خاوند کے حقوق میں خلل انداز ہوں اُن کا کرنا بغیر اس کی اجازت جائز نہیں اور باقی سب کام شرع کے موافق کرنے دُرست ہیں۔

۵۔ اگر شوہر کوئی جائز کام کسی اپنے قرابت دار یا کسی غیر کا عورت سے کروائے بغیر کسی مجبوری تو اس کا کرنا عورت کے ذمہ ضروری نہیں۔ مثلاً کسی کے لیے روٹی پکوائے یا کپڑا سلوائے یا کوئی ایسا ہی کام کرائے اگر کسی مجبوری سے کرائے تو چونکہ اس کام کو نہ کرنے میں خاوند کو تکلیف ہوگی، اس لیے ضروری ہے کہ کردے۔

فائدہ جلیلہ

اگر عورت کسی غیر محرم کا (بلاسخت مجبوری) کپڑا سیئے تو اگر وہ شخص اچھا دیندار ہے اور کوئی فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو کوئی گناہ نہیں، اگر وہ شخص بددین ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو سینا درست نہیں، بعضے بدچلن لوگ سیون دیکھ کر لذت حاصل کرتے ہیں۔ بطور نمونہ یہ تھوڑا سا مضمون مبالغہ سے بچانے کے لیے لکھ دیا گیا تا کہ وہ مواضع معلوم ہوں کہ جہاں اطاعت شوہر ضروری اور جہاں غیر ضروری ہے ورنہ خاوند کی اطاعت شرع کے موافق جس قدر ہو بڑی عمدہ بات ہے۔ بڑا درجہ جنت میں ایسی عورت کو حاصل ہوگا۔

ہاں نوافل وغیرہ عبادت کا بھی خیال رکھے کہ اصل مقصود پیدائشِ مخلوق سے طاعت الٰہی ہے اور اس کا تفصیلی حال کہ جس حالت میں ذکر اللہ والدین کی غیر ضروری اطاعت سے افضل ہے۔ پیشتر بیان کر چکے ہیں، وہی حکم یہاں بھی ہے:

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

الحمدللہ تعالیٰ کہ تذئیل مفید تمام ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ مقبول اور نافع فرمائے۔
بطفیل جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

آداب المعاشرت

حرفِ آغاز

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ اس وقت دین کے پانچ اجزاء میں سے عوام نے تو صرف دو ہی جزو کو داخل دین سمجھا یعنی عقائد وعبادات کو اور علماء ظاہر نے تیسرے جز کو بھی دین اختیار کیا یعنی معاملات کو اور مشائخ نے چوتھے جز کو بھی دین قرار دیا۔ یعنی اخلاقِ باطنی کی اصلاح کو لیکن ایک پانچویں جز کو کہ وہ ادبِ معاشرت ہے۔ قریب قریب ان تینوں طبقوں نے الا ماشاءاللہ اکثر نے تو اعتقاداً دین سے خارج اور بے تعلق قرار دے رکھا ہے (اور اسی وجہ سے اور اجزاء کی تو کم وبیش خاص طور پر یا عام طور پر یعنی وعظ میں کچھ تعلیم وتلقین بھی ہے) لیکن اس جز کا کبھی زبان پر نام تک بھی نہیں آتا۔ اسی لیے علماً وعملاً یہ جز بالکلیہ نسیاً منسیاً (بھول بھلیاں) ہو چلا ہے اور میرے نزدیک باہمی اُلفت واتفاق میں (جس کی شریعت نے سخت تاکید کی ہے اور اس وقت عقلاً بھی بہت چیخ وپکار کررہے ہیں) جو کمی ہے، اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے یہ سوءِ معاشرت (خراب برتاؤ) بھی ہے کیونکہ اس سے ایک کو دوسرے سے تکدر وانقباض ہوتا ہے اور وہ رافع مانع ہے۔

انبساط وانشراح کا اعظم مدار ہے۔ اُلفت باہمدگر کا۔ حالانکہ خود اس خیال کو کہ اس کو دین سے کوئی مس نہیں، آیات واحادیث واقوال حکمائے دین کے ردّ کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض بطورِ نمونہ کے پیش کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ فراخ کردو تو جگہ فراخ کردیا کرو اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہوجاؤ، تو کھڑے ہوجایا کرو۔'' (سورۂ مجادلہ)

اور ارشاد ہے کہ: ''دوسرے کے گھر میں (گو وہ مردانہ ہو مگر خاص خلوت گاہ ہو) بے اجازت لیے مت جایا کرو۔'' (سورۂ نور)

دیکھئے اس میں اپنے جلیسوں کی راحت کی رعایت کا کس طرح حکم فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''ایک ساتھ کھانے کے وقت دو چھوہارے ایک دم سے نہ لینا چاہیے تاوقتیکہ اپنے رفیقوں سے اجازت نہ لے لے۔'' (متفق علیہ) دیکھئے اس میں ایک نہایت خفیف امر سے محض اس وجہ سے کہ بدتمیزی ہے اور دوسروں کو ناگوار ہوگا، ممانعت کردی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص لہسن اور پیاز (خام) کھائے تو ہم سے یعنی (مجمع) سے علیحدہ رہے۔'' (متفق علیہ) دیکھئے اس خیال سے کہ دوسروں کو ایک خفیف سی اذیت ہوگی۔

منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا ہے کہ ''مہمان کو حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اس قدر قیام کرے کہ وہ تنگ ہو جائے۔ اس میں ایسے ممانعت ہے جس سے دوسروں کے قلب پر تنگی ہو۔'' (متفق علیہ) اور ارشاد فرمایا ہے کہ: ''لوگوں کے ساتھ کھانے کے وقت گو پیٹ بھر جائے مگر جب تک کہ دوسرے لوگ فارغ نہ ہو جائیں ہاتھ نہ کھینچے کیونکہ اس سے دوسرا کھانے والا شرما کر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور شاید اس کو ابھی کھانے کی حاجت باقی ہو۔'' (رواہ ابن ماجہ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرا آدمی شرما جائے۔ بعضے آدمی طبعی طور پر مجمع میں کسی چیز سے شرماتے ہیں اور ان کو گرانی ہوتی ہے یا اُن سے مجمع میں کوئی چیز مانگی جائے تو انکار و عذر کرنے سے شرماتے ہیں۔ گو پہلی صورت میں لینے کو جی چاہتا ہے اور دوسری صورت میں دینے کو جی نہ چاہتا ہو۔ ایسے شخص کو مجمع میں نہ دے نہ مجمع میں اس سے مانگے اور حدیث میں وارد ہے کہ ایک بار حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ درِ دولت پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری سے فرمایا: ''میں ہوں میں ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بات صاف کہے کہ جس کو دوسرا سمجھ سکے، ایسی گول بات کہنا جس کے سمجھنے میں تکلیف ہو، اُلجھن میں ڈالنا ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس لیے کھڑے نہ ہوتے تھے کہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی خاص ادب وتعظیم یا کوئی خاص خدمت کسی کے مزاج کے خلاف ہو۔ اس کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے۔ گو اپنی خواہش ہو مگر دوسرے کی خواہش کو اس پر مقدم رکھے۔ بعضے لوگ جو بعض خدمات میں اصرار کرتے ہیں، بزرگوں کو تکلیف دیتے ہیں اور ارشاد ہے کہ ''ایسے دو شخصوں کے درمیان میں (جو قصداً پاس پاس بیٹھے ہوں) جا کر بیٹھنا حلال نہیں، بدون ان کے اذن کے۔'' (ترمذی)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسی بات کرنا جس سے دوسروں کو کدورت ہو، نہ چاہیے اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور آواز کو پست فرماتے۔ (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جلیس کی اتنی رعایت کرے کہ اس کو سخت آواز سے بھی اذیت اور وحشت نہ ہو اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جو شخص جس جگہ پہنچ جاتا وہاں ہی بیٹھ جاتا۔ (رزین) یعنی لوگوں کو چیر پھاڑ کر آگے نہ بڑھتا، اس سے بھی مجلس کا ادب ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اتنی ایذاء بھی نہ پہنچائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً (بیہقی ۱۲) اور حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مرسلاً (ابوداؤد) مروی ہے کہ عیادت میں بیمار کے پاس زیادہ نہ بیٹھے، تھوڑا بیٹھ کر ہی جلد اُٹھ کھڑا ہو۔ اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس امر کی کہ کسی کی گرانی کا سبب بھی نہ بنے کیونکہ بعض اوقات کسی کے بیٹھنے سے مریض کو کروٹ بدلنے میں یا پاؤں پھیلانے میں یا بات چیت کرنے میں ایک گونہ تکلف ہوتا ہے جس کے بیٹھنے سے اس کو راحت ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غسل جمعہ کے ضروری ہونے کی یہی علت بیان فرمائی ہے کہ ابتدائے اسلام میں اکثر لوگ غریب مزدوری پیشہ تھے، میلے کپڑوں میں پسینہ نکلنے سے بدبو پھیلتی ہے اس لیے غسل واجب کیا گیا تھا۔ پھر بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس کی کوشش واجب ہے کہ کسی سے معمولی اذیت بھی نہ پہنچے اور سنن نسائی (ابوداؤد) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ شب برأت کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر سے آہستہ سے اُٹھے اور اس خیال سے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوتی ہوں گی، بے چین نہ ہوں، آہستہ نعل مبارک پہنے اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے کواڑ بند کیے۔

اس میں سونے والے کی کس قدر رعایت ہے کہ ایسی آواز یا کھڑکا بھی نہ کیا جائے جس سے سونے والا دفعتہً جاگ اُٹھے اور پریشان ہو اور صحیح مسلم میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ (اور جن احادیث کے حوالے متن میں نہیں ہیں وہ سب مشکوٰۃ و تعلیم الدین سے نقل کی ہیں) سے ایک طویل قصے میں مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے یہاں مقیم تھے، بعد عشاء اگر لیٹ رہتے حضور اقدس دیر میں تشریف لاتے تو چونکہ مہمانوں کے سونے اور جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا، اس لیے سلام تو کرتے تھے کہ شاید جاگتے ہوں اور ایسا آہستہ سلام کرتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے۔ اس سے بھی وہی اہتمام معلوم ہوا جو اس سے پہلی حدیث میں معلوم ہوا تھا اور بکثرت حدیثیں اس باب کی موجود ہیں۔ روایات فقیہہ میں ایسے شخص کو جو طعام وغیرہ یا درس یا اوراد (وظیفوں ۱۲) میں مشغول ہو، سلام نہ کرنا مصرح ہے۔

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت کسی مشغول شغل ضروری کے قلب کو منتشر اور جانب کرنا شرعاً ناپسند ہے۔ اسی طرح گندہ ذہنی کے مرض میں جو شخص مبتلا ہو اس کو مسجد میں نہ آنے دینا بھی فقہاء نے نقل کیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اذیت کے اسباب کا انسداد نہایت ضروری ہے، ان دلائل میں مجموعی طور پر نظر کرنے سے بدلالت واضحہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے نہایت درجہ پر اس کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کی کوئی حرکت، کوئی حالت دوسرے شخص کے لیے ادنیٰ درجہ میں بھی کسی قسم کی تکلیف و اذیت یا ثقل و گرانی یا ضیق و تنگی یا تکدر یا انقباض یا کراہت و ناگواری یا تشویش و پریشانی یا توحش یا خلجان کا سبب و موجب نہ ہو اور شارع علیہ السلام نے اپنے قول اور اپنے فعل ہی سے صرف اس کے اہتمام کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خدام کے قلت اعتناء (لاپروائی) کے موقع پر ان آداب کے عمل کرنے پر بھی مجبور فرمایا اور اُن سے کام لے کر بھی بتلایا ہے۔

چنانچہ ایک صحابی ایک ہدیہ لے کر آپ کی خدمت میں بدون سلام اور بدون استیذ ان (بغیر اجازت) داخل ہو گئے۔ آپ نے فرمایا باہر واپس جاؤ، السلام علیکم، کیا میں حاضر ہوں کہہ کر پھر آ ؤ اور فی الحقیقت حسن اخلاق مع الناس کا راس و اساس ایک امر ہے کہ کسی سے کلفت و ایذاء نہ پہنچے جس کو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامع الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

''المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ'' (رواہ البخاری)

''مسلمان (کامل) تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے بھی کسی کو تکلیف نہ ہو۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔۱۲''

اور جس امر سے اذیت ہو گو وہ صورت خدمت مالی ہو یا جانی ہو یا ادب و تعظیم ہو جو عرف میں حسن خلق (اچھی عادت۱۲) سمجھا جاتا ہے مگر اس حالت میں وہ سب سوء خلق (بری عادت) میں داخل ہے کیوں کہ راحت کی جان خلق ہے مقدم ہے خدمت پر کہ پوست خلق ہے اور قشر بلا لب (چھلکا بغیر مغز کے) کا بیکار ہونا ظاہر ہے اور گو شعائر ہونے کے مرتبہ میں باب معاشرت مؤخر ہے باب عقائد و عباداتِ فریضہ سے لیکن اس اعتبار سے (کہ عقائد و عبادات کے اخلال سے اپنا ہی ضرر ہے اور معاشرت کے اخلال سے دوسروں کا ضرر ہے اور دوسروں کو ضرر پہنچانا اشد ہے، اپنے نفس کو ضرر پہنچانے سے) اس درجہ میں کہ اس کو ان دونوں پر تقدم ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں:

اَلَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا

(جو لوگ کہ زمین پر متواضع ہیں اور جب ان سے کوئی بات چیت کرتے ہیں تو اچھی بات کہتے ہیں۔۱۲)

کو، کہ دال ہے حسن معاشرت پر ذکر میں مقدم فرمایا۔ صلوٰۃ و خشیت و اعتدال فی الانفاق و توحید (نماز اور خوف و خرچ میں اعتدال کرنے اور توحید۱۲) پر جو کہ باب طاعات مفروضہ و عقائد سے ہیں اور یہ تقدم علی الفرائض (فرائض پر مقدم کرنا۱۲) تو محض بعض وجوہ سے ہے۔ لیکن نفل عبادت پر اس کا تقدم من کل الوجوہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو دو عورتوں کا ذکر کیا گیا۔ ایک تو نماز، روزہ کثرت سے کرتی تھی (یعنی نوافل،

کیونکہ کثرت اسی میں ہوسکتی ہے) مگر اپنے ہمسایوں کو ایذاء پہنچاتی تھی۔ دوسری زیادہ نماز روزہ نہ کرتی تھی (یعنی صرف ضروریات پر اکتفا کرتی تھی) مگر ہمسایوں کو ایذاء نہ دیتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی کو دوزخی دوسری کو جنتی فرمایا اور باب معاملات سے گو اس حیثیت مذکورہ سے یہ مقدم نہیں کیونکہ اس کے اخلال سے بھی دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے۔

مگر ایک دوسری حیثیت سے یہ اس سے بھی اہم ہے اور وہ یہ کہ گو عوام نہ سہی مگر خواص باب معاملات کو داخل دین سمجھتے ہیں اور باب معاشرت کو بجز اخص الخواص (ترغیب و ترہیب منذری عن احمد وبزار وابن حبان وحاکم وابوبکر بن ابی شیبہ) کے بہت خواص بھی داخل دین نہیں سمجھتے اور جو بعض سمجھتے ہیں مگر معاملات کے برابر اس کو مہتم بالشان (اہتمام کے قابل) اعتقاد نہیں کرتے اور اسی وجہ سے عملاً بھی اس کا اعتناء (پرواہ) کم کرتے ہیں اور اخلاقِ باطنی کی اصلاح عباداتِ مفروضہ کے حکم میں ہے۔

جو حیثیت تقدم معاشرت علی العبادات کی اوپر مذکور ہوچکی ہے وہ یہاں بھی جاری ہے۔ غرض اس جز یعنی باب معاشرت کا سب اجزاء دین سے مقدم و مہتم بالشان ہونا کسی سے من وجہ اور کسی سے من وجہ ثابت ہوگیا مگر باوجود اس کے عوام کا تو بکثرت اور خواصمیں سے بعض کا اس کی طرف خود عملاً بھی التفات کم ہے اور جو کسی نے خود عمل بھی کیا مگر دوسروں کو خواہ وہ اجانب ہوں یا اپنے متعلقین ہوں، روک ٹوک یا تعلیم و اصلاح کرنا تو مفقود محض ہے۔ اس وجہ سے مدت سے اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کچھ ضروری آداب معاشرت جن کا اکثر اوقات موقع اور اتفاق پڑتا ہے، تحریراً ضبط کردیئے جائیں اور گو یہ احقر مدتوں سے اپنے متعلقین کو ایسے موقع پر زبانی احتساب کرتا رہتا ہے۔ گو اس میں میری اتنی خطا ضرور ہے کہ بعض وقت مزاج میں حدت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرکے اصلاح فرمائے اور اکثر وعظ میں بھی ایسے اُمور کی تعلیم و تبلیغ کرتا ہوں۔ مگر حسب قول مشہور "العلمُ صید ولکتابۃُ قیدٌ" جو بات تحریر میں ہے تقریر میں کہاں، اس لیے تحریر ہی کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی تھی مگر اتفاق سے دیر ہی ہوتی گئی۔ خدائے تعالیٰ کے علم میں اس کا یہی مقدر تھا۔ (الحمد للہ! کہ اب اس کی نوبت آئی، میں ہر تعلیم کے لیے لفظ ادب کو سرخی قرار

دوں) اور "کیف ما اتفق" جو بات یاد آئے گی یا پیش آئے گی، بلا کسی خاص ترتیب کے لکھتا چلا جاؤں گا، اگر یہ رسالہ بچوں بلکہ بڑوں کو بھی پڑھایا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ دُنیا ہی میں لطف جنت نصیب ہونے لگے گا: جیسا کہا گیا ہے:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادب ا: جب کسی کے پاس ملنے یا کچھ کہنے جاؤ اور اس کو کسی شغل کی وجہ سے فرصت نہ ہو، مثلاً قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہے یا وظیفہ پڑھ رہا ہے یا قصداً مقام خلوت میں بیٹھا کچھ لکھ رہا ہے یا سونے کے لیے آمادہ ہے یا قرائن سے اور کوئی ایسی حالت معلوم ہو جس سے غالباً اس شخص کی طرف متوجہ ہونے سے اس کا حرج ہوگا یا اس کو گرانی و پریشانی ہوگی، ایسے وقت میں اس سے کلام وسلام مت کرو بلکہ یا تو چلے جاؤ اور اگر بہت ہی ضرورت کی بات ہو تو مخاطب سے پہلے پوچھ لو کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، پھر اجازت کے بعد کہہ دے۔ اس سے تنگی نہیں ہوتی اور یا فرصت کا انتظار کرو، جب اس کو فارغ دیکھو مل لو۔

ادب ۲: جب کسی کے انتظار میں بیٹھنا ہو تو ایسے موقع پر اور اس طور سے مت بیٹھو کہ اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس کا انتظار کر رہے ہو، اس سے خواہ مخواہ اس کا دل مشوش ہو جاتا ہے اور اس کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے بلکہ اس سے دور اور نگاہ سے پوشیدہ ہو کر بیٹھو۔

ادب ۳: مصافحہ ایسے وقت مت کرو کہ دوسرے کے ہاتھ ایسے شغل میں رُکے ہوں کہ ہاتھ خالی کرنے میں اس کو خلجان ہوگا بلکہ سلام پر کفایت کرو اور اسی طرح مشغولی کے وقت میں بیٹھنے کے لیے منتظر اجازت مت رہو بلکہ خود بیٹھ جاؤ۔

ادب ۴: بعضے آدمی صاف بات نہیں کہتے۔ تکلف کے کنایات کے استعمال کو ادب سمجھتے ہیں، اس سے بعض اوقات مخاطب نہیں سمجھتا یا غلط سمجھتا ہے جس سے فی الحال یا فی المآل پریشانی ہوتی ہے، بات بہت واضح کہنا چاہیے۔

ادب ۵: بعضے آدمی بلاضرورت دوسرے شخص کی پشت کے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں، اس سے دل اُلجھتا ہے یا پشت کے پیچھے نماز کی نیت باندھ لیتے ہیں۔ سو اگر وہ اپنی جگہ سے اُٹھنا

چاہے تو پیچھے والے کی وجہ سے اُٹھ نہیں سکتا اور محبوس ہو جاتا ہے اور اس سے تنگی ہوتی ہے۔

ادب ۶: بعضے آدمی مسجد میں ایسی جگہ نیت باندھتے ہیں کہ گزرنے والوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ مثلاً دَر کے سامنے یا دیوارِ شرقی سے بالکل مل کر نہ پشت کی طرف سے نکلنے کی گنجائش رہے اور نہ سامنے سے بوجہ گناہ کے گزر سکے۔ سو ایسا نہ کرے بلکہ دیوارِ قبلہ کے قریب ایک گوشہ میں نماز پڑھے۔

ادب ۷: کسی کے پاس جاؤ تو سلام سے یا کلام سے یا روبرو بیٹھنے سے غرض کسی طرح سے اس کو اپنے آنے کی خبر دو اور بدون اطلاع کے آڑ میں ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو کیونکہ شاید وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہے جس پر تم کو مطلع نہ کرنا چاہے تو بدون اس کی رضا کے اس کے راز پر مطلع ہونا بری بات ہے بلکہ اگر کسی بات کے وقت یہ احتمال ہو کہ بے خبری کے گمان میں وہ بات ہو رہی ہے تو تم فوراً وہاں سے جدا ہو جاؤ یا اگر تم کو سوتا سمجھ کر ایسی بات کرنے لگے تو فوراً اپنا بیدار ہونا ظاہر کر دو۔ البتہ اگر تمہارے یا کسی اور مسلمان کی ضرر رسانی کی کوئی بات ہوتی ہو تو اس کو ہر طرح سن لینا دُرست ہے تا کہ حفاظت ضرر سے ممکن ہو۔

ادب ۸: کسی ایسے شخص سے کوئی چیز مت مانگو کہ قرائن سے یقین ہو کہ وہ باوجود گرانی کے بھی انکار نہ کر سکے گا۔ اگر چہ یہ مانگنا بطورِ قرض یا عاریت ہی کے ہو البتہ اگر یہ یقین ہو کہ اس کو گرانی ہی نہ ہوگی یا اگر گرانی ہوئی تو یہ آزادی سے عذر کر دے گا تو مضائقہ نہیں اور یہی تفصیل ہے کسی کام بتلانے میں، کوئی فرمائش کرنے میں، کسی سے کسی کی سفارش کرنے میں اس میں آج کل بہت ہی شامل ہے۔

ادب ۹: اگر کسی بزرگ کا جوتہ اُٹھانا چاہو تو جس وقت وہ پاؤں سے نکال رہے ہوں اس وقت ہاتھ میں مت لو، اس سے بعض اوقات دوسرا آدمی گر پڑتا ہے۔

ادب ۱۰: بعض اوقات بعض خدمت دوسرے سے لینا پسند نہیں ہوتا، سو ایسی خدمت پر اصرار نہ کرنا چاہیے کہ خود مخدوم کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ بات اس مخدوم کی صریح ممانعت یا قرائن سے معلوم ہوتی ہے۔

ادب ۱۱: کسی کے پاس بیٹھنا ہو تو نہ اس قدر مل کر بیٹھو کہ اس کا دل گھبراوے اور نہ اس

قدر فاصلے سے بیٹھو کہ بات چیت کرنے میں تکلف ہو۔

ادب ۱۲: مشغول آدمی کے پاس بیٹھ کر اس کو مت تکو کہ اس سے دل بٹتا ہے اور دل پر بوجھ معلوم ہوتا ہے بلکہ خود اس کی طرف متوجہ ہو کر بھی مت بیٹھو۔

مہمانی کے آداب

ادب ۱۳: اگر کسی کے ہاں مہمان جاؤ اور تم کو کھانا کھانا منظور نہ ہو، خواہ تو اس وجہ سے کہ کھا چکے ہو یا روزہ ہو یا کسی وجہ سے کھانے کا ارادہ نہ ہو تو فوراً جاتے ہی ان کو اطلاع کر دو کہ میں اس وقت کھانا نہ کھاؤں گا، ایسا نہ ہو کہ وہ انتظام کرے اور انتظام میں اس کو تعب بھی ہو، پھر کھانے کے وقت اس سے یہ اطلاع کرو تو اس کا یہ سب اہتمام وطعام ضائع ہی گیا۔

ادب ۱۴: اسی طرح مہمان کو چاہیے کہ کسی کی دعوت بدون میزبان سے اجازت حاصل کیے ہوئے قبول نہ کرے۔

ادب ۱۵: اسی طرح مہمان کو چاہیے کہ جہاں جائے میزبان سے اطلاع کر دے تا کہ اس کو کھانے کے وقت تلاش میں پریشانی نہ ہو۔

ادب ۱۶: کوئی حاجت لے کر کہیں جائے تو موقع پا کر فوراً اپنی بات کہہ دے، انتظار نہ کرائے، بعض آدمی پوچھنے پر تو کہہ دیتے ہیں کہ صرف ملنے آئے ہیں، جب وہ بے فکر ہو گیا اور موقع بھی نہ رہا، اب کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کہنا ہے تو اس سے بہت اذیت ہوتی ہے۔

ادب ۱۷: اس طرح جب بات کرنا ہو سامنے بیٹھ کر بات کرے، پشت پر سے بات کرنے سے اُلجھن ہوتی ہے۔

ادب ۱۸: کوئی چیز کئی شخصوں کے استعمال میں آتی ہے تو جو شخص اس کو اُٹھا کر کام لے بعد فراغ جس جگہ سے اُٹھائی تھی وہاں ہی رکھ دے، اس کا بہت اہتمام کرے۔

ادب ۱۹: بعض دفعہ کسی ایسے موقع پر جہاں ہر وقت چارپائی نہیں بچھی رہتی، سونے یا بیٹھنے کے لیے چارپائی بچھائی جاتی ہے۔ سو جب فارغ ہو جائے اس جگہ سے اُٹھا کر کہیں ایک طرف رکھ دے تا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔

ادب ۲۰: کسی کا خط جس کے تم مکتوب الیہ نہ ہو مت دیکھو، نہ حاضرانہ جیسے بعضے آدمی

لکھتے ہیں دیکھتے جاتے ہیں اور نہ غائبانہ۔

ادب ۲۱: اسی طرح کسی کے سامنے کاغذات رکھے ہوں، ان کو اٹھا کر مت دیکھو، شاید وہ شخص کسی کاغذ کو تم سے پوشیدہ کرنا چاہتا ہے گو وہ چھپا ہوا کیوں نہ ہو کیونکہ بعض دفعہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس کاغذ کا اس شخص کے پاس ہونا تم کو معلوم ہو۔

ادب ۲۲: جو شخص کھانے کے لیے جا رہا ہو یا بلایا گیا ہو اس کے ساتھ اس مقام تک مت جاؤ کیونکہ صاحب خانہ شرما کر کھانے کی تواضع کرتا ہے اور دل اندر سے نہیں چاہتا اور بعضے جلدی قبول کر لیتے ہیں تو صاحب خانہ کی بلا رضا کھانا کھایا اور اگر قبول نہ کیا ہو تو صاحب خانہ کی سبکی ہے۔ پھر خود صاحب خانہ کا اوّل وہلہ میں تردد یہ بھی مستقل ایذاء ہے۔

ادب ۲۳: جب کسی شخص سے کوئی حاجت پیش کرنا ہو جس کو پہلے بھی ذکر کر چکا ہو تو دوبارہ پیش کرنے کے وقت بھی پوری بات کہنا چاہیے۔ قرائن پر یا پہلی بات کے بھروسہ پر نا تمام بات نہ کہے۔ ممکن ہے مخاطب کو پہلی بات یاد نہ رہی ہو اور غلط سمجھ جائے یا نہ سمجھنے سے پریشان ہو۔

ادب ۲۴: بعضے آدمی پیچھے بیٹھ کر کھنکارا کرتے ہیں تا کہ کھنکارنے کی آواز سن کر یہ شخص ہم کو دیکھے اور پھر ہم سے بات کرے، سو اس حرکت سے سخت اذیت ہوتی ہے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ سامنے آ بیٹھے اور جو کچھ کہنا ہو کہہ دے اور مشغول آدمی کے ساتھ یہ بھی جب کرے کہ سخت ضرورت ہو ورنہ یہی بہتر ہے کہ اس کے فارغ ہونے تک ایسی جگہ بیٹھ جائے کہ اس کو اس کے آنے کی اطلاع بھی نہ ہو ورنہ اس سے بھی احیاناً پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر جب یہ فارغ ہو جائے پاس آ بیٹھے اور جو کچھ کہنا ہو کہہ سن لے۔

ادب ۲۵: جو آدمی تیزی کے ساتھ جا رہا ہو راستہ میں اس کو مصافحہ کیلئے مت روکو کہ شاید اس کا کوئی حرج ہو۔ اسی طرح اس کو ایسے وقت میں کھڑا کر کے بات مت کرو۔

ادب ۲۶: بعضے آدمی مجلس میں پہنچ کر سب سے الگ الگ مصافحہ کرتے ہیں۔ اگرچہ سب سے تعارف نہ ہو، اس میں بہت وقت صرف ہوتا ہے اور فراغ تک تمام مجلس مشغول اور پریشان رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ جس کے پاس قصد کر کے آئے ہو اس سے مصافحہ پر کفایت کرو، البتہ اگر دوسروں سے بھی تعارف ہو تو مضائقہ نہیں۔

ادب ۲۷: اگر کہیں جائے اور صاحب خانہ سے کچھ حاجت یا فرمائش کرنا ہو۔ مثلاً کسی بزرگ سے کوئی تبرک لینا ہو تو ایسے وقت میں اس کو ظاہر کر دو اور درخواست کرو کہ اس شخص کو اس کے پورا کرنے کا وقت بھی ملے۔ بعضے آدمی عین جانے کے وقت فرمائش کرتے ہیں تو اس میں صاحب خانہ کو بڑی تنگی پیش آتی ہے۔ وقت تو محدود ہوتا ہے کیونکہ مہمان جانے پر تیار ہے اور ممکن ہے کہ اس محدود وقت کے اندر اس کو مہلت نہ ہو، کسی کام میں مشغول ہو، پس نہ تو اس کے کام کا حرج گوارا ہے نہ اس درخواست کا رَد کرنا گوارا ہے تو اس سے بہت تنگی پیش آتی ہے تو ایسا کام کرنا جس سے دوسرے شخص کو تنگی ہو، روا نہیں اور تبرک مانگنے میں اس کا بھی لحاظ رکھو کہ وہ چیز ان بزرگ سے بالکل زائد ہو ورنہ سہل یہ ہے کہ چیز اپنے پاس سے یہ کہہ کر ان کو دے دو کہ آپ اس کا استعمال کر کے ہم کو دے دیجئے۔

ادب ۲۸: بعضے آدمی تھوڑی بات پکار کر کہتے ہیں اور تھوڑی بات بالکل آہستہ کہ سنائی بھی نہ دے یا ناتمام سنائی دے اور دونوں صورتوں میں ممکن ہے کہ سامع کو غلط فہمی یا تردد و اُلجھن ہو اور دونوں کا نتیجہ ناگوار ہے۔ بات کے ہر جز کو بہت صاف کہنا چاہیے۔

ادب ۲۹: بات کو اچھی طرح توجہ سے سننا چاہیے اور اگر کچھ شبہ رہے تو متکلم سے دوبارہ تحقیق کرنا چاہیے بے سمجھے محض اجتہاد سے عمل نہ کرے، بعض اوقات غلط فہمی کے ساتھ عمل کرنے سے متکلم کو اذیت ہوتی ہے۔

ادب ۳۰: اگر کوئی اپنا مطاع کوئی کام بتلائے تو اس کو پورا کر کے ضرور اطلاع دینا چاہیے۔ اکثر اوقات وہ انتظار میں رہتا ہے۔

ادب ۳۱: کہیں مہمان آجائے تو وہاں کے انتظامات میں مہمان ہونے کی حیثیت سے ہرگز دخل نہ دے، البتہ اگر میزبان کوئی خاص انتظام اس کے سپرد کر دے تو اس کے اہتمام کا مضائقہ نہیں۔

ادب ۳۲: جب اپنے سے بڑے کے ساتھ ہو بدون اس کی اجازت کے مستقل کوئی کام نہ کرنا چاہیے۔

ادب ۳۳: ایک نو وارد شخص سے پوچھا گیا کہ تم کب جاؤ گے؟ اس نے جواب دیا جب حکم

ہو۔ اس پر تعلیم کی گئی کہ یہ مہمل جواب ہے۔ مجھ کو کیا خبر کہ تمہاری کیا حالت ہے، کیا مصلحت ہے، کس قدر گنجائش وقت میں ہے۔ یوں چاہیے کہ جواب میں اپنے ارادہ سے اطلاع دے اور اگر ایسا ہی ادب واطاعت وتفویض کا غلبہ ہے تو بعد اطلاع ارادہ کے اتنا اور کہہ دے کہ میرا ارادہ تو اس طرح ہے۔ آگے جس طرح حکم ہو، غرض ایسا جواب مت دو کہ پوچھنے والے پر بار پڑے۔

ادب ۳۴: ایک طالب علم نے کسی کے لیے تعویذ دردِ زہ مانگا، اس کو تعلیم کیا گیا کہ طالب علم کو دوسروں کے حوائج دنیویہ پیش نہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اس سے ایسی فرمائش کرے تو عذر کردے کہ ہم کو اس سے معاف کرو، خلاف ادب ہے۔

ادب ۳۵: ایک طالب علم مہمان آئے جو پہلے بھی آئے تھے اور دوسری جگہ ٹھہرے تھے اور اب کی بار یہاں ٹھہرنے کے قصد سے آئے مگر ظاہر نہیں کیا کہ اس دفعہ تمہارے پاس ٹھہرا ہوں، اس لیے کھانا نہ بھیجا گیا، بعد میں پوچھنے سے معلوم ہوا، کھانا منگایا گیا اور ان کی فہمائش کی کہ ایسی حالت میں از خود ظاہر کردینا چاہیے تھا کیونکہ بے کہے کیسے معلوم ہو اور بوجہ اس کے کہ پہلے اور جگہ قیام کیا تھا، کیسے احتمال ہو کہ خود ہی پوچھ لیا جائے۔

ادب ۳۶: مہمان را با فضولے چہ کار، ایک مہمان نے دوسرے مہمان سے کہا تھا کہ کھانا تیار ہے۔

ادب ۳۷: ایک مہمان صاحب نے میزبان کے خادم سے پانی یہ کہہ کر مانگا کہ پانی لاؤ۔ فرمایا کہ تحکم کا لہجہ ہرگز نہیں چاہیے، یہ بداخلاقی ہے، یوں کہنا چاہیے کہ تھوڑا پانی دیجیے گا۔

ادب ۳۸: ہدیہ کے آداب میں یہ ہے کہ اگر کچھ درخواست کرنی ہو تو ہدیہ نہ دے۔ اس میں مہدی الیہ کو یا تو مجبور ہونا پڑتا ہے یا ذلیل۔ اسی طرح ہدیہ سفر میں بعض اتنی مقدار میں دیتے ہیں کہ لے جانا زحمت ہوتا ہے۔ اگر ایسا شوق ہو مقام قیام پر پارسل کے ذریعہ سے بھیج دے۔

ادب ۳۹: (بدنی) خدمت شیخ پہلی ملاقات میں کرنا سخت بار معلوم ہوتا ہے۔ اگر شوق ہے، پہلے بے تکلفی پیدا کرے۔

ادب ۴۰: اگر مجلس میں کوئی خاص گفتگو ہو رہی ہو تو نئے آنے والے کو چاہیے کہ خواہ

خواہ سلام کرکے اپنی طرف متوجہ کرکے سلسلۂ گفتگو میں مزاحم نہ ہو بلکہ چاہیے کہ چپکے سے نظر بچا کر بیٹھ جائے، پھر موقعہ سے سلام وغیرہ کرسکتا ہے۔

ادب ۴۱: کھانے پر اصرار تکلف کے ساتھ خلاف مصلحت مہمان نہ چاہیے۔

ادب ۴۲: خواہ مخواہ پیٹھ کے پیچھے بیٹھنا سخت بار معلوم ہوتا ہے، تعظیم کے لیے ہر نشست و برخاست کے موقعہ پر اکثر باوجود ضرورت اُٹھنے سے مانع ہوتا ہے، نہیں چاہیے۔

ادب ۴۳: جہاں جس کا جوتہ رکھا ہو، اس کو ہٹا کر اپنا جوتہ رکھ کر، جگہ کرکے مسجد وغیرہ میں نہ جانا چاہیے جہاں جس کا جوتا رکھا ہو وہ اسی کا حق ہے، وہیں آکر دیکھے گا، نہ ملے گا پریشان ہوگا۔ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

ادب ۴۴: وظیفہ پڑھتے وقت خاص طور سے قریب بیٹھ کر انتظار کرنا قلب کو متعلق کرکے وظیفہ کو مخل کرتا ہے۔ البتہ اپنی جگہ بیٹھا رہے تو کچھ حرج نہیں۔

ادب ۴۵: بات ہمیشہ صاف اور بے تکلف کہہ دے، تکلیف کی تمہید وغیرہ نہ کرے۔

ادب ۴۶: کسی کے توسط سے بلاضرورت پیغام نہ پہنچائے، جو کچھ کہنا ہو خود بے تکلف کہہ دے۔

ادب ۴۷: ہدیہ کے بعد فوراً ہدیہ دینے والے کے سامنے اس رقم کو چندہ خیر میں بھی دینا دِل شکنی ہے، ایسے وقت میں دے کہ اس کو معلوم نہ ہو۔

ادب ۴۸: ایک دیہاتی کچھ باتیں کررہا تھا، بعض باتیں بے تمیزی کی بھی کرنے لگا۔ ایک شخص نے اہل مجلس میں سے اشارہ سے اس کو روک دیا۔ اس شخص کو سختی سے تنبیہ کی کہ تم کو اس کے روکنے کا کیا حق تھا تم لوگوں کو مرعوب کرتے ہو۔ میری مجلس کو فرعون کی مجلس بناتے ہو، اگر کہا جائے کہ بے تمیزی کرتا تھا، سو بے تمیزی سے روکنے کے لیے خدا نے مجھ کو بھی زبان دی ہے، تم کیوں دخل دیتے ہو اور اس دیہاتی سے کہا کہ جو کچھ کہنا ہے آزادی سے کہو۔

ادب ۴۹: اپنے بزرگ کے ساتھ اگر ان کے بعض متعلقین کی بھی دعوت کرے تو خود ان سے نہ کہے کہ فلاں کو بھی لیتے آئیے، بعض اوقات یاد نہیں رہتا نیز اپنا کام ان سے لینا خلاف ادب بھی ہے بلکہ اُن سے اجازت لے کر اس متعلق سے خود کہہ دے اور اس متعلق کو بھی چاہیے کہ اپنے بزرگ سے پوچھ کر منظور کرے۔

ادب ۵۰: ایک شخص گلاس میں پانی لاتا تھا، کبھی اپنے لیے پڑھواتا تھا، کبھی کسی اور کے لیے مگر بدون پوچھے یہ نہیں بتلاتا تھا کہ اس وقت کس کے لیے پڑھواتا ہوں، اس کو فہمائش کی گئی کہ مجھ کو علم غیب نہیں امتیاز کا اور کوئی قرینہ اصطلاحیہ بھی مقرر نہیں کیا گیا تو ہر بار میں استفسار کا بار مجھ پر رکھنا یہ بھی خلاف تہذیب ہے۔ گلاس رکھ کر از خود یہ کہہ دیا کرو کہ فلاں شخص کے لیے پڑھوانا ہے۔

ادب ۵۱: بعض لوگ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ایک تعویذ دے دو اور بدون پوچھے نہیں بتلاتے کہ کس بات کا، اس میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

ادب ۵۲: ایک شخص نے کچھ آٹا لا کر رکھ دیا کہ یہ لایا ہوں اور یہ نہیں کہا کس واسطے، اس کو واپس کر دیا کہ جب تک پیش کرنے کے ساتھ از خود یہ نہ کہو گے کہ میرے واسطے لائے ہو یا مدرسہ کے لیے، اس وقت تک نہ لیا جائے گا۔

ادب ۵۳: استنجا خانہ کو جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک طالب علم وہاں پیشاب کر رہا ہے، اس کے فارغ ہونے کے انتظار میں ذرا فاصلے سے آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو سامنے ہو کر دیکھا تو وہ طالب علم صاحب پیشاب سے فارغ ہو کر استنجا خشک کرنے کے لیے بھی وہیں کھڑے ہیں۔ اس پر ان کو فہمائش کی گئی کہ اب اس جگہ کو محبوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں سے ہٹ کر استنجا خشک کرنا چاہیے تھا۔ بعضے لوگ لحاظ کے سبب اس جگہ کے خالی ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ دوسرے کے ہوتے ہوئے آتے ہوئے شرماتے ہیں۔

ادب ۵۴: ایک شخص کو دیکھا کہ استنجا سکھاتا ہوا ایک عام گزرگاہ پر ٹہل رہا ہے، اس پر فہمائش کی کہ حتی الامکان لوگوں کی نظر سے چھپ کر استنجا سکھانا چاہیے جس قدر بھی دوری ممکن ہو۔

ادب ۵۵: مجھ کو مدرسہ کی ایک کتاب کی ضرورت ہوئی جو میرے ایک دوست کے پاس امانت تھی۔ وہ اس وقت موجود نہ تھے، میں نے ان کے بیٹھنے کی جگہ اس کی تلاش کرائی نہ ملی، خود دیکھنے اُٹھا نہ ملی۔ دفعتہً کسی کی نظر پڑی کہ اسی جگہ ایک طالب علم وہاں ہی بیٹھے تکرار کسی کتاب کا کر رہے ہیں اور سر کے نیچے بطور تکیہ کے وہ مدرسہ کی کتاب رکھ چھوڑی ہے جو ان کے کتاب کے نیچے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ دفعتہً وہ پہچانی گئی تب وہ ملی۔ ان طالب علم صاحب کو

ملامت کی گئی کہ بلا اطلاع کسی کی چیز کا استعمال کرنا اوّل تو ناجائز ہے۔ دوسرے اس میں خرابی یہ ہے کہ تمہاری بدولت اتنی دیر تک کئی آدمی پریشان رہے۔ ایسی حرکتیں مت کیا کرو۔

ادب ۵۶: کوئی اپنا (اس نمبر اور نمبر ۳۰ کا مضمون ایک ہے۔ بظاہر یہ تکرار سہواً ہوا ہے۔ محمد شفیع ۱۲) بزرگ کسی کام کی فرمائش کرے تو اس کو سرانجام دے کر اطلاع بھی دینا چاہیے تاکہ اس بزرگ کو انتظار سے انتشار نہ ہو۔

ادب ۵۷: پنکھا جھلنے والوں کو کئی رعایت رکھنے کے لیے کہا گیا۔ اوّل تو یہ کہ پہلے پنکھے کو ہاتھ سے یا کپڑے سے خوب جھاڑ دو کیونکہ بعض اوقات پنکھے کے فرش پر پڑے رہنے سے اس میں کچھ گرد و غبار کبھی کوئی باریک سا ریزہ مٹی کا یا چونے کا یا کنکر کا لگا رہتا ہے اور حرکت دینے سے وہ آنکھ وغیرہ میں جا پڑتا ہے جس سے تکلیف ہوتی ہے۔ دوسرے ہاتھ ایسے انداز سے رکھو کہ نہ تو سر وغیرہ میں لگے اور نہ اس قدر اُونچا رہے کہ ہوا ہی نہ لگے اور ایسے زور سے بھی مت جھلو جس سے دوسرا پریشان ہو۔ تیسرے اس کا خیال رکھو کہ کسی پاس بیٹھے ہوئے آدمی کو ایذاء نہ ہو۔ مثلاً پنکھا اس کے منہ سے اُڑا دیا جائے یا دیوار کی طرح اس کے سامنے بطور آڑ کے ہو جائے۔ چوتھے جب مخدوم اُٹھنے کو ہو تو خیال رکھو کہ پہلے ہی پنکھا ہٹا لو تاکہ لگ نہ جائے۔ پانچویں اگر کوئی کاغذ وغیرہ نکالنے لگیں تو پنکھا روک لو، مشین کی طرح تار نہ باندھ دو۔

ادب ۵۸: بعض طبائع پر ایسے شخص سے ہدیہ لینا گراں گزرتا ہے جن کی کوئی حاجت ان سے متعلق ہو، مثلاً دُعا کرانا، کوئی تعویذ لینا، سفارش کرانا، مرید ہونا و مثل ذالک، سو اس کی بہت احتیاط رکھے۔ ہدیہ تو محض محبت سے ہونا چاہیے جس میں کوئی غرض نہ ہو، اگر کوئی حاجت ہی ہو تو اس کے ساتھ نہ ملائے بلکہ جب حاجت پیش کر دے تو یہ شبہ نہ ہو کہ وہ ہدیہ اس واسطے دیا تھا اور جب ہدیہ پیش کرے تو یہ شبہ نہ ہو کہ کسی حاجت کے لیے دیا تھا۔

ادب ۵۹: ایک صاحب تو میرے لیے قبل از نمازِ صبح اس خیال سے کہ میں گھر سے آ کر وضو کروں گا، لوٹا پانی کا بھر کر اور اس پر مسواک رکھ کر رکھ دیا۔ جب میں مسجد میں آیا تو اتفاق سے مجھ کو وضو تھا، سیدھا مسجد میں چلا گیا، مگر مسجد میں پہنچ کر اتفاق سے بلاقصد اس لوٹے پر نظر پڑی، اپنی مسواک پہچان کر سمجھا کہ یہ لوٹا میرے لیے رکھا گیا ہے، میں نے

تحقیق کیا کہ کس نے رکھا ہے بہت تشویش کے بعد رکھنے والے نے خود ظاہر کیا، میں نے اس وقت مجملاً اور نماز پڑھ کر مفصلاً ان صاحب کو فہمائش کی کہ دیکھو تم نے محض احتمال پر کہ شاید میں وضو کروں، لوٹا بھر کر رکھ دیا اور یہ احتمال نہ ہوا کہ شاید وضو ہو۔ چنانچہ وہ تمہارا واقع میں غلط نکلا اور یہ دوسرا احتمال واقع ہوا تو اس صورت میں اگر اتفاق سے میری نظر لوٹے پر نہ پڑتی اور رکھنے والے خود بھی غائب تھے تو یہ لوٹا یوں ہی بھرا ہوا رکھا رہتا اور کوئی برت نہ سکتا۔ اوّل تو اس کے بھرے ہونے کی وجہ سے کہ یہ قرینہ ہے کہ کسی نے اپنے لیے رکھا ہے اور دوسرے اس پر مسواک رکھے رہنے کے سبب سے کہ یہ تو عادتاً قرینہ قطعیہ ہے۔ دوسروں کو استعمال سے روکنے کا۔ پس جب اس کو کوئی نہیں خرچ کر سکتا تو تم نے ایسی چیز کو بلا ضرورت محبوس کیا جس کے ساتھ نفع عام متعلق ہے جو کہ اس کی وضع و نیت واقف کے خلاف ہے تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ یہ لوٹے کے متعلق ہوا۔ اب مسواک رہی، سو تم نے بلا ضرورت اس کو محفوظ جگہ سے ہٹا کر، ایک غیر محفوظ جگہ میں رکھ دیا اور چونکہ اس کا انتظام نہیں کیا گیا کہ رکھنے کے بعد اس کی نگرانی بھی کی جائے کہ بعد فراغ اس کو پھر پہلی جگہ رکھ دیا جائے کیونکہ لوٹے پر رکھ کر بزعم خود یقین کر لیا گیا کہ فلاں شخص اس کو استعمال کرے گا اور استعمال کرکے اُٹھا کر بھی رکھ دے گا تو اس لیے اس کو ضیاع کے خطرہ میں ڈال دیا۔ تمہاری یہ خدمت اتنے ناجائز اُمور اور کلفتوں کا سبب ہوئی۔ آئندہ سے کبھی ایسا مت کرو یا تو اجازت لے کر ایسا کرو یا جس وقت دیکھو کہ وضو کے لیے آمادہ ہے، اس وقت مضائقہ نہیں ورنہ بے قاعدہ خدمت سے بجائے راحت کے اور اُلٹی کوفت ہوتی ہے۔

لطیفہ: یہی حال ہے بدعات کا کہ صورت ان کی طاعت کی ہے جیسے یہ صورتِ خدمت تھی مگر اس میں مفاسد مخفی و مضمر ہوتے ہیں جن کو کم فہم نہیں جانتے، جیسے اس خدمت میں باریک خرابیاں تھیں جن کو خدمت کرنے والے نے نہ جانا۔

ادب ۶۰: ایک طالب علم نے مدرسہ ہی میں ایک رُقعہ میں حاجت کپڑے کی لکھوا کر دوسرے طالب علم کے ہاتھ بھیجا۔ درخواست کنندہ کو بلا کر اس کی وجہ پوچھی گئی، اس نے بیان کیا کہ مجھ کو کوئی کام نکل آیا تھا۔ اس لیے دوسرے کے ہاتھ بھیج دیا۔ اس پر فہمائش کی گئی کہ

ایک تو اس میں قلت ادب ہے کہ باوجود ہر وقت ایک جگہ رہنے کے محض بسبب ایک کام نکل آنے کے، نہ کہ بسبب خجالت وحیاء کے (کہ وہ بھی ایک درجہ میں عذر ہوتا ہے) خود آ کر استدعا نہیں کی دوسرے کے ہاتھ پیام بھیجا جو کہ مساوات کے درجہ میں ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں بے رغبتی کی صورت ہے کہ بیگار سی ٹال دے۔ تیسرے اس میں دوسرے سے خدمت لینا ہے ابھی سے مخدومیت سیکھتے ہو اور یہ بھی کہا کہ اس بے تمیزی کی سزا یہ ہے کہ چار روز کے لیے یہ درخواست واپس کرتا ہوں، پھر اپنے ہاتھ سے دینا۔ چنانچہ چوتھے روز پھر اپنے ہاتھ سے درخواست دی اور خوشی سے لے لی گئی۔

ادب ۶۱: چند مواقع پر کئی شخصوں کو فہمائش کی گئی کہ بات بہت صاف لفظوں میں کہو کہ سمجھنے میں غلطی نہ ہو۔

ادب ۶۲: آج کل کی سفارش جبر واکراہ ہے کہ اپنے اثر سے دوسروں پر زور ڈالتے ہیں جو شرعاً جائز نہیں۔ اگر سفارش کرو تو اس طرح سے کہ مخاطب کی آزادی میں ذرہ برابر خلل نہ پڑے۔ وہ جائز بلکہ صواب ہے۔

ادب ۶۳: اسی طرح کسی کی وجاہت سے کام نکالنا مثلاً کسی بڑے آدمی سے قرابت ہے اور اس کے کسی معتقد یا اثر ماننے والے کے پاس اپنی کوئی حاجت لے جائے اور قرائن سے معلوم ہو کہ وہ بطیب خاطر اسی حاجت میں سعی نہ کرے گا بلکہ محض اس بڑے آدمی کے تعلق اور اثر سے کہ بے توجہی میں وہ ناراض نہ ہو جائے تو اس طرح سے کام نکالنا یا کام کی فرمائش کرنا حرام ہے۔

ادب ۶۴: ایک شخص نے تعویذ مانگا۔ اس کو ایک وقت معین پر آنے کو کہا۔ وہ دوسرے وقت آیا اور تعویذ مانگا اور کہا کہ مجھ کو تم نے بلایا تھا آیا ہوں اور یہ نہیں ظاہر کیا کہ کس وقت بلایا تھا، میں نے پوچھا کہ بھائی کس وقت آنے کو کہا تھا، تب اس نے وقت بتایا، میں نے کہا کہ اب تو دوسرا وقت ہے، جس وقت بلایا تھا، اس وقت آنا چاہیے تھا، اس نے کسی کام کا عذر کیا۔ میں نے کہا کہ جس طرح تم کو اس وقت عذر تھا، ہم کو اس وقت عذر ہے، اب یہ کیسے ہو کہ ہر وقت ایک ہی کام کے لیے بیٹھا رہوں، اپنا کوئی کام نہ کروں۔

ادب ۶۵: ایک طالب علم نے دوسرے طالب علم کے ذریعہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا اور خود پوشیدہ سننے کھڑا ہوگیا۔ اتفاقاً میں نے دیکھ لیا، پاس بلا کر دھمکا کر سمجھایا کہ چوروں کی طرح چھپ کر سننے کے کیا معنی؟ کیا کسی نے یہاں آنے سے منع کیا ہے؟ اور اگر شرم آتی تھی تو اپنے فرستادہ سے جواب پوچھ لیتے، چھپ کر کسی کی باتیں سننا عیب اور گناہ کی بات ہے کیونکہ ممکن ہے کہ متکلم کوئی ایسی بات کرے جس کو مختفی سے مخفی کرنا چاہے۔

ادب ۶۶: ایک شخص فرشی پنکھا کھینچنے لگے، میں کسی کام کو اُٹھنے لگا تو انہوں نے پنکھے کی رسی اپنی طرف زور سے کھینچ لی تاکہ پنکھا میرے سر میں نہ لگے، میں نے سمجھایا کہ ایسا مت کرو، اگر میں پنکھے کی جگہ خالی دیکھ کر اسی جگہ کھڑا ہو جاؤں اور اتفاق سے رسّی تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو پنکھا سر میں آکر لگے بلکہ یہ چاہیے کہ رسی بالکل چھوڑ دو تاکہ پنکھا اپنی جگہ آکر مستقر ہو جائے، پھر اُٹھنے والا خود سنبھل کر اُٹھ جائے۔

ادب ۶۷: مہمان کو چاہیے کہ اگر مرچ کم کھانے کا عادی ہو یا پرہیزی کھانا کھاتا ہو تو پہنچتے ہی میزبان سے اطلاع کردے۔ بعض لوگ جب کھانا دسترخوان پر آجاتا ہے اس وقت نخرے پھیلاتے ہیں۔

ادب ۶۸: دسترخوان پر بعض اوقات شکر بھی ہوتی ہے۔ اس وقت بعض خادم اس طرح پنکھا جھلتے ہیں کہ شکر برتن سے اُڑنے لگتی ہے اور بعض اوقات اس برتن سے جب چمچہ میں لیتے ہیں تو چمچہ میں سے اُڑنے لگتی ہے سو خادم کو ان باتوں کی تمیز چاہیے۔

ادب ۶۹: بھائی کے گھر سے ایک بند خط میرے پاس اپنے کارندہ کے ہاتھ بھجوایا گیا تاکہ اس کو ڈاک میں چھوڑ دیا جائے اور میں ہی اس کی فرمائش کرآیا تھا کیونکہ اس خط کا مجھ سے تعلق تھا۔ راہ میں کارندہ نے دیکھا کہ اس وقت ڈاک لے کر ہرکارہ اسٹیشن جاتا ہے۔ کارندہ صاحب نے یہ خیال کر کے کہ ڈاک خانہ میں جانے سے کل نکلے گا کیونکہ ہرکارہ ریل کے سب پوسٹ ماسٹر کو دے گا، اب میں اس کا منتظر کہ بھائی کے گھر والے میرے پاس خط بھیجیں گے۔ جب وہ خط نہ آیا تو میں نے تحقیق کیا کہ اس وقت یہ سب قصہ معلوم ہوا۔ میں نے کارندہ صاحب کو بلا کر فہمائش کی کہ تم نے امانت میں بلا اذن کیسے تصرف کیا تم

کو کیا معلوم کہ میرے پاس بھیجنے میں کیا مصلحت تھی اور تم کو کیا معلوم کہ ڈاک خانہ کے ذریعہ سے بھیجنے کو ہرکارہ کے ہاتھ بھیجنے پر کس مصلحت سے ترجیح دیتا، تم نے اپنے اجتہاد فاسد سے یہ سب مصلحتیں برباد کیں، تم کو دخل دینا کیا ضرور تھا، تمہارا کام صرف اس قدر تھا کہ وہ خط میرے پاس پہنچادیتے، کارندہ نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔

ادب ۷۰: ایک طالب علم بازار میں جانے کی اجازت لینے کے لیے آیا اور کھڑا ہوگیا۔ وہ میرے انتظار فراغ میں کھڑا رہا اور مجھ کو اس کا کھڑا ہونا بوجہ صورتِ تقاضہ کے بار معلوم ہوا۔ میں نے سمجھایا کہ اس سے طبیعت تنگ ہوتی ہے۔ تم کو چاہیے تھا کہ جب مشغول دیکھا تھا بیٹھ جاتے اور جب فارغ دیکھتے گفتگو کرتے۔

ادب ۷۱: ایک مہمان نے بقصد ہدیہ دینے کے دو روپے میرے قلمدان میں رکھ دیئے اور مجھ کو خبر نہیں کی، میں نمازِ عصر کو اُٹھا، قلمدان وہیں رکھا، نماز کے بعد کسی ضرورت سے قلمدان منگایا تو اس میں روپے دیکھے، پوچھا گیا تو کسی قدر توقف سے ان صاحب نے اس کی اطلاع کی۔ میں نے وہ روپے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ جب تم کو ہدیہ دینا نہیں آیا تو ہدیہ دینا ہی کیا ضرور۔ کیا یہی طریقہ ہے دینے کا۔ اوّل تو ہدیہ دیتے ہیں راحت و مسرت پہنچانے کو اور جب کہ اس کی تحقیقات میں اس قدر پریشانی ہوئی تو اس کی غرض ہی فوت ہوگئی۔ دوسرے اگر قلمدان میں سے کوئی لے جاتا جس کی نہ تم کو خبر ہوتی اور نہ مجھ کو تو تم اس گمان میں رہتے کہ ہم نے دو روپے دیئے اور میں اس سے ذرا بھی منتفع نہ ہوتا تو مفت کا احسان ہی میرے سر پر رہتا۔ تیسرے اگر کوئی لے بھی نہ جاتا اور میرے ہی ہاتھ آتے تب بھی مجھ کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ یہ کس نے دیئے اور کس کو دیئے اور جب نہ معلوم ہوتا تو چند روز امانت رکھنے پر مجھ کو بار ہوتا، پھر لقطہ کی مد میں صرف کر دیا جاتا۔ یہ ساری مصیبت تکلف کی ہے سیدھی بات تو یہ ہے کہ جس کو دینا ہو اس کے ہاتھ میں سپرد کر دے اور اگر مجمع سے لحاظ معلوم ہو تو تنہائی میں دے دے اور اگر تنہائی میسر نہ ہو تو کہہ دے کہ میں تنہائی میں کچھ کہوں گا، پھر تنہائی ہو تو دے دے اور مہدی الیہ کو مناسب ہے کہ اس ہدیہ کو ظاہر کر دے، خواہ مہدی کے ہوتے ہوئے خواہ اس کے چلے جانے کے بعد جب کہ اس کے شرمانے کا احتمال ہو۔

ادب ۷۲: ایک سفر میں ایک موضع میں لوگوں نے بلایا، وہاں سے جب رُخصت ہو کر چلنے لگا تو گاؤں والوں نے چاہا کہ تھوڑا تھوڑا سب یکجا جمع کر کے کچھ ہدیہ پیش کریں۔ مجھ کو اطلاع ہوئی، میں نے منع کر دیا کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کریں۔ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ بعض اوقات تحریک کرنے والے اس کا لحاظ نہیں کرتے کہ مخاطب طیب خاطر سے دے رہا ہے یا محرک کے الفاظ سے۔ دوسرے اگر طیب خاطر کی بھی رعایت کر لی، تب بھی جو مصلحت ہے، ہدیہ میں کہ باہم محبت بڑھے، جب یہی پتہ نہ لگا کہ کس نے کیا دیا ہے تو وہ مصلحت مرتب نہ ہوئی۔ تیسرے بعض اوقات کسی عذر سے بعض ہدایا کا قبول کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے اور اس عذر کی تحقیق مہدی ہی سے ہو سکتی ہے سو مجتمع ہدایا میں یہ تحقیق بھی دُشوار ہے۔ اس لیے جس کو دینا ہو وہ اپنے ہاتھ سے اس کو دے یا بلاتحریک بطورِ خود کسی اپنے معتمد کے ہاتھ بھیجے یا ہدیہ کے ساتھ مہدی کا رُقعہ ہو۔

ادب ۷۳: ایک سفر میں بعض لوگ اپنے مکان پر لے جا کر ہدیہ دینے لگے، ان کو سمجھا دیا گیا کہ ایسا کرنے سے دیکھنے والے گھر لے جانے کے واسطے اس کو لازم سمجھیں گے تو غرباء بلا کر تردد میں پڑیں گے یا نہ بلانے کی حسرت ہو گی جس کو کوئی چیز دینا ہو میری فرودگاہ پر آ کر گفتگو کرو تا کہ میری آزادی میں خلل نہ پڑے۔

ادب ۷۴: ایک شخص سہارن پور سے جمعہ کے روز بارہ بجے دن کی گاڑی میں آئے، ایک عزیز نے ان کے ہاتھ کچھ برف بھیجا تھا۔ وہ مدرسہ میں ایسے وقت پہنچے کہ طلبہ جمعہ میں نہ گئے تھے، وہ شخص برف ایک طباق میں رکھ کر جامع مسجد چلے گئے۔ بعد جمعہ ایک دوست جن سے میں نے وعظ کی درخواست کی تھی وعظ کہنے لگے چونکہ وہ مجھ سے شرماتے تھے، میں مدرسہ چلا آیا وہ شخص وعظ میں شریک رہے۔ بہت دیر کے بعد مدرسہ میں آئے اور اس وقت وہ برف پیش کیا جو ایک رومال میں لپٹا ہوا تھا۔ اوّل تو یہی بات نامناسب معلوم ہوئی، برف کے ساتھ کمبل یا ٹاٹ یا برادہ لاتے مگر یہ فعل دوسرے کا تھا اور ان کے اختیار سے باہر تھا لیکن جو کام ان کے کرنے کا تھا اُنہوں نے اس میں بھی کوتاہی کی۔ یعنی اوّل تو آتے ہی برف گھر پہنچاتے، اگر یہ کسی وجہ سے ذہن میں نہیں آتا تھا تو بعد نماز فوراً آ جاتے اور اگر آنے کو جی

نہیں چاہتا تھا تو جب بھی آنے لگا تھا تو اس وقت مجھ سے اس کی اطلاع کر دیتے، میں اس کو لے لیتا۔ اب دو گھنٹہ کے بعد آ کر سپرد کیا جو قریب قریب کل کے کھل گیا۔ برائے نام تھوڑا باقی رہ گیا، مجھ کو تمام قصہ معلوم ہوا تو میں نے فہمائش بھی کی اور چونکہ میری رائے میں باقتضائے خصوصیت ان کی طبیعت کے خالی فہمائش ناکافی ہوئی، اس لیے میں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا تا کہ ان کو ہمیشہ یاد رہے، وہ بہت پریشان ہوئے۔ میں نے کہا کہ تم نے ایک شخص کی امانت ضائع کی اور جب ضائع ہوگئی اب مجھ کو دینا چاہتے ہو۔ بلا وجہ احسان لینا نہیں چاہتا۔ اب اس بقیہ کو آپ ہی خرچ کرو، تم کو یا تو امانت نہ لینا چاہیے تھا اور اگر لی تھی تو اس کا حق پورا پورا ادا کرنا چاہیے تھا۔

ادب ۷۵: میں صبح کو صحرا سے مدرسہ میں آیا اور سہ دری میں آ کر بیٹھا، وہاں ایک عزیز سوتے تھے، میں آہستہ سے بیٹھ گیا، ڈاک لے جانے والا دکھلانے کے لیے روانگی کے خطوط لایا، میں نے دیکھ کر لے جانے کے لیے حوالے کر دیئے تو اس نے ٹین کے تلکا میں جو اسی کام کے لیے موضوع ہے زور سے خط چھوڑے جس سے کارڈ اس سے لگ کر بولے۔ میں نے فہمائش کی کہ سوتے ہوئے کی رعایت کرنا چاہیے۔

ادب ۷۶: عشاء کی نماز کے بعد میں مسجد میں اتفاقاً لیٹ گیا۔ ایک شخص مسافر نا آشنا آ کر پاؤں دبانے لگے، مجھ پر بار ہوا، پوچھا کون؟ انہوں نے اپنا نام اور پتہ بتلایا مگر میں نے نہیں پہچانا، میں نے پاؤں دبانے سے روک دیا اور کہا اوّل ملاقات کرنا چاہیے، پھر اجازت لے کر خدمت کا مضائقہ نہیں ورنہ خدمت سے گرانی ہوتی ہے اور اگر مقصود اس سے ملاقات ہے تو ملاقات کا یہ طریقہ نہیں، پھر میں نے سمجھا دیا کہ اب عشاء کے بعد آرام کا وقت ہے کہ تم بھی آرام کرو، صبح کو ملنا۔ چنانچہ صبح ملے، اس وقت پھر اچھی طرح سمجھا دیا۔

ادب ۷۷: ایک صاحب نے خط میں بعض مضامین جواب طلب لکھے اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ پانچ روپے کا منی آرڈر بھیجتا ہوں، اس مضمون کی وجہ سے اس کے انتظار میں اس خط کا جواب نہ گیا کہ وصول ہونے کے بعد ساتھ ہی ساتھ رسید بھی لکھ دی جائے گی، اس میں کئی روز گزر گئے اور معلوم نہیں کیا سبب روپیہ وصول نہ ہوا اور دوسرے مضامین کے سبب

قلب پر تقاضہ جواب کا ہوتا تھا، کئی روز یہی کشمکش وانتظار رہا۔ آخر ان کو لکھا گیا کہ یا تو خط میں اس کی اطلاع نہ دینا تھی یا اور کچھ جواب طلب مضامین نہ لکھنے تھے۔

ادب ۷۸: ایک صاحب اپنے لڑکے کو ساتھ لائے اور ایک مکتب کی شکایت کی کہ اس کے مہتمم نے میرے لڑکے کو نکال دیا۔ بندہ نے نرمی سے سمجھا دیا کہ میرا اس مکتب میں کوئی دخل نہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے سنا تھا کہ تم اس کے سرپرست ہو، میں نے کہا کہ البتہ وہاں کی تنخواہ میری معرفت دی جاتی ہے باقی انتظامی اُمور میں میرا کچھ دخل نہیں، وہ پھر اس مہتمم کی شکایت کرنے لگے۔ میں نے کہا اس تذکرہ کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ اس سے کیا فائدہ بجز غیبت سنانے کے، تھوڑی دیر کے بعد رُخصت ہونے لگے اور وداعی مصافحہ کرتے وقت پھر کہا کہ اس مہتمم نے بڑی زیادتی کی کہ میرے لڑکے کو خارج کر دیا چونکہ میں مناسب تصریح کے ساتھ اصل حقیقت ظاہر کر کے ان کو اس شکایت سے منع کر چکا تھا، ان کی اس مکرر سہ کرر شکایت سے مجھ کو برہمی ہوئی اور میں نے اُن سے تیزی کے ساتھ باز پرس کی کہ افسوس! باوجود اس تمام تر اہتمام کے پھر وہی بات کی جو طبیعت کے خلاف اور محض بے نتیجہ، انہوں نے کچھ تاویلیں کرنا چاہیں مگر سب لغو، اسی حالت سے اُن کو رُخصت کیا۔

ادب ۷۹: ایک صاحب جو پہلے مل چکے تھے، عشاء کے بعد جس جگہ بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا، ادھر کو آنے لگے اور ذرا رُک رُک کر اور مجھ کو دیکھ، دیکھ کر آتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ میرے پاس آنا چاہتے ہیں مگر انتظارِ اجازت میں رُکتے ہیں۔ ایک تو عشاء کے بعد کا وقت ملنے ملانے کا نہیں ہوتا، خاص کر جو شخص کہ پہلے مل چکا ہو، پھر جب کہ معلوم ہو کہ کوئی کام نہیں محض مجلس آرائی و درباداری ہی غرض ہے۔ جیسا کہ اکثر کی عادت ہے پھر وظیفہ میں دوسری طرف متوجہ ہونا گراں گزرتا ہے۔ بالخصوص بلاضرورت پھر طلب اجازت کی صورت سے تقاضا ہوتا ہے کہ کچھ بولو، یہ سب اُمور جمع ہو کر ناگواری بڑھی، آخر وظیفہ چھوڑ کر کہنا پڑا کہ صاحب یہ وقت پاس بیٹھنے کا نہیں ہے، کہنے لگے میں تو پانی پینے جاتا تھا، اس پر اور زیادہ ناگواری ہوئی کہ اوپر سے بات بناتے ہیں مگر انہوں نے کہا کہ واقعی پانی پینے جاتا تھا، میں نے کہا کہ پھر ایسی ہیئت کیوں اختیار کی جس سے پورا شبہ ہو اور دوسری طرف سے اور بے رُکے جانا چاہیے تھا۔

ادب ۸۰: ایک طالب علم مثلاً زید نے مجھ سے اجازت چاہی کہ فلاں طالب علم مثلاً عمرو کے ساتھ شام کو جنگل چلا جایا کروں اور اس طالب علم یعنی عمرو کے ساتھ ایک اور طالب علم کم عمر مثلاً بکر پہلے با جازت اُستاد کے جایا کرتا تھا اور زید کا اجتماع بکر کے ساتھ ہم لوگوں کے نزدیک خلاف مصلحت تھا تو زید کے ذمہ لازم تھا کہ اس کی اجازت مانگنے کے وقت یہ بھی ظاہر کرتا کہ اس کے ساتھ بکر بھی جاتا ہے تا کہ پورے واقعہ پر نظر کر کے رائے قائم کی جاتی مگر نہیں معلوم قصداً یا لاپروائی سے اس کا اخفاء کیا، سو اگر مجھ کو احتمال نہ ہوتا تو صرف مضمون درخواست میں کسی مانع کے نہ ہونے سے میں ضرور اجازت دیتا اور یہ بہت بڑا دھوکہ ہوتا مگر اتفاق سے مجھ کو یہ بات معلوم تھی اس لیے مجھ کو یاد آ گیا اور پوچھا کہ عمرو کے ساتھ کوئی اور بھی جاتا ہے؟ کہا کہ بکر جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ پھر تم نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ دھوکہ دینا چاہتے تھے اور میں نے اس کوتاہی پر سخت ملامت کی اور سمجھایا کہ خبردار! جس کو اپنا بڑا اور خیر خواہ سمجھتے ہیں اس کے ساتھ ایسا معاملہ ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

ادب ۸۱: ایک طالب علم سے ایک ملازم کی نسبت دریافت کیا کہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ سو رہا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اپنی کوٹھری میں جاگتا تھا۔ اس پر اس طالب علم کو فہمائش کی کہ اوّل تو محض تخمین پر ایک بات کو تحقیقی سمجھنا غلط ہے، اگر خود اس کو غیر تحقیقی سمجھتے تھے تو مخاطب پر اس کے تخمینی ہونے کو ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ یوں کہتے کہ شاید سو رہے ہوں اور یہ بھی علی سبیل التنزیل کہا جاتا ہے ورنہ اصل جواب تو یہ ہے کہ معلوم نہیں دیکھ کر بتلاؤں گا۔ پھر تحقیق کر کے صحیح جواب دیتے، دوسرے اس میں یہ خرابی ہے کہ اگر مجھ کو اس کا جاگنا بعد میں معلوم نہ ہوتا اور اسی خیال میں رہتا کہ وہ سوتا ہے تو بعض اوقات بلکہ مجھ کو تو بہت اوقات ایسے موقع پر یہی خیال ہوتا ہے کہ سوتے آدمی کو جگانا، بے آرام کرنا بدون ضرورت کے بے رحمی ہے اور اسی خیال سے نہ جگاتا اور ممکن ہے کہ اس وقت اس سے کسی ضروری کام میں حرج ہو جاتا، گو وہ ضرورت شدت کے درجہ تک نہ ہوتی مگر اس حرج کو اس لیے گوارا کر لیا جاتا کہ سوتے کو جگانا اس سے زیادہ ناگوار تھا۔ پھر جب بعد میں معلوم ہوتا کہ وہ سوتا نہ تھا، اب اس حرج کی ناگواری کا اثر قلب پر ہوتا اور اس راوی پر غصہ آتا تو تمام تر پریشانیاں بدولت اس کے ہوتیں کہ بلا تحقیق ایک بات کہہ دی تھی اس کی ہمیشہ احتیاط رکھنی چاہیے۔

مرقومہ ایک طالب علم واصلاح دادۂ مؤلف

ادب ۸۲: ایک شخص آئے، دریافت فرمایا کیسے تشریف لائے کچھ فرمانا ہے؟ جواب میں کہا جی نہیں ویسے ہی ملاقات کے لیے حاضر ہوا تھا۔ جب جانے لگے مغرب کے بعد فرض وسنت کے درمیان میں تعویذ کی فرمائش کی، فرمایا ہر کام کے واسطے ایک موقع اور محل ہوتا ہے، یہ وقت تعویذ کا نہیں، جب آپ تشریف لائے تھے تو میں نے استفسار کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ویسے ہی ملاقات کے واسطے آیا ہوں، اب اس وقت یہ فرمائش کیسی اسی وقت پوچھنے کے ساتھ ہی آپ کو فرمائش کرنا چاہیے تھا، لوگ اس کو ادب سمجھتے ہیں، میرے نزدیک یہ بڑی بے ادبی ہے، اس کے معنی تو یہ ہیں کہ دوسرا شخص ہمارا نوکر ہے کہ جس وقت چاہیں فرمائش کریں، اس کی تعمیل ہونا چاہیے۔ اب آپ ہی ذرا غور سے کام لیجیے کہ مجھ کو اس وقت کتنے کام ہیں ایک تو سنتیں ونوافل پڑھنا، پھر بعض ذاکرین وشاغلین کو کچھ کہنا ہے، ان کو سننا، مہمانوں کو کھانا کھلانا، افسوس ہے کہ فی زمانہ دُنیا سے بالکل ادب وتہذیب مرتفع ہوگیا۔ اب تعویذ کے لیے پھر تشریف لائیے۔ یاد رکھئے جہاں جایئے اوّل مقصود کا ذکر کرنا چاہیے، بالخصوص پوچھنے پر، میں تو ہر شخص سے آنے کے ساتھ ہی دریافت کر لیتا ہوں تا کہ جو کچھ کہنا ہے کہہ دے اور اس کا حرج نہ ہو اور نہ میرا حرج ہو اور میں خود اس وجہ سے پوچھ لیتا ہوں کہ اکثر اہل حوائج آتے ہیں اور بعض اشخاص بوجہ شرم وحیا خود نہیں کہہ سکتے یا مجمع کی وجہ سے پوشیدہ بات کو ظاہر نہیں کر سکتے، پوچھنے سے وہ بتلا دیتے ہیں یا کہہ دیتے ہیں کہ خلوت میں کہنے کی بات ہے۔ میں جب موقع پاتا ہوں علیحدگی میں ان کو بلا کر سن لیتا ہوں اور جب آدمی منہ ہی سے نہ بولے تو کیسے خبر ہو سکتی ہے۔ مجھے علم غیب تو ہے ہی نہیں۔

ادب ۸۳: بعد مغرب ایک ذاکر شاغل کو جس کی استدعا پر اس کو یہ وقت دیا گیا تھا، کچھ تلقین کے واسطے پکارا کیونکہ ذرا دُور تھے، ان صاحب نے زبان سے ہاں تک نہیں کیا بلکہ خود اپنی جگہ سے اُٹھ کر روانہ ہوئے جس کی اطلاع نہ ہوئی، اس لیے دوبارہ اس خیال سے پکارا کہ شاید سنا

نہیں، اتنے میں وہ خود آ گئے، استفسار فرمایا کہ آپ نے جواب کیوں نہیں دیا یا جواب کے لائق مجھ کو نہیں سمجھا، جواب دینے سے داعی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مدعو نے سن لیا اور جواب نہ دینے میں کلفت ہوتی ہے کہ وہ دوسری مرتبہ پکارے، تیسری دفعہ آواز دے تو دوسرے کو یہ تکلیف محض آپ کی لاپروائی اور سستی کی وجہ سے ہوئی کہ آپ سے زبان نہیں ہلائی گئی۔ اگر آپ ہاں کہہ دیتے تو کیا مشکل تھا، آج کل علوم کی تعلیم ہر جگہ ہے لیکن اخلاق کی تعلیم مثل عنقا ہے۔ اب طبیعت پریشان ہوگئی پھر دوسرا وقت آپ کو دیا جائے گا، اس میں اس امر کا لحاظ رکھنا۔

ادب۸۴: ایک ذاکر نے اثنائے تعلیم میں کہ ابھی تقریر ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اپنا خواب بیان کرنا شروع کیا، فرمایا یہ کیا حرکت ہے کہ ایک گفتگو ابھی ختم نہیں ہوئی، دوسری بات اس میں داخل کر دی۔

سخن را سرست اے خرد مندان بن　　میاں درسخن درمیانِ سخن
خداوند تدبیر و فرہنگ و ہوش　　نگوید سخن درمیانِ سخن

آپ کی دخل دہی کے یہ معنی ہیں کہ مقصود خواب بیان کرنا تھا اور تعلیم و تلقین آپ کے نزدیک فضول ہے۔ گویا میرا اتنی دیر تقریر کرنا ضائع ہوگیا۔ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا، اب اُٹھو دوسرے وقت بتلا دیا جائے گا اس وقت تم نے تعلیم کی بے قدری کی ہے۔ تمام ہوا مضمون لکھا ہوا ان طالب علم صاحب کا۔

ادب۸۵: جب کوئی تم سے بات کرے، بے توجہی سے نہ سنو کہ متکلم کا دل اس سے افسردہ ہو جاتا ہے خصوصاً جو تمہاری ہی مصلحت کے لیے کوئی بات کہے یا تمہارے سوال کا جواب دیتا ہو اور اس میں بھی خصوصاً جس کے ساتھ تم کو نیاز مندی کا بھی تعلق ہو وہاں بے التفاتی کرنا اور بھی قبیح ہے۔

ادب۸۶: جس سے تم خود اپنی کوئی حاجت دنیوی یا دینی پیش کرو اور وہ اس کے متعلق تم سے کسی بات کی تحقیق کرے تو اس کو گول جواب مت دو۔ اس سے تلبیس نہ کرو جس سے اس کو غلط فہمی یا اُلجھن ہو، پریشانی ہو، خواہ مخواہ بار بار پوچھنے میں اس کا وقت ضائع ہو کیونکہ وہ تمہاری غرض کے لیے پوچھ رہا ہے، اس کا کوئی مطلب نہیں، پھر اگر اس کا صاف جواب دینا

منظور نہ تھا تو اپنی حاجت پیش نہ کی ہوتی، خود ہی اس کو اس مضمون کی طرف متوجہ کیا اور پھر اس کو دق کرتے ہو۔

ادب ٨٧: گفتگو میں متکلم جس دلیل پر رد یا جس دعوے کے خلاف ثابت کر چکا ہو تم کو ان مقدمات پر کلام کرنا تو مضائقہ نہیں مگر بعینہ اسی دعویٰ یا دلیل کا اعادہ کرنا اپنے مخاطب کو ایذاء پہنچانا ہے اس کا بہت خیال رکھو۔

ادب ٨٨: تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ کام کرنے والے آدمی کے پاس بلاضرورت بیکار آدمی کا بیٹھ کر اس کے قلب کو مشغول و مشوش کرتا ہے، خاص کر جب اس کے پاس بیٹھ کر اس کو تکتا رہے۔ اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے۔

ادب ٨٩: بالاخانہ کے بعض پرنالے لب سڑک خاص برسات کے لیے ہوتے ہیں۔ دوسرے اوقات میں ان میں پانی چھوڑنا راہگیروں کو تکلیف دینا ہے، گو کوئی تمہارے لحاظ سے نہ بولے مگر تم کو بھی تو خیال و لحاظ رکھنا چاہیے۔

ادب ٩٠: ایک مقام سے ایک لفافہ میں پچاس روپے کا بیمہ آیا چونکہ بدون لفافہ کھولے ہوئے معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ کس غرض سے یہ رقم آئی ہے اور ممکن ہے کہ بعد کھولنے کے کوئی ایسی غرض معلوم ہوتی جس کو میں پورا نہ کر سکتا اور اس لیے وہ رقم واپس کرنی پڑتی یا اس غرض میں کوئی ابہام ہوتا جس کی مکرر تحقیق کی حاجت ہوتی اور اس کی تحقیق تک اس رقم کو بلاضرورت امانت رکھنا پڑتا اور واپسی میں بلاضرورت مجھ کو پھر صرف کا بار اُٹھانا پڑتا کیوں کہ بعض اوقات ایسا ہو چکا ہے کہ بلا استفسار میرے بلانے کے لیے خرچ بھیج دیا اور میں نہ جا سکا یا کوئی مصرف مبہم یا غیر مبہم مگر جس کا کوئی جزو قابل تحقیق تھا، لکھا اور یہاں سے استفسار کرنا پڑا اور جواب میں دوسری جانب سے دیر ہوئی تو بس اب ان کی محتاجی ہوگئی اور جس شخص کو مشاغل زیادہ ہوں اس کو ان اُمور سے کوفت ہوتی ہے، اس لیے وہ لفافہ میں نے واپس کر دیا، جس شخص کی حالت مجھ جیسی ہو اس کے ساتھ لزوماً اور دوسروں کے ساتھ استحساناً ایسے موقع پر یہ طریقہ برتنا چاہیے کہ اوّل اطلاع یا استفسار کر کے اجازت حاصل کر لیں۔ تب بھیجیں یا منی آرڈر کے کوپن میں صاف لکھ دیں تا کہ مرسل الیہ کو معلوم تو ہو جائے پھر خواہ وصول کر لے یا واپس کرے۔

ادب ۹۱: جلال آباد میں ایک مکتب کے مدرس مریض ہو گئے۔ مہتمم مکتب نے مجھ سے درخواست کی کہ دو چار روز کے لیے کسی شخص کو تعلیم کے واسطے بھیج دیا جاوے، میں نے اس خیال سے کہ میرے کہنے سے مجبور نہ ہو، ان ہی سے کہہ دیا کہ یہاں کے رہنے والوں سے پوچھ لیا جاوے جو آزادی کے ساتھ راضی ہو، میری طرف سے اجازت ہے۔ انہوں نے ذاکر کو راضی کیا اور اس ذاکر نے یہ شرط لگائی کہ فلاں شخص سے (یعنی مجھ سے) پوچھ کر آ جاؤں گا وہ مہتمم تو چلے گئے، اگلے دن مجھ سے آ کر عذر بیان کرتے ہیں کہ میں نہیں جا سکتا۔ میں نے کہا کہ یہ عذر ان مہتمم صاحب سے کہنا چاہیے تھا، ان سے بشرط میری اجازت کے وعدہ کر لیا اب نہ جانے وہ اپنے دل میں کہیں گے کہ وہ تو آنے پر رضا مند تھے۔ فلاں شخص نے منع کر دیا ہوگا تو تم مجھ پر الزام رکھنا چاہتے ہو، کیسی ناشائستہ حرکت ہے۔ اب تم جلال آباد جاؤ کہ فلاں شخص نے مجھ کو اجازت دے دی تھی مگر فلاں عذر ہے، میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ میں نے ان کو بھیجا، یہ نصیحت عام ہے، خود کو سرخرو ہونا اور دوسرے کو متہم کرنا نہایت ہی مہمل بات ہے۔

ادب ۹۲: ایک دفعہ ایک دوسرے شخص کا یہ ہوا کہ ان کو ایک اور شخص سے بھی کچھ کہنا تھا اور آنے سے یہ بھی مقصود تھا۔ انہوں نے جانا چاہا تھا مگر خود ناواقف تھے اور وہ آدمی اس وقت ملتا بھی نہیں، اس لیے ان کو مشورہ دیا گیا کہ شام کو ملنا، گو اس میں کوئی خلجان پیش نہیں آیا لیکن اور بعض مہمانوں کو ایسا قصہ پیش آیا کہ اس دوسرے کام میں چلے گئے اور دیر ہو گئی، یہاں کھانے میں انتظار کی تکلیف ہوئی، پھر گھر والے دیر تک کھانا لیے بیٹھے رہے جس میں حرج بھی ہوا، دل بھی تنگ ہوا۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ جہاں طالب و تابع بن کر جائے دوسرے حوائج نہ لے جائے، بعض اوقات غیر مقصود قصوں میں ضروری مقصود کی رعایت فوت ہو جاتی ہے اور ضرر ہوتا ہے۔

ادب ۹۳: ایک شخص کا اور قصہ ہے۔ عشاء کے بعد آپ کہنے لگے کہ میں ایک جگہ سے رضائی اوڑھنے کے لیے لے آؤں تب ان سے کہا گیا کہ اس وقت مدرسہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، تم پکار کر سب کو بے آرام کرو گے اور ان کو کپڑا دیا گیا اور اس وقت افسوس ہوا کہ یہ دن میں کیا سوتے تھے، یہ کام کرنا جب ضروری تھا تو سویرے سے کر کے فارغ ہونا لازم تھا۔

ہدیہ دینے کے آداب

ادب ۹۴: اس میں کچھ آداب ہدیہ کے مختصر لکھتا ہوں جن کا لحاظ نہ رکھنے سے ہدیہ کا لطف اور اصلی غرض یعنی ازدیادِ محبت فوت ہو جاتی ہے۔ (۱) جس کو ہدیہ دے پوشیدہ دے، آگے اس کو مناسب ہے کہ ظاہر کر دے۔ (۲) اگر ہدیہ غیر نقد ہو تو حتی الامکان مہدی الیہ کی رغبت کی تحقیق کرے ایسی چیز دے جو اسے مرغوب ہو۔ (۳) ہدیہ دے کر یا ہدیہ سے پہلے اپنی کوئی غرض پیش نہ کرے کہ مہدی الیہ کو شبہ خود غرضی کا ہوتا ہے۔ (۴) مقدار ہدیہ کی اتنی زیادہ نہ ہو کہ مہدی الیہ کی طبیعت پر بار ہو اور کم جتنا چاہے ہو، مضائقہ نہیں، اہل نظر کی نظر مقدار پر نہیں ہوتی خلوص پر ہوتی ہے اور زیادہ ہونے کی صورت میں واپسی کا احتمال ہو۔ (۵) اگر مہدی الیہ کسی مصلحت سے واپس کرنے لگے تو وجہ واپسی کی تحقیق کر کے آئندہ اس کا خیال رکھے لیکن اس وقت اصرار نہ کرے البتہ جو وجوہ بناء واپسی کی ہے اگر وہ وجہ واقعی نہ ہو تو اس کے عدم وقوع کی اطلاع فوراً کرنا بھی مضائقہ نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ (۶) جب تک مہدی الیہ پر اپنا خلوص ثابت نہ کر دے ہدیہ پیش نہ کرے۔ (۷) حتی الامکان ریلوے پارسل کے ذریعہ ہدیہ نہ بھیجے کہ مہدی الیہ کو کئی طرح کا اس میں تعب ہے۔

آداب خط و کتابت

ادب ۹۵: اس میں کچھ آداب خط و کتابت لکھتا ہوں۔ (۱) خط کی عبارت اور مضمون اور خط بہت صاف ہو۔ (۲) ہر خط میں اپنا پورا پتہ لکھنا ضروری ہے۔ مکتوب الیہ کے ذمہ نہیں ہے کہ اس کو حفظ یاد رکھا کرے۔ (۳) اگر کسی خط میں پہلے خط کا کسی مضمون کا حوالہ دینا ہو تو پہلا خط بھی اس مضمون پر نشان بنا کر ہمراہ بھیجے تاکہ سوچنے میں تعب نہ ہو اور بعض اوقات یاد ہی نہیں آتا۔ (۴) ایک خط میں اتنے سوالات نہ بھر دے کہ مجیب پر بار ہو، چار پانچ سوال بھی بہت ہیں۔ بقیہ جواب آنے کے بعد پھر بھیج دے۔ (۵) کثیر المشاغل مکتوب الیہ کو پیام و سلام پہنچانے سے معاف رکھے۔ اسی طرح اپنے معظم کو بھی تکلیف نہ دے، خود ان لوگوں کو براہِ راست جو لکھنا ہو وہ لکھ دے اور جو کام مکتوب الیہ کے لیے مناسب نہ ہو اس

کی فرمائش لکھنا تو اور بھی بے تمیزی ہے۔ (۶) اپنے مطلب کے لیے بیرنگ خط نہ بھیجے۔ (۷) بیرنگ جواب بھی نہ منگائے، بعض اوقات یہ شخص ڈاکیہ کو نہیں ملتا اور وہ اس خط کو واپس کر دیتا ہے تو بلاضرورت مجیب پر تاوان پڑتا ہے۔

(۸) جوابی رجسٹری خط بھیجنا خلاف تہذیب ہے۔ حفاظت میں غیر جوابی رجسٹری کے برابر ہوتی ہے۔ پھر اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ مکتوب الیہ لے کر انکار نہیں کر سکتا۔ سو ظاہر ہے کہ اپنے معظم کو بھیجنا گویا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس پر بھی جھوٹ بولنے کا شبہ کیا جاتا ہے۔ سو کتنی بڑی بے ادبی ہے، یہ قریب سو (۱۰۰) آداب کے ہیں اور اسی قسم کے آداب معاشرت کسی قدر بہشتی زیور کے دسویں حصہ میں لکھ دیئے ہیں ان کو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے جن میں سے بعضے عنقریب ذیل میں بھی مذکور اور خلاصہ ان تمام تر آداب کا یہ ہے کہ اپنے کسی قول وفعل یا حال سے دوسرے کی طبیعت پر کوئی بار یا پریشانی یا تنگی نہ ڈالے، یہی خلاصہ ہے حسن اخلاق کا جو شخص اس قاعدہ کو مستحضر کر لے گا وہ زیادہ تفصیل سے مستغنی ہو جائے گا۔ اس لیے اس فہرست کو بڑھایا نہیں گیا۔ البتہ اس قاعدہ کے لحاظ کے ساتھ اتنا کام اور کرنا پڑے گا کہ ہر قول وفعل کے قبل ذرا سوچنا ہوگا کہ ہماری یہ حرکت موجب ایذا تو نہ ہوگی، پھر غلطی بہت کم ہوگی اور چند روز کے بعد خود طبیعت میں صحیح مذاق پیدا ہو جاوے گا کہ پھر سوچنا بھی نہ پڑے گا۔ یہ سب امور مثل طبعی کے ہو جاویں گے۔

بعض آداب بہشتی زیور سے

ادب ۹۶: اگر کسی سے ملنے جاؤ تو وہاں اتنا مت بیٹھو یا اس سے اتنی دیر باتیں مت کرو کہ وہ تنگ ہو جاوے یا اس کے کسی کام میں حرج ہونے لگے۔

ادب ۹۷: جب تم سے کوئی کسی کام کو کہے تو اس کو سن کر ہاں یا نہیں ضرور زبان سے کچھ کہہ دیا کرو کہ کہنے والے کا دل ایک طرف ہو جاوے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کہنے والا تو سمجھے کہ اس نے سن لیا ہے اور تم نے سنا نہ ہو یا وہ یہ سمجھے کہ تم یہ کام کر دو گے اور تم کو کرنا منظور نہ ہو تو ناحق دوسرا آدمی بھروسہ میں رہا۔

ادب ۹۸: کسی کے گھر میں مہمان جاؤ تو اس سے کسی چیز کی فرمائش مت کرو۔ بعض دفعہ چیز تو ہوتی ہے بے حقیقت، مگر وقت کی بات ہے، گھر والا اس کو پوری نہیں کر سکتا، ناحق اس کو شرمندگی ہوگی۔

ادب ۹۹: جہاں دو آدمی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر تھوکو مت، ناک مت صاف کرو، اگر ضرورت ہو تو ایک کنارے جا کر فراغت کر آؤ۔

ادب ۱۰۰: کھانا کھانے میں ایسی چیزوں کا نام مت لو جس سے سننے والوں کو گھن پیدا ہو۔ بعضے نازک مزاجوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

ادب ۱۰۱: بیمار کے سامنے یا اس کے گھر والوں کے سامنے ایسی باتیں مت کرو جس سے زندگی کی ناامیدی پائی جائے۔ ناحق دل ٹوٹے گا بلکہ تسلی کی باتیں کرو کہ ان شاء اللہ سب دکھ جاتا رہے گا۔

ادب ۱۰۲: اگر کسی کی پوشیدہ بات کرنی ہو اور وہ بھی اس جگہ موجود ہو تو آنکھ سے یا ہاتھ سے اشارہ مت کرو ناحق اس کو شبہ ہوگا اور یہ جب ہے کہ اس بات کا کرنا شرع سے بھی

درست ہواور اگر دُرست نہ ہوتو ایسی بات کرنا گناہ ہے۔

ادب۱۰۳: بدن اور کپڑے میں بدبو پیدا نہ ہونے دو۔ اگر دھوبی کے دُھلے ہوئے کپڑے نہ ہوں تو بدن کے کپڑے ہی دھوڈالو۔

ادب۱۰۴: آدمیوں کے بیٹھے ہوئے جھاڑو مت دلواؤ۔

ادب۱۰۵: مہمان کو چاہیے کہ اگر پیٹ بھر جائے تو تھوڑا سالن روٹی دسترخوان پر ضرور چھوڑ دے تا کہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہوگیا۔ اس سے وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔

ادب۱۰۶: راہ میں چارپائی یا پیڑھی یا کوئی برتن یا اینٹ پتھر وغیرہ مت ڈالو۔

ادب۱۰۷: بچوں کو ہنسی میں اُچھالو مت اور کسی کھڑکی وغیرہ سے مت لٹکاؤ شاید گر پڑیں۔

ادب۱۰۸: پردہ کی جگہ کسی کے پھوڑا پھنسی ہوتو اس سے مت پوچھو کہ کہاں ہے۔

ادب۱۰۹: گٹھلی چھلکا کسی آدمی کے اوپر سے مت پھینکو۔

ادب۱۱۰: کسی کو کوئی چیز ہاتھ میں دینا ہوتو دور سے مت پھینکو کہ وہ ہاتھ میں لے لے گا۔ ادب۱۱۱: جس سے بے تکلفی نہ ہو اس سے ملاقات کے وقت اس کے گھر کا حال مت پوچھو۔ ادب۱۱۲: کسی کے غم یا پریشانی یا دُکھ بیماری کی کوئی خبر سنو تو قبل پختہ تحقیق کے کسی سے نہ کہو، بالخصوص اس کے عزیزوں سے۔

ادب۱۱۳: دسترخوان پر سالن کی ضرورت ہو تو کھانے والے کے سامنے سے مت ہٹاؤ، دوسرے برتن میں لے آؤ۔

ادب۱۱۴: لڑکوں کے سامنے کوئی بات بے شرمی کی مت کہو۔

تمام ہوئے بعض آداب بہشتی زیور سے اور یہاں تک اکثر آداب وہ ہیں جن کا برابر والوں یا اکابر کے ساتھ لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اب دو چار آداب ایسے بتلاتا ہوں جن کا لحاظ بڑوں کو چھوٹوں کے ساتھ رکھنا مناسب یا واجب ہے۔

بڑوں کیلئے ضروری آداب

ادب۱۱۵: بڑوں کو بھی بہت نازک مزاج نہ ہونا چاہیے کہ بات بات میں بگڑا کریں۔

بات بات پر چھنکا کریں۔ یہ یقینی بات ہے کہ جیسے دوسرے تم سے بے تمیزی کرتے ہیں تم اگر اپنے سے بڑوں کے ساتھ رہو ہو تو تم سے بھی بہت بدتمیزیاں ہوا کریں، یہ سمجھ کر کچھ تسامح بھی کیا کرو اور ایک بار دو بار نرمی سے سمجھا دو جب اس سے کام نہ چلے تو مخاطب کی مصلحت کی نیت سے تندی و درشتی کا بھی مضائقہ نہیں۔ اگر تم نے تحمل نہ کیا تو صبر کی فضیلت سے ہمیشہ محروم رہے اور جب خدا نے تم کو بڑا بنایا ہے تو ہر طرح کے لوگ تمہاری طرف رجوع کریں گے، ان میں مختلف طبائع مختلف عقول کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک ہی تاریخ میں سب یکساں کیسے ہو جائیں۔ یہ حدیث قابل یاد رکھنے کے ہے۔ "**المؤمن الذی یخالط الناس ویصبر علی اذا ھم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علیٰ اذا ھم**"

ادب ۱۱۶: جس شخص کی نسبت تم کو قرائن سے متیقن یا مظنون ہو کہ تمہارے کہنے کو ہرگز نہ ٹالے گا تو اس سے کسی ایسی چیز کی فرمائش نہ کرو جو شرعاً واجب نہیں۔

ادب ۱۱۷: اگر بلا فرمائش کے کوئی تمہاری مالی یا بدنی خدمت کرے تب بھی اس کا خیال رکھو کہ اس کی راحت یا مصلحت میں خلل نہ پڑے۔ یعنی اس کو زیادہ جاگنے مت دو۔ اس کی گنجائش سے زیادہ اس کا ہدیہ مت لو، اگر وہ تمہاری دعوت کرے بہت سے کھانے مت پکانے دو، ہمراہی میں بہت سے آدمیوں کی دعوت مت کرنے دو۔

ادب ۱۱۸: اگر کسی شخص پر قصداً ناخوش ہونا پڑے یا اتفاقاً ایسا ہو جائے تو دوسرے دن اس کا دل خوش کر دو، اگر تم سے واقعی زیادتی ہوگئی ہے تو بے تکلف اس سے معذرت کر کے اپنی زیادتی کی معافی مانگ لو، عارمت کرو، قیامت میں وہ تم برابر ہو گے۔

ادب ۱۱۹: اگر گفتگو میں کسی کی بدتمیزی پر زیادہ تغیر مزاج میں ہونے لگے تو بہتر ہے کہ بلا واسطہ اس سے گفتگو مت کرو، کسی اور مزاج شناس سلیقہ شعار کو بلا کر اس کے واسطے سے گفتگو کرے تا کہ تمہارا تغیر دوسرے پر اور اس کی بدتمیزی تم پر اثر نہ کرے۔

ادب ۱۲۰: اپنے کسی خادم یا متعلق کو اپنا ایسا مقرب مت بناؤ کہ دوسرے لوگ اس سے دبنے لگیں یا وہ دبانے لگے۔ اسی طرح اگر وہ لوگوں کی روایات و حکایات تم سے کہنے لگے منع کر دو ورنہ لوگ اس سے خائف ہو جائیں گے اور تم لوگوں سے بدگمان ہو جاؤ گے۔ اسی

طرح اگر وہ کسی کا پیام یا سفارش تمہارے پاس لائے سختی سے منع کر دو تا کہ لوگ اس کو واسطہ سمجھ کر اس کی خوشامد نہ کرنے لگیں، اس کو نذرانے نہ دینے لگیں یا وہ لوگوں سے فرمائش نہ کرنے لگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کا تعلق براہِ راست اپنے سے رکھو، کسی شخص کو واسطہ مت بناؤ، ہاں اپنی خدمت کے لیے ایک آدھ شخص خاص کر لو، مضائقہ نہیں مگر اس کو لوگوں کے معاملات میں ذرّہ برابر دخل نہ دینے دو، اس طرح مہمانوں کا قصہ کسی پر مت چھوڑو۔ خود سب کی دیکھ بھال کرو، گو اس میں تم کو تعب زیادہ ہوگا مگر دوسروں کو تو راحت وسہولت رہے گی اور بڑے تو تعب کے لیے ہوا ہی کرتے ہیں۔ خوب کہا گیا ہے:

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی کانگشت نمائے عالمے خواہی شُد

اب ان آداب وقواعد کو ایک بے قاعدگی کے قاعدہ پر ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ ان میں بعض آداب تو عام ہیں، ہر حالت اور ہر شخص کے لیے اور بعضے آداب وہ ہیں جن سے بے تکلف مخدوم یا بے تکلف خادم مستثنیٰ بھی ہیں چونکہ اس درجہ کی بے تکلفی تک پہنچ جانے کا ادراک وجدانی وذوقی ہے۔ اس لیے ایسے آداب کی تعیین بھی وجدانِ ذوق پر چھوڑتا ہوں اور اس رسالہ کو اس شعر پر جو کہ ادبِ تکلف اور ادبِ تکلفی دونوں کے لیے جامع (اما الاوّل فبان یقال فی معناه ان حلوق العشق من حصرة فی الاداب فمن لا ادب له لا عشق لهٗ واما لشافی فان یقال فی معناه ان ماهو من طوق العشق کلها ادب ما کان عشقا فهو ادب و ان کان خلاف ادب فی ظاهر و تطبیق النوع الثانی علی المعنیین غیر خفی ۱۲ منه) ہے۔ تمام کرتا ہوں۔

طرق العشق کلها آدابٌ ادبوا النفس ایها الاصحابُ

ویوم ختامه هو یوم ختام رسالة اغلاط العوام بفضل قدر اکثر من ساعة و اقل من ساعتین وهو ثامن المحرم ۱۳۳۲ھ فی تهانه بهون.

صد پند اشرف

حضرت حکیمُ الامت مُجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلُوم القرآنیۃ، واقف الاُسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاُسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التّھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

''تربیت السالک'' سے حکیم الامت حضرت تھانوی
رحمہ اللہ کی منتخب 100 نصیحت سے مزین اہم باتیں
جو عوام وخواص کیلئے سرمۂ بصیرت ہیں۔

صد پند اشرف

یعنی بعضے ارشادات وافاضات حکمت آیات
حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ منتخب از تربیت السالک

۱-شبہات نہ آنے کی تمنا

ایک طالب نے لکھا کہ میری تمنا ہے کہ شبہے نہ آئیں تحریر فرمایا کہ کل کو یہ تمنا کرنا کہ بخار نہ آئے۔اھ۔اس سے پہلے یہ تحریر فرما چکے تھے کہ بلا اختیار شبہ آنا خدا و رسول کو سچا سمجھنے کے منافی نہیں۔اھ۔

۲-موت کا خوف

ایک طالب نے لکھا کہ مجھ کو موت سے بہت وحشت ونفرت ہے حالانکہ وہی ذریعہ ہے خدا تعالیٰ سے ملاقات کا اور صوفیائے کرام کے نزدیک تو موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز ہی نہیں۔تحریر فرمایا کہ یہ غلط ہے بعض مسلم بزرگوں کو میں نے موت سے ایسا ہی ڈرتا ہوا دیکھا ہے۔منشاء اس کا ضعف قلب ہے جو بالکل مذموم نہیں۔اھ۔انہی طالب نے یہ بھی پوچھا کہ صوفیائے کرام نے کیا ذرائع حاصل کیے جن کی وجہ سے ان کو موت سے نفرت یعنی کراہت بالکل جاتی رہی۔جواب تحریر فرمایا کہ ان کی قوت قلب ہے یا قوت وارد اور دونوں غیر مطلوب ہیں محض موہوب ہیں۔اھ۔

۳-بدعتی سے نفرت

ایک طالب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ بدعتی سے نفرت کبر نہیں البتہ اگر وہ توبہ کرلے اور پھر بھی اس سے نفرت رہے یہ کبر ہے ورنہ بغض فی اللہ ہے۔اھ۔

۴-تلاوت اور اوراد

ایک طالب نے کلام مجید کی تلاوت کے فضائل دیکھ کر چاہا کہ سوائے تلاوت کے اور سب وظائف واوراد ترک کردوں۔تحریر فرمایا کہ یہ بھی خبر ہے کہ کسی چیز کی طرف زیادہ کشش اسی وقت ہوتی ہے جب دوسری چیزیں بھی ہوں ورنہ اس سے طبیعت اُکتا جاتی ہے۔(ع) گرنیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور۔اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔اھ۔

۵-حصول نسبت اور زوال کبر کے آثار

ایک خلیفہ خاص نے دریافت فرمایا کہ حصول نسبت کے آثار غیر متخلفہ کیا ہیں نیز زوال کبر کے بھی آثار غیر متخلفہ پوچھے تھے۔تحریر فرمایا کہ یہ سب امور ظنیہ ہیں جیسی صحت بدنیہ ظنی ہے مگر اقناع ہی کو اس باب میں مثل یقین کہا جاتا ہے سو امر اول میں آثار دوام اطاعت ومشابہت اعمال اختیار یہ بہ امور طبعیہ وشذوذ مخالفت اور بعد مخالفت اتفاقیہ قلق شدید وتدارک بلیغ اور غلبہ ذکر لسانی وقلبی یعنی استحضار۔اور امر ثانی میں اصل وجدان ہے معالج کا اور آثار سے اس کی تائید ہوجاتی ہے یعنی واقعات کبر کا عدم صدور وغلبہ آثار شکستگی وندامت شدید بر صدور افعال موہمہ کبر۔اھ۔

۶-اللہ تعالیٰ سے محبت

ایک طالب نے لکھا کہ زبان پر ذکر اللہ ہے اور اندر خاک بھی اثر نہیں بفضلہٖ تعالیٰ اعمال میں تو فرق نہیں آتا مگر ظاہر ہوتا ہے کہ دل محبت سے خالی ہے اھ۔جواب تحریر فرمایا کہ کونسی محبت سے دل خالی ہے۔اعتقادی وعقلی سے یا انفعالی اور طبعی سے اگر شق ثانی ہے تو مضر نہیں اگر شق اول ہے تو اس میں خالی ہونے کا افسوس نہیں ہوا کرتا آپ کو افسوس کیوں ہے۔یہ افسوس خود دلیل ہے کہ آپ اس سے خالی نہیں۔اھ۔

انہی طالب نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ تو یقینی ہے کہ حالت جیسی چاہیے ویسی بالکل نہیں ہے۔اھ۔جواب تحریر فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہوگا جس دن یہ سمجھو گے کہ جیسی

حالت چاہیے تھی ویسی ہوگئی کیونکہ اس درگاہ میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ جیسی حالت چاہیے تھی ویسی نہیں ہے۔ ماعبدناک حق عبادتک کا حال ہوتا ہے۔اھ۔

۷-نظر بد سے تحفظ کا مراقبہ

ایک طالب نے لکھا کہ نظر بد کے تقاضہ کے وقت بندہ دل کو یہ بھی تسلی دیتا ہے کہ جس گناہ سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو اس کو کرنے سے کیا حاصل۔تحریر فرمایا کہ نہایت نافع اور مؤثر مراقبہ ہے۔اھ۔

۸-وہ نظر جو معصیت نہیں

ایک طالب نے لکھا کہ چلتے پھرتے اگر کسی لڑکے یا عورت پر نظر پڑ جاتی ہے تو بندہ فوراً نظر کو ہٹا لیتا ہے اب دریافت کرنا یہ ہے کہ نظر اول معصیت کا سبب ہے یا نہیں۔اھ۔حضرت والا نے ذیل کا جواب تحریر فرمایا۔اس نظر اول میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔اگر حدوث میں قصد نہ ہو تو اس کے ابقاء میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر ابقاء میں بھی قصد نہ ہو تو اس نظر سے جو صورت ذہن میں پیدا ہوتی ہے اس کے ابقاء یا اس سے التذاذ میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔اھ۔

انہوں نے یہ بھی لکھا کہ نظر ہٹانے کے بعد اس کی صورت ذہن میں ایک قسم کی تصویر ہو جاتی ہے مگر بعض وقت اس صورت کو ذہن میں آتے ہی فوراً دفع کرنا یاد نہیں رہتا۔اھ۔اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ یاد رکھنے کا اہتمام ضروری ہے اگر ویسے یاد نہ رہے تو ایک پرچہ پر اس کی وعید لکھ کر وہ پرچہ اپنے کلائی یا بازو پر باندھ لیا جائے۔اھ۔

۹-جھوٹ کی عادت سے نجات

ایک طالب نے حضرت والا کے اس استفسار پر کہ جھوٹ اختیار سے بولتے ہو یا بالاضطرار یہ لکھا کہ یہ جھوٹ بولنا ہے تو اختیاری لیکن کثرت انہماک سے اضطراری جیسا ہو چکا ہے حضرت اس کا علاج فرمائیں۔اھ۔اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جب ہمت

و اختیار سے چھوڑ دو گے اور بہ تکلف اس کی عادت کرلو گے تو اسی طرح عدم صدور اضطراری جیسا ہو جائے گا یہی علاج ہے۔اھ۔

۱۰۱-مشرکین و معاندین کی کتب کے مطالعہ کا اثر

ایک صاحب فضل ایک دوسرے شیخ سے مرید ہیں ان کو بسلسلہ انگریزی ترجمہ قرآن مجید معاندین کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے معاندین کی کتابیں پڑھنے میں مشغولی رہتی ہے۔انہوں نے حضرت والا کولکھا کہ ایک معاملہ اپنے قلب کا عرض کرتا ہوں جس زمانہ میں کتب تصوف کا مطالعہ زیادہ رہتا ہے خصوصاً مثنوی کلید مثنوی (یعنی شرح مثنوی مصنفہ حضرت والا) احیاء العلوم وغیرہ کا اس زمانہ میں قلب میں ایک خاص انشراح محسوس ہوتا ہے اور طبیعت میں لینت و رقت اور خواب بڑے بڑے پاکیزہ نظر آنے لگتے ہیں۔اب جب سے انگریزی میں ترجمہ قرآن میں اور معاندین کے اعتراضات کے جواب میں مشغولی ہے اس حالت میں نمایاں کمی پاتا ہوں۔اب کتب تصوف کا مطالعہ بالکل ترک ہے اور بجائے اس کے ہزار ہا ہزار صفحات عقائد مشرکین و معاندین اسلام کے پڑھ رہا ہوں کہیں یہ ظلمت وقساوت اسی کا نتیجہ تو نہیں۔اھ۔

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اس تفاوت کا یہی سبب ہے مگر اس کی حقیقت قساوت یا ظلمت نہیں کیونکہ حقیقی قساوت یا ظلمت ہمیشہ اعتقادی ہوتی ہے اور یہ کیفیت اور اثر طبعی ہے۔جیسا ایک انقباض اور تکدر گوہ کھانے سے ہو یہ مشابہ ہے حقیقی قساوت وظلمت کے اور ایک انقباض ہاتھ یا پاؤں میں نجاست لگ جانے سے ہو یہ مشابہ ہے اس کیفیت واثر زیر بحث کے۔اور ظاہر ہے کہ گوہ کھانا بوجہ معصیت ہونے کے مضر باطن ہوتا ہے اور نجاست بدن کو لگ جانا مضر باطن نہیں ہوتا بلکہ اگر بقصد تطہیر اپنے جسد کے یا غیر کے جسد کے ہاتھ لگانا پڑے تو بوجہ طاعت ہونے کے باطن کو زیادہ نافع ہوگا۔اور اس میں جو طبعی کدورت وکلفت ہوئی ہے وہ بوجہ مجاہدہ ہونے کے موجب اجر وقرب ہوگا اور اس کے بعد جو مٹی سے صابن سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھویا جائے گا۔پہلے سے زیادہ پاک صاف ہو جائے گا آپ ماشاء اللہ تطہیر

ہیں مشغول ہیں آپ کی طہارت اور نورانیت میں اضافہ ہورہا ہے۔ البتہ ساتھ کے ساتھ صابن بھی استعمال میں رہے تو بہتر ہے یعنی کسی قدر مطالعہ تصوف و ذکر اللہ۔

۱۱- تلاوت کی عادت بنانے کا طریقہ

ایک طالب نے شکایت لکھی کہ ناظرہ قرآن شریف ایک پارہ بھی پڑھنا مشکل معلوم ہوتا ہے بلکہ اکثر ناغہ ہو جاتا ہے اور دیگر از کار اور زبانی قرآن شریف دن بھر پڑھا کرے تو کوئی گرانی نہیں ہوتی۔ اھ۔ اس پر حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔ اگر قرآن حفظ نہیں تو نفس پر جبر کر کے زیادہ پڑھنا چاہیے اور برابر اس کا تصور رکھنا چاہیے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں نامہ اعمال میں ساتھ ساتھ درج ہو رہی ہیں اور ایسی دولت اور کس چیز سے نصیب ہو سکتی ہے اور یہ تصور ہے بھی امر واقعی کا کیونکہ حدیث میں یہ مضمون تصریحاً موجود ہے اس کے ساتھ ہی یہ مراقبہ بھی رکھنا چاہیے کہ حروف قرآن کی زیارت پر ثواب ملتا ہے اس مجموعی تصور سے وہ گرانی کم ہو جائے گی۔ اور شدہ شدہ ناظرہ زیادہ تلاوت کرنا آسان ہو جائے گا اور اگر قرآن آپ کو حفظ ہے اور زبانی بھی صحیح یاد ہے تو پھر حفظ پڑھنے سے بھی ثواب جو کہ اصل مقصود ہے حاصل ہے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں۔ اھ۔

۱۲- مُبتدی کی ایک کیفیت

ایک طالب نے لکھا کہ ان دنوں میری عجیب کیفیت ہے ہر وقت جی چاہتا ہے کہ بس اللہ اللہ کرتا رہوں۔ سوائے ذکر اسم ذات کے کسی چیز میں جی نہیں لگتا۔ حد یہ ہے کہ درس حدیث و تلاوت قرآن میں بھی جیسے پہلے جی لگتا تھا اب ویسا نہیں لگتا۔ اھ۔

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

ابتداء میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا بچہ کو ہر وقت دودھ ہی مرغوب ہوتا ہے پھر وقت پر اس کے مناسب اشیاء مرغوب ہونے لگتی ہیں۔ اھ۔

فائدہ- از جامع اوراق۔ ایک اور طالب کو اسی قسم کی شکایت پر یہ تحریر فرمایا تھا کہ ابتداء میں ایسا ہی ہوتا ہے بعض کو انتہا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور اکثر اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ذکر

میں ایک گونہ بساطت ہے اور قرآن و حدیث میں ایک گونہ ترکیب ہے اور بساطت یکسوئی سے اقرب ہے اور ترکیب بوجہ اختلاف اجزاء تشویش سے قریب ہے۔

۱۳- کِبر کا امتحان

ایک طالب نے جو حاضر خانقاہ ہوئے تھے لکھا کہ فی الحال کبر نہیں معلوم ہوتا۔ دو چار باتیں حضرت بتلا دیں تا کہ امتحان کروں کہ کبر باقی ہے یا جاتا رہا۔ اھ۔

اس پر تحریر فرمایا کہ دو چار جزئیات امتحان کے لیے کافی نہیں بعض طبائع کی خاصیت یہ ہے کہ بعض معاملات میں کبر پیدا نہیں ہوتا بعض میں ہوتا ہے اس لیے اس امتحان کی فکر میں نہ پڑیے۔ اگر کسی خاص واقعہ میں شبہ پیش آئے گا اس کی اطلاع کر کے مشورہ مناسب ہوگا۔ اھ۔ انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت کی محبت کا غلبہ بہت ہے نماز میں بھی اکثر خیال ہوتا ہے اور کبھی کبھی خشوع کے لیے خیال کر لیتا ہوں۔ اھ۔

اس پر تحریر فرمایا کہ نماز میں قصداً نہ کیا جائے۔ اھ۔ انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ جانے کو جی نہیں چاہتا مگر مدرسہ کی وجہ سے کل جانے کا ارادہ ہے۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ بعض بُعد قرب سے زیادہ نافع ہوتا ہے۔ اھ۔ انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت کا خوف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اھ۔ تحریر فرمایا کہ اس کا منشاء مشوب بہ عظمت ہے۔ جو طریق میں نہایت نافع ہے۔ اھ۔

۱۴- بدنظری سے نفرت

ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے نفرت اپنے اندر نہیں پاتا نفس کو روکنے میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اھ۔ تحریر فرمایا کہ نفرت مامور بہ ہے یا رغبت کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا۔ اھ۔

۱۵- ایک صاحبِ اجازت کی تواضع

ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ اگر کوئی میرے پاس بیعت ہونے کو آتا ہے تو بے حد شرم آتی ہے کہ یہ تو مجھ سے ہر طرح اچھا ہے میں اس کو کیا بیعت کروں۔ اھ۔ تحریر فرمایا کہ مرید کر لیا کریں تا کہ یہ تواضع اور زیادہ بڑھے۔ اھ۔

۱۶-سخت مزاجی کا علاج

ایک صاحب نے جو ایک دوسرے شیخ سے بیعت ہیں لکھا کہ دین اور دنیا دونوں قسم کے معاملات میں بعض دفعہ سخت مزاجی کا ظہور نہایت شدت سے ہوتا ہے اور طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے اھ۔ تحریر فرمایا کہ استحضار و عمل بتکلف کا تکرار یہی علاج ہے اس سے عادت ہو جائے گی۔ اھ۔......... انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نماز وغیرہ کے بارے میں جب بار بار کہنے سے بھی لوگ نہیں مانتے اور غصہ آتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ غصہ اپنے نفس کے لیے ہے کہ میرا کہا ان لوگوں نے کیوں نہیں مانا۔ اھ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ اس کا امتحان سہل ہے ٹٹول کر دیکھا جائے کہ اگر دوسرے واعظ کے ساتھ یہی معاملہ کریں تب بھی اتنی ہی یا اس کے قریب قریب ناگواری ہوتی ہے یا نہیں۔ اھ۔

۱۷-اصلاح کا طریق

ایک طالب نے لکھا کہ مجھے اصلاح کا طریق نہیں معلوم۔ طریق اصلاح تجویز فرما دیں۔ اھ۔ تحریر فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے نفس کا ایک ایک عیب ظاہر کرو اور مجھ سے اس کا علاج پوچھو اور میں جو بتلاؤں اس پر عمل کرو اور عمل کر کے اطلاع دو۔ اھ۔

۱۸-نماز و تلاوت کی پابندی

ایک طالب نے لکھا کہ نماز و تلاوت میں طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ کوئی شاہراہ عمل ایسا تجویز فرما دیجئے کہ یہ جبر مبدل بمسرت و آسانی ہو جائے۔ اھ۔ تحریر فرمایا کہ اس کی کوئی تدبیر نہیں یہ امر نہ شیخ کے اختیار میں ہے نہ طالب کے اھ۔ اسی طرح ایک بی اے پاس طالب نے لکھا کہ نماز کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن طبیعت ادھر نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہے تو نماز میں کوئی لطف نہیں آتا اھ۔ پہلی بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ طبیعت کا آنا ضروری ہے یا لانا۔ اھ اور دوسری بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ لطف ضروری ہے یا عمل اھ۔

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ معمولات میں سرور نہیں پیدا ہوتا۔ تحریر فرمایا کہ سرور مقصود ہے یا حضور اور حضور بھی اختیاری یا غیر اختیاری اھ۔

۱۹-عُجُب کا علاج

ایک طالب نے عجب کی چند مثالیں لکھ کر علاج پوچھا۔تحریر فرمایا کہ اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کر لیا جائے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں وہ اگر چاہیں ابھی سلب کر لیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کر لیا جائے کہ اگر چہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہوں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سرور رہ جائے گا وہ عجب نہ ہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی جو مذموم نہیں اور یا شکر ہوگا جب منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔اھ۔

۲۰-رذائل کے علاج میں رسوخ

ایک استفسار کے جواب میں حضرت والا نے رذائل کے علاج میں رسوخ پیدا ہو جانے کی علامت یہ تحریر فرمائی کہ جب غفلت وذہول نہ ہو اور ہمت میں تخلف نہ ہو یہی رسوخ ہے۔اھ۔اور ایک استفسار کے جواب میں جو بزبان فارسی تھا حصول رسوخ کا طریقہ یہ تحریر فرمایا۔تکرر اور استحضار و اعتیاد دائم و تدارک وقت کوتاہی بمعاقبت نفس بنوعے عبادت خاصہ مالیہ یا بدنیہ مثل انفاق چہار آنہ کہ بر نفس قدرے شاق باشد یا ادائے نوافل بمقدار معتدبہ کہ بر نفس قدرے گراں باشد و علامت رسوخ آنست کہ ملکہ میسر شود کہ در صدور تکلف نباشد۔اھ۔

۲۱-راہ سلوک کی غیر اختیاری کیفیات

ایک طالب نے لکھا کہ قبل بیعت حضرت سے محبت تھی مگر رعب معلوم ہوتا تھا اور اب بعد بیعت محبت تو الحمد للہ بہت ہے مگر رعب مطلق نہیں معلوم ہوتا ہے۔اھ۔

جواب تحریر فرمایا کہ مبارک حالت ہے وہ پہلی حالت بھی مبارک تھی۔

اس طریق میں جو حالت غیر اختیار یہ بھی پیش آئے خیر محض ہے اور اس میں بے

حد مصالح و منافع ہوتے ہیں جو اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتے مگر آگے چل کر ایک وقت میں سب خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔اھ۔

۲۲-نماز میں خیالات آنے کا علاج

ایک مبتدی طالب نے نماز میں خطرات آنے کی شکایت لکھ کر اسکی تدبیر پوچھی۔ جواب تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے کلمات واذکار کی طرف توجہ رکھنا چاہیے پھر اگر آویں مضر نہیں اگر وہ توجہ ہٹ جائے تجدید کرلی جائے اور اس توجہ کے ہٹ جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیے۔اھ۔

۲۳-محبت عقلی اور محبت طبعی

ایک طالب نے لکھا کہ حضور کے ساتھ غلبہ محبت کا آج کل یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے دل میں سوائے آپ کی محبت کے اور کوئی محبت نہیں ہے اور نہ کسی دیگر شخص کا خیال ہے آپ کو بحیثیت اپنے شیخ کے صاف لکھنا زیادہ بہتر ہوگا یعنی ان دنوں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی کم محسوس کرتا ہوں۔اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ شبہ صحیح نہیں حق تعالیٰ کی محبت میں شان عقلیت غالب ہوتی ہے اور اپنے مجانس کی محبت میں شان طبیعت غالب ہوتی ہے اور سرسری نظر میں محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے ضعیف و مضمحل معلوم ہوتی ہے اس سے وہ شبہ ہوجاتا ہے حالانکہ امر بالعکس ہے چنانچہ اگر اسی محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ قولی یا فعلی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہوجائے جس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی محبوبیت غالب ہے۔اھ۔

۲۴-نظر بد کا علاج

ایک نظر بد کے مریض کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بجز ہمت کے کوئی علاج نہیں اھ۔

۲۵-نفسانی محبت کا علاج

ایک طالب کو اپنے ایک شاگرد سے نفسانی محبت ہوگئی انہوں نے لکھا کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ سلسلہ تعلیم باقی رہے اور کیفیت نفسانیہ منعدم ہوجائے تو ارشاد فرمایا جائے۔ اھ۔تحریر فرمایا کہ مجھ کو ایسی ترکیب نہیں آتی کہ۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش
(تونے دریا کی تہہ میں مجھے تختہ سے باندھ دیا ہے پھر کہتا ہے کہ ہوشیار رہ دامن گیلا نہ کر)

۲۶-نماز میں تلاوت پر تکبر کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ میں لوگوں کے اصرار سے لمبی سورتیں پڑھتا ہوں۔کبھی کبھی بعد نماز جی خوش ہوتا ہے کہ قرآن مجید بہت اچھا پڑھا دل میں یہ سوچ لیتا ہوں کہ یہ میرا کمال نہیں محض انعام الٰہی ہے کیا یہ اصلاح نفس کے لیے ٹھیک ہے۔اھ۔تحریر فرمایا کہ مسنون سورتوں میں جو چھوٹی ہوں وہ پڑھا کرو اور بہت جوش سے مت پڑھا کرو یہ عملی اصلاح ہے اور لفظی اصلاح کافی نہیں اھ۔

۲۷-سکون مطلوب نہیں عمل مطلوب ہے

ایک بیوہ نے لکھا کہ شوہر مرحوم کے غم کی وجہ سے باوجود ڈیڑھ سال گزر جانے کے اس قدر تڑپ ہے کہ ہر چند قلب کو راجع الی اللہ کرتی ہوں لیکن یک سوئی نہیں پیدا ہوتی۔میری قلبی خواہش یہ ہے کہ حقیقی صبر و رضا کے ساتھ محبوب حقیقی رب العزت کی یاد میں دلجمعی سے عبادت میں گزار دوں۔اھ۔جواب تحریر فرمایا کہ برخورداری سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی باطنی بھی ظاہری تو جانتی ہو باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہو مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا سکون و دلجمعی اختیار میں نہیں وہ مطلوب نہ ہوگا۔اھ۔

۲۸-غیبت کا علاج

ایک طالب کے استفسار پر غیبت کا یہ علاج تحریر فرمایا (نمبر۱) استحضار عقوبت وقت غیبت (نمبر۲) تامل قبل تکلم (نمبر۳) معافی چاہنا بعد صدور غیبت (نمبر۴) کچھ جرمانہ اپنے اوپر نقد کا یا نوافل کا۔اھ۔

کچھ دن بعد پھر انہی صاحب نے لکھا کہ ابھی یہ علاج پوری طرح راسخ نہیں ہوا۔تحریر فرمایا کہ بتدریج راسخ ہو جائے گا لگا رہنا چاہیے۔اھ۔

۲۹-میونسپلٹی کی ممبری

حضرت والا کے ایک صاحب اجازت کو لوگوں نے زبردستی میونسپلٹی کا ممبر تجویز کر دیا۔ انہیں سخت وحشت ہوئی۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے پیر و مرشد سے پوچھ لو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت اقدس کچھ تحریر فرما دیں تا کہ گلوخلاصی ہو' اس پر حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلاضرورت سراسر مضر ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق یہ تجربہ ہے اور ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا۔ ہم سے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے حضرت ابراہیم بن ادہم بلخیؒ' حضرت شاہ شجاعؒ کرمانی کے واقعات معلوم ہیں اور حضرات خلفائے راشدینؓ پر اپنے کو قیاس نہ کیا جائے۔ ع۔ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

۳۰-تقلباتِ حالات

ایک طالب نے اپنے تقلبات لکھے تھے۔ تحریر فرمایا کہ دل سے دعا ہے اور حالات کے انقلاب کے متعلق اکابر کی یہ تحقیق ہے۔

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو یعنی طمع مدار وصال دوام را

(عیش کی مجلس میں ایک دو پیالے پی اور جا، یعنی ہمیشہ کے وصال کی لالچ نہ رکھ)

۳۱-حُسن دیکھنے کی بیماری

ایک طالب نے حسن کے دیکھنے کا مرض لکھا تھا۔ حسب معمول استفسار فرمایا کہ حسن کا دیکھنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ بندہ کا دیکھنا اختیاری ہے مگر اس سے بچنے کے لیے استعمال اختیار دشوار معلوم ہوتا ہے۔ تنبیہاً تحریر فرمایا کہ کیا دشوار ہے کیا نفس کے روکنے سے کوئی بیماری ہو جاتی ہے یا سانس گھٹنے لگتا ہے یا اور کوئی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ اھ۔

۳۲-ترکِ تعلقات کی حدود

ایک طالب نے لکھا کہ جی چاہتا ہے کہ گاؤں کو بیچ کر کاشتکاری دوسروں کے سپرد کر کے اور قطع تعلق کر کے اپنے اوقات کو عمل کے لیے مقصود کروں۔ تحریر فرمایا کہ کیا گاؤں اور زمین پر کاشت وغیرہ عمل سے مانع ہیں۔ اھ۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ والدہ صاحبہ مخالف ہیں لیکن جناب شیخ سعدیؒ کے قول ''تعلق حجاب ست کو اختیار کروں اور والدہ صاحبہ کی رائے کے خلاف کروں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازوجاً و ذرِیۃ۔ خلاصہ یہ ہے کہ کیا اس سے ہر تعلق اور ہر حالت میں مراد ہے جو کام کرو سمجھ کر کرو۔ اھ۔

۳۳-مروّت کرنے کی حدود

ایک طالب نے لکھا کہ مروت مجھ کو بہت ہے جس سے بعض دفعہ خلاف شرع کام بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔ محض اس خیال سے کہ دوسرے کا دل نہ دکھے انکار اس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ پسینہ آ جاتا ہے۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ دشوار ہونے سے غیر اختیاری ہونا لازم نہیں آتا۔ جہاں مروت کرنا خلاف شرع نہ ہو اس مروت پر عمل جائز ہے اور جہاں خلاف شرع ہو وہاں جائز نہیں گو دشواری اور تکلیف ہو اس تکلیف کو برداشت کرو اس کے سوا کوئی علاج نہیں۔ اھ۔

۳۴-ایک طالب کے حالات

ایک طالب کے خط کے مختلف اجزاء مع حضرت والا کے جوابات کے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں کیونکہ اس سے بہت سے فوائد مستفاد ہوتے ہیں۔

(حال) تابعدار معمولات ادا کیے جاتے ہیں مگر قلب کی حالت بدستور ہے۔

(تحقیق) کیا یہ نعمت نہیں کہ دو وقت روٹی ملے اور صحت قوت بحال رہے گو اس میں ترقی نہ ہو۔

(حال) کوئی خاص حالت ایسی نہیں ہے جس کو حضور میں عرض کروں۔

(تحقیق) یہ حالت بھی تو قابل اطلاع کے تھی چنانچہ اطلاع پر ایک مفید بات معلوم

ہوگئی مگر اس کا یاد رکھنا شرط ہے۔

(حال) نہ اپنے کو اس قابل پاتا ہوں کہ کچھ عرض معروض کرسکوں۔

(تحقیق) نا قابلی کا اعتقاد اس طریق میں یہی قابلی ہے۔

(حال) اس راہ سلوک میں اپنے کو ہیچ محض سمجھتا ہوں۔

(تحقیق) مبارک سمجھنا ہے۔

(حال) جو کچھ معمولات ادا کرتا ہوں محض عادۃً ادا کرتا ہوں۔

(تحقیق) کیا اچھے کام کی عادت نعمت نہیں۔

(حال) کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چندروز سے بجائے جہر کے خفی کرلیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں۔

(تحقیق) بلکہ افضل وانفع ہے۔

(حال) اب میرا وقت اخیر آپہنچا اب تک اپنے کو محض کورا سمجھتا ہوں۔

(تحقیق) مگر کور تو نہیں۔

(حال) بغیر حاضری حضور کے اور کوئی صورت کامیابی کی نظر نہیں آتی۔

(تحقیق) اطلاع بھی صورت کامیابی کی ہے۔اھ۔

۳۵- گناہ سے پرہیز پر استقامت

ایک طالب نے لکھا کہ حضور والا کے ارشاد کے موافق بدنظر اور بدخیال کو اختیار سے چھوڑ دیا۔لیکن دل کی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ ثابت قدم رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔اس پر تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ سے دعائے استقامۃ کرتے رہو۔اھ۔اسی خط میں خواہشِ نفسانی سے نجات پانے کا علاج بھی پوچھا تھا۔تحریر فرمایا کہ کل کو حرام غذا سے توبہ کرکے دعا کرانا کہ بھوک ہی سے نجات ہوجائے۔اھ۔

۳۶-شدت گرمی میں خشوع نہ رہنا

ایک طالب نے شکایت لکھی کہ بوجہ گرمی کی شدت کے نماز وغیرہ میں پہلا سا خشوع و

خضوع نہیں ہوتا جواب تحریر فرمایا کہ معذوری ہے۔

۳۷-خوف واُمید کا اجتماع بڑی دولت ہے

ایک صاحب اجازت نے اپنے مفصل حالات لکھے جن میں یہ حال بھی تھا کہ اب اللہ میاں کا خیال بالکل بے کیف دل میں آتا ہے اوراس سے اس قدر انشراح قلب میں ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ میری اعمالی کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے یہ انعامات الٰہی اور حضور کے فیوض نامتناہی میرے شامل حال ہوسکتے ہیں یا میرے نفس نے یہ خیالات تراشے ہیں۔اس کا جواب تحریر فرمایا کہ قلب میں دونوں احتمالوں کا جمع ہونا یہی بڑی دولت ہے جس کا حاصل الایمان بین الخوف والرجا ہے مبارک ہو۔اھ۔

۳۸-والدہ کی بات پر غصہ آنے کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ میری والدہ ہر بات پر طعن وتشنیع کرتی ہے جس پر میں غصہ کرنے لگتا ہوں اور جھگڑنے لگتا ہوں علاج مرحمت فرمادیں۔تحریر فرمایا کہ علاج یہ ہے کہ جواب مت دیا کرو باہر چلے جایا کرو۔اھ۔

۳۹-اذکار کا صحیح طریقہ

ایک مبتدی طالب نے لکھا کہ حضور سے دور ہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیونکر کروں۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے۔اھ۔انہی صاحب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرمادیں کہ مجھے دوایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرادیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں۔ یہ قیود غیر مقصود ہیں۔مقصود صرف ذکر کرنا ہے۔اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں تو اصل مقصود منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہوجاتا ہے آگے رہی موزونیت اس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔اھ۔

انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ صحیح طریقہ اذکار کا معلوم ہوجائے تاکہ ان کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں تحریر فرمایا کہ ثمرات کی روح اجر وقرب ہے۔اھ۔

انہوں نے لطائف ستہ کی کوشش کرنے کا بھی حال لکھا تھا۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔ اھ۔

۴۰- واہیات خیالات کا دفعیہ

ایک طالب نے لکھا کہ ضعف قلب کی وجہ سے تہجد اور ذکر میں عجیب عجیب واہیات خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کہ کہیں شیطان کسی شکل میں میرے سامنے نہ آجائے کوئی جن آکر میرے ساتھ نماز نہ پڑھنے لگے۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ ایسی حالت میں اپنے شیخ کا تصور ان پریشان خیالات کا دافع ہو جاتا ہے مگر شیخ کو حاضر ناظر نہ سمجھے۔ اھ۔

۴۱- حجاب اور کبر کا فرق

ایک طالب نے کبر کے متعلق لکھا کہ فدوی ایک مرتبہ قرابت مندی میں گیا ہوا تھا اور وہاں مجھ کو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی۔ وہاں گوشت کی دکان پر جانے کی ضرورت ہوتی تھی مگر نہیں گیا اور گونہ حجاب محسوس کیا تھا۔ جواب تحریر فرمایا کہ حجاب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے۔ حجاب کی حقیقت خجلت ہے جس کا سبب مخالف عادت ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جائے اس سے بھی شرماوے۔ مثلاً کوئی ہاتھی پر بٹھلا کر دس بیس سوار جلو میں کر کے جلوس نکالے۔ اھ۔ اس پر ان صاحب نے لکھا کہ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور شرم آئے گی لیکن مجھ کو اپنے نفس پر ذرہ برابر اعتماد نہیں ہے اس لیے احتمال ہے کہ شرم نہ معلوم ہو اگر چہ احقر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتا۔ اھ۔ اس پر جواب تحریر فرمایا کہ جب تک اس کے خلاف دلیل نہ ہو یہ ظاہر اور غالب ہی معتبر ہے اور اگر علاج میں مبالغہ کو دل چاہے تو ایسے کام کرو جو شرع کے خلاف نہ ہوں مگر وضع کے خلاف ہوں اور عرفاً موجب ذلت ہوں۔ اھ۔

۴۲- اختیاری وغیر اختیاری گناہ کی تشخیص

ایک طالب علم نے جو زیر تربیت ہیں کچھ حوادث سے پریشانیاں اور کچھ بدنظری کی

شکایت لکھ کر دعا اور اصلاح کی آسان صورت کی درخواست کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ ہر شے حسین کے دیکھنے کو طبیعت میں اس قدر تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ باوجود نیچی نظر کر لینے کے پھر نظر اُٹھ جاتی ہے حالانکہ حضرت والا کے فرمان کے بموجب عذاب دوزخ وغیرہ کو سوچتا ہوں لیکن طبیعت کچھ ایسی مجبور ہوتی ہے جس کا رُکنا دشوار اور شاق نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر سے کوئی پکڑ کر دل کو ابھار رہا ہے اس فعل بد سے نہایت ہی مجبور ہو گیا ہوں۔اھ۔اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔

حرفاً حرفاً پڑھا۔غیر اختیاری مصائب پر تو اجر ملتا ہے ان کے ازالہ کی دعا بھی کرتا ہوں لیکن مصائب اختیاریہ یعنی معاصی پر نہ اجر ملتا ہے اور نہ اس کے ازالہ کی دعا ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا ازالہ تو خود عبد کا فعل ہے اس دعا کی تو یہ مثال ہے کہ اے اللہ فلانا شخص فلاں کھانا کھانے لگے فلاں کھانا نہ کھائے اس دعا کے کیا معنی۔البتہ توفیق کی دعا ہو سکتی ہے وہ بھی جبکہ فاعل اسباب کو جمع کرے اور اعظم اسباب قصد و ہمت ہے اور اس کے متعلق جو عذر خط کشیدہ عبارت میں لکھا ہے بالکل غلط ہے سوچو کہ اگر ایسے موقع پر کہ نفس میں تقاضائے شدید ہو تمہارا کوئی بزرگ موجود ہو جو تمہاری اس نظر اٹھانے کو دیکھ رہا ہو تو کیا اس وقت تم ایسی بے حیائی کر سکتے ہو اگر کر سکتے ہو تو تم لاعلاج ہو اور اگر نہیں کر سکتے تو معلوم ہوا کہ نظر از خود نہیں اٹھتی نہ مجبوری ہوتی ہے نہ رُکنا شاق ہوتا ہے نہ کوئی اُبھارتا ہے سب کچھ تمہی کرتے ہو تو اس کے خلاف پر بھی تم قادر ہو سو تمہارا یہ عذر ویسا ہی بیہودہ عذر ہے جیسے ایک شاعر نے بکواس کی ہے۔

اس دلِ بیتاب کی صاحب خطا تھی میں نہ تھا   بیخودی میں لے لیا بوسہ خطا کیجئے معاف

۴۳-معمولات کی عدم پابندی پر افسوس

ایک طالب کو جو مدرس تھے اور جنہوں نے بوجہ کثرت کار تعلیم عدم مواظبت معمولات پر سخت افسوس کا اظہار کیا تھا یہ جواب تحریر فرمایا کہ افسوس بھی ایک درجہ میں مواظبت کا بدل ہے جب عدم مواظبت کسی عذر سے ہو۔اھ۔

۴۴-بلاضرورت چیزوں کی تمنا کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ احقر جب بھی کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہے تو یہ خیال

پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ میرے پاس ہوتو بہت اچھا ہو پھر کوشش کرتا ہوں کہ وہ چیز مجھے کسی طرح سے حاصل ہو جائے۔ اس شخص سے زائل کرنے کو نہیں چاہتا بلکہ صرف اپنے پاس رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں حرص دنیا ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہوتو علاج ارشاد فرمایا جائے۔ اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ مرض تو نہیں مگر مفضی الے المرض ہونے کا احتمال ہے علاج اس کا یہ ہے کہ بمجرد اس تمنا کے یہ عزم کیا جائے کہ اگر یہ چیز مجھ کو مل بھی گئی فوراً کسی کو ہبہ کردوں گا خصوص اس شخص کو جس کے پاس ایسی چیز پہلے سے موجود ہے یا اگر اس سے ایسی بے تکلفی نہ ہوئی تو کسی دوسرے کو دے دوں گا اور اگر وہ چیز اتفاق سے اپنی ضرورت کی ہوئی تو اس کے دام مساکین کو دے دوں گا۔ جب تک ایسی تمنا زائل نہ ہوگی اس وقت تک ایسا ہی کیا کروں گا۔ دعا بھی کرتا ہوں۔ بعد کو انہی صاحب کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ اس علاج سے بے حد نفع ہوا اب یہ خیال ہی بالکل جاتا رہا اور اگر کبھی تھوڑا بہت ہوا بھی تو اس تصور سے کہ اس کی قیمت کسی مسکین کو دے دوں گا بالکل خواہش ہی جاتی رہی۔ اھ۔ اس پر حضرت والا نے مبارکباد تحریر فرمائی۔

۴۵- اعمال کی اہمیت

ایک طالب نے لکھا کہ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت بیکار ہے میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا رہے احکام اس کی پابندی کرلی جائے تو اس کے لیے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے۔ الخ۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لیے نہیں بلکہ مالک کا حق ہے مملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع وعنایت ہے۔ اھ۔

۴۶- برتری کی خواہش کا علاج

ایک طالب نے اپنا حال لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں کے متعلق یہ ہوس ہوا کرتی ہے کہ جو چیز اور جو بات ہو وہ اعلیٰ درجہ کی ہو اور میں ہر فن میں سب سے بڑھ کر ہوتا۔ اھ۔ اس کا یہ علاج تحریر فرمایا جس دنیوی چیز کی تمنا ہو اس کے فنا کا استحضار تاکہ اس کا ہیچ اور بے نتیجہ ہونا مستحضر ہو اور اگر وہ دین میں مضر ہے تو اس کے نتیجہ بد کا بھی استحضار۔

اس مراقبہ کے بار بار استعمال کرنے سے یہ ہوس مضمحل ہو جائے گی اور اگر وہ امر دینی ہے تو اس کی تمنا محمود ہے۔اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔البتہ شرط یہ ہے کہ جس کو وہ نعمت عطا ہوئی ہے اس سے زائل ہونے کی تمنا نہ ہو ورنہ وہ حسد اور حرام ہے اگر خدانا کردہ ایسا ہوتا ہو تو اس کے متعلق مستقل سوال کیا جائے باقی اعتدال کی دعا بھی کرتا ہوں۔اھ۔

۴۷-دینی افادہ کی شرط

ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ میرے مزاج میں شرم وحیا زیادہ ہے۔لوگوں کے ادب ولحاظ سے دل میں بہت الجھن پیدا ہوتی ہے۔ایک گاؤں میں دو چار آدمیوں کو حضرت والا کی برکت سے دین کا بہت فائدہ ہوا ہے وہ بار بار بلانے کا تقاضا کرتے ہیں نہایت شرمندگی ہوتی ہے اس لیے عذر کر دیتا ہوں مگر وہ مانتے نہیں اس کے متعلق جو ارشاد عالی ہو اس پر عمل کروں۔اھ۔جواب تحریر فرمایا کہ جب تک شرم رہے ہو آیا کرو جب شرم اتر جائے مت جاؤ پھر شرم ہونے لگے چلے جاؤ وعلیٰ ہذا یہی دستور العمل رکھو۔اھ

۴۸-ہر خیال ریاء نہیں ہے

ایک طالب نے لکھا کہ جب میں کسی سے حضرت کے مواعظ میں دیکھی ہوئی کوئی بات کہتا ہوں تو ریا محسوس ہوتی ہے کہ تو جو کچھ کہتا ہے وہ تیرے افعال کے خلاف ہے اور یہ وعظ گوئی خلاف منصب ہے اس کا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ریاء ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بناء قصد رضائے خلق بذریعہ دین ہو اور یہ اختیاری امر ہے۔جب اس کا قصد نہ ہو وہ ریا ہی نہیں اگر چہ وہم ریا ہو۔وہم ریاء وسوسۂ ریاء ہے جس پر مواخذہ نہیں ایسے وہم سے عمل صالح کو ترک نہ کیا جائے اسی طرح ریاء کے متعلق ایک اور طالب نے لکھا کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا ہوں اور اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر وبیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اور اچھی طرح کریں مجھے اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریاء ہے لیکن یہ سمجھ کر انسان کیا چیز ہے جو اس کو دکھلا کر کام کریں فوراً اپنی نیت کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں۔کیا اس طرح نیت ٹھیک کر لینے سے وہ ریاء ریاء نہ رہے گی۔اھ

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ میرا مذاق اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اس میں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح اس شخص کے نزدیک مقصود بالذات نہیں۔ مقصود بالذات تحسین عمل للخلق ہے اور تصحیح نیت اس تحسین کا آلہ تا کہ غائلہ ریاء سے بھی بچا رہوں اور مقصود نفس بھی حاصل ہو جائے تو جس اخلاص سے تحصیل ریاء مقصود ہو وہ مقدمہ ریاء ہونے کے سبب ریاء ہی ہے۔ اس صورت میں ریاء سے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ اس خطرہ کے بعد عمل میں تغیر نہ کرے اور اسی کے ساتھ نیت خالص رکھے۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ دوسرے اطباء باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی میں اپنی رائے پر قائم ہوں۔ ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں اھ۔

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ دوران مرض مکان پر نماز پڑھنی پڑی تو جیسی مسجد کی نماز میں طبیعت لگتی تھی مکان کی نماز میں نہیں لگتی تھی نیز مسجد میں رکعات بھی لمبی لمبی ہوتی تھیں۔ بہ نسبت مکان کے اب خلجان یہ ہے کہ کہیں یہ مسجد کی نماز میں زیادہ جی لگتا ہے بسبب ریاء کے نہ ہو۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ مسجد میں اس کے اسباب ایسے جمع ہیں کہ گھر میں نہیں۔

۴۹-خشیت میں تبسم

ایک اشکال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ خشیت میں بھی طبعی تبسم پیدا ہو سکتا ہے جیسا غلبۂ خشیت میں طبعی جوع و عطش و نوم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اھ۔

۵۰-واردات پر عمل

ایک طالب کے حالات کے متعلق یہ جواب تحریر فرمایا کہ وارد اگر شریعت کے موافق ہو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جائے نہ کہ اتباع وارد کی نیت سے ناقصین کے لیے یہ سخت خطرہ کی چیز ہے۔ اھ۔

۵۱-بدگمانی کا علاج

ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب ایسی بدگمانی قلب

میں آئے اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لیے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین بار ایسا کرے اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے تیسرے دن ایسا ہی کرے اگر پھر بھی اثر رہے اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہوگئی تم معاف کر دو اور میرے لیے دعا کر دو کہ یہ دور ہو جائے۔ اھ

۵۲-احوالِ باطنی میں کمی بیشی

ایک طالب نے اپنے احوال باطنی میں کمی کی شکایت لکھی تو تحریر فرمایا کہ ایسی کمی بیشی لازم عادی ہے یکساں حال رہ ہی نہیں سکتا دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر یہ تغیر مضر نہیں بلکہ اس میں مصالح ہیں جن کا مشاہدہ اہل طریق کو خود ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضور میں زیادہ لذت ہونا اور مثلاً غیبت میں انکسار و ندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا و مثل ذالک اھ۔

۵۳-نماز میں یکسوئی کی تدبیر

ایک طالب کے استفسار پر نماز میں یکسوئی کی یہ تدبیر تحریر فرمائی کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جائے جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد رکوع کرنا ہے۔ رکوع میں اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد قومہ کرنا ہے وعلی ہذا بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالذات سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے۔ اسی طرح پھر دوسرے رکن میں الیٰ آخر الصلوٰۃ اگر ایسا کیا جائے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی کیونکہ ذکر میں گو یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آ کر اس یکسوئی کو فوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے کسی شغل میں لگ سکتے ہیں اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص ہم کو اپنی طرف

متوجہ نہیں کرسکتا نہ خود کوئی کام کرسکتے ہیں۔وهذا الذی کتبت ورد علیٰ قلبی فی فرض الظهر وجربته فیه وفی سنته البعدیة ولله الحمد۔اھ۔

۵۴-فضول گوئی کا علاج

ایک طالب نے فضول گوئی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ فضول گوئی اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔اس پر انہوں نے لکھا کہ میری خوب سمجھ میں آ گیا کہ یہ اختیاری ہے اور یہی کیا سب اوامر ونواہی اختیاری ہیں۔لیکن اگر کوئی چیز معین سہولت بتا دی جائے تو بہت احسان ہو۔اھ۔اس پر تحریر فرمایا کہ کس کس چیز کے سہل ہونے کی تدبیر پوچھو گے اور اس حدیث کے کیا معنی کہو گے۔حفت الجنة بالمکارہ۔اھ ❶

۵۵-مقصود اور اس کے حصول کا طریق

ایک طالب کو جنہوں نے اپنے خط میں اپنی سخت ناکارگی کا اظہار کیا تھا یہ تحریر فرمایا کہ مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اس کا طریق مجاہدہ۔مگر جب تک اس میں کمی رہے تو اس مشاہدہ مقصود کا مقدمہ عدم مجاہدہ کا مشاہدہ ہے۔جس سے ان شاء اللہ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے پھر اس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے جو ان شاء اللہ تدریجاً بخیر وخوبی ختم اور مکمل بھی ہو جائے گا لگا رہنا چاہیے۔اگر کام میں کوتاہی ہو جائے۔اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہیے ان شاء اللہ تعالیٰ حرمان نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں۔اھ۔

۵۶-اپنے کو دوسروں سے ادنیٰ سمجھنے کا مطلب

ایک طالب نے لکھا کہ حضور جب کسی شخص میں فی الواقع خداداد فضیلتیں موجود ہیں تو اب ان موجودہ فضیلتوں کو کس طرح اپنے میں معدوم سمجھ کر اپنے آپ کو دوسروں سے ادنیٰ اور فرو سمجھے۔اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اکمل سمجھنا جائز ہے مگر افضل بمعنی مقبول حق اور اس کو مردود ومطرود سمجھنا جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ فی الحال اس کا کوئی عمل صالح ایسا ہو کہ اس کے تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس میں کوئی رذیلہ ایسا ہو کہ اس کے سب رذائل سے

زیادہ ناپسندیدہ ہو یا فی الحال نہ ہو تو فی المآل اسکا احتمال ہے۔ پس ان دونوں احتمالوں کا مستحضر رکھنا علاج کے لیے کافی ہے انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں۔ اھ۔

۵۷-نماز قضاء ہونے پر رنج

ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی میری صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا اور اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے تو کچھ رنج نہیں ہوتا۔ حضور والا مجھ کو دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اصلاح فرمائیں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے۔ چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی ہے۔ اھ

۵۸-نماز میں دھیان کا طریقہ

ایک طالب نے نماز میں خشوع کی دشواریاں لکھی تھیں جواب تحریر فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ بس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ کر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پھر اگر اس کے ساتھ بھی وساوس آئیں ذرا مضر نہیں۔ اھ

اسی طرح ایک ذی علم صاحب اجازت نے استفسار کیا کہ کسی طاعت میں دوسری طاعت مثلاً کسی شرعی مسئلہ کا قصداً سوچنا یا کسی سفر طاعت کا نظام ذہن میں قصداً طے کرنا مخل خشوع ہے یا نہیں۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ یہ مسئلہ دقیق ہے قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اس وقت دو حدیثیں میری نظر میں ہیں ایک مرفوع جس میں یہ جزو ہے۔ صلی رکعتین مقبلا علیهما بقلبه ❶ دوسری موقوف حضرت عمرؓ کا قول جس میں یہ جزو ہے انی لاجهر جیشی وانا فی الصلوٰة ❷ مجموعہ روایتین سے اخلاص کے دو درجہ مفہوم ہوئے ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اس کے غیر کا قصداً استحضار بھی نہ ہو اگر چہ وہ بھی طاعت ہی ہو دوسرا درجہ یہ ہے کہ دوسری طاعت کا استحضار ہو جائے اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کریں گے پس حقیقت اخلاص تو

دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں۔ عوارض کے سبب ان میں تفاوت ہو گیا اور درجہ اول اکمل اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے جیسے حضرت عمرؓ کو ضرورت تھی اور اس کا معیار اجتہاد ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے بالکل خلاف نہیں البتہ خشوع کے خلاف ہونا نہ ہونا نظری ہے۔ میرے ذوق میں بصورت عذر یہ خلاف خشوع بھی نہیں اگر ضرورت ہو آپ اس پر سوال کو منطبق کر لیجیے۔

اسی طرح ایک طالب نے یہ شکایت لکھی کہ تراویح میں قرآن شریف سناتے وقت خشوع و خضوع نہیں ہوتا ہر رکعت میں یہ عزم کر لیتا ہوں کہ اب جناب حق تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز کے ساتھ خیال رکھوں گا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اسی خیال میں قرأت ختم ہو جاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں بہت افسوس ہوتا ہے دعا فرمادیں کہ میری یہ تمنا پوری ہو۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً لازم ہے اس لیے حصول خشوع اس حالت میں عادۃً متعذر ہے تو اس کا اہتمام ہی تکلیف مالایطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضر اور قابل افسوس اس لیے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگر صورتاً نہیں مگر معنی حاصل ہے کیونکہ یہ خیال تکمیل ہے طاعت کی اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الی المقصود ہے۔ چنانچہ بعض احادیث فصل خشوع میں **لم یحدث فیھا نفسه بشیٔ من الدنیا** 1 اور بعض میں **الابخیر** وارد ہے اس کی توضیح رسالہ تشرف اول کتاب الصلوٰۃ میں قابل مطالعہ ہے۔ ہاں طبعاً ناگواری یہ نظیر ہے استغفار عن الغین کی۔

تذکیر نعمت۔ یہ تحقیق منجملہ منن عظیمہ الٰہیہ ہے جس میں کسب کا دخل نہیں اس کی بے قدری نہ کی جائے میں بھی اسی میں مبتلا تھا حق تعالیٰ نے حقیقت منکشف فرمائی آگے اپنی ہمت ہے۔ اھ...... اسی طرح ایک طالب علم نے کوئی ایسا علاج پوچھا جس سے ہمیشہ توجہ الی اللہ رہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ توجہ جو درجہ عمل میں ہے وہ اختیار میں ہے اس کا علاج قصد اور استحضار ہے اور جو توجہ درجہ حال میں ہے وہ توجہ کے درجہ مذکورہ سے از خود حاصل ہو جاتی ہے۔ اھ

۵۹- شمس الفضائل لطمس الرذائل

ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات و جزئیات لکھ کر یہ درخواست کی کہ اگر مجھ میں تکبر ہے تو اس کا علاج تجویز فرمائیں۔ حضرت والا نے مفصل جواب تحریر فرمایا اور اس کا ایک نام بھی بمناسبت نام سائل رکھ دیا یعنی **شمس الفضائل لطمس الرذائل** وہ جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ ''یہاں کئی چیزیں ہیں متشابہ جن میں کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے۔ کبر و عجب و حب جاہ و ریا و خجلت پھر ہر ایک میں دو دو درجے ہیں۔ حقیقت و صورت تو یہ دس چیزیں ہیں اور ہر ایک میں کلام طویل ہو سکتا ہے مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجہ میں سمجھنے میں ضروری بصیرت ہو سکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اس پر منطبق کر سکتا ہے لکھتا ہوں۔ باقی جس کو مناسبت ضروری بھی نہ ہو اس کے لیے نہ کلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے لیے تحریر کافی ہے بلکہ اس کو ضرورت ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آئے اسے کسی محقق کے سامنے پیش کرے اگر تنقیح کی ضرورت ہو اس کا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے اس کو علماً و عملاً قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جزو ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اس کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے کہ اس میں سب اجزاء ہیں بجز ایک جزو یعنی اختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آ گیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اس کے بعد اگر اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہو گی۔ اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے یہ اس لیے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچہ کو سمجھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو میر پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو وہ کبر نہیں

البتہ اگر یہ تفاوت واقع کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہوگا مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرفاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی کبر کی طرف ہو جاتا ہے اس لیے سد ذرائع کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہیے جو حقیقت کبر کا علاج ہے اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید و تکریر کر لی جائے جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو وہ مراقبہ یہ ہے کہ (الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے اور (ب) عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت و رحمت ہے پھر (ج) عطا کے بعد بھی اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں اور (د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اسی طرح حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں اور (ہ) اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالیٰ کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے اکمل ہو۔ اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آئے تو اس احتمال کو ذہن میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں۔ یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اسکو حقیر سمجھوں۔ اور (و) یہ خیال کرے کہ اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیسا مریض کا صحیح پر ضعیف کا قوی پر فقیر کا غنی پر تو مجھ کو چاہیے اس پر شفقت و ترحم کروں اس کی تکمیل میں کوشش کروں اور اگر کسی طرح قدرت نہ ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سے سہی اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کر دے تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جائے گا۔ اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی اور (ر) یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کرے اس کا

مزاج پوچھ لیا کرے اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر معدوم ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جائے گا مگر بعض کا پھر بھی بغض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے ان بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں صرف ایک قید کم ہے باقی سب اجزاء وہی ہیں یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اس میں بھی حقیقت اور صورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکورہ میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں اور ایک چیز اشیاء خمسہ مذکورہ میں حُبِ جاہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں چونکہ اس کا منشاء بھی تکبر یا عجب ہی ہے اس لیے اس کے اقسام و احکام و درجات و معالجات وہی ہیں جو کبر میں گزرے اور اشیاء خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریاء ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی یا دینی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ اشیاء اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی کبر اور عُجب ہی سے پیدا ہوتا ہے اس میں بھی سب وہی درجات واقسام واحکام ومعالجات ہیں اور سب احکام کلی ہیں۔

کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مُربی کی رائے پر متعین کئے جاتے ہیں۔ سب سے اخیر کی ایک قسم خجلت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہ ہو جاتا ہے کبر وغیرہ کا مگر واقع میں وہ کبر نہیں ہوتا اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس کام کرنے سے شرماتا ہے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں اور ایک صورت ہے کہ واقع میں تو کبر

وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو تجلت میں داخل کر کے تسلی حاصل کرلی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے بھی اشنع ہے کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنایا ہے جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس وتدلیس ہے تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الدلیل گزر چکا۔ چونکہ واقعات ثمانیہ میں سب اقسام کے اجزاء مذکور ہیں اس لیے سب اقسام کی تحقیق کی گئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارہ میں تحقیق مطلوب تھی ۱۲)

اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں کیونکہ معالجات مذکورہ وقتی تھے جن سے اثر کا رسوخ نہیں ہوتا الا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بتکلف اوضاع واطوار وعادات قلیل اسجاہ لوگوں کے اختیار کرے حتیٰ کہ تواضع راسخ ہو جائے گی مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دناءت وخست کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع کی شہرت ہو جائے۔ اس کے بعد انہیں صاحب نے قلیل اسجاہ لوگوں کے اوضاع واطوار وعادات کی تفصیل پوچھی تو تحریر فرمایا کہ ان کی جزئیات کا استیعاب کیسے ہوسکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کیے جن سے ایک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جس سے شہرت تواضع کا احتمال ہو۔ اھ

۶۰- کلفت کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ خاکسار کو ایک مرض ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے کسی قسم کی تکلیف ونقصان پہنچا دے تو چین نہیں آتا ہے جب تک اس سے انتقام نہ لوں۔ اھ۔
اس کا جواب تحریر فرمایا کہ چین نہ آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا باقی کلفت کا علاج یہ معلم دین کا منصب نہیں لیکن تبرعاً وہ بھی لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہو جائے گی پھر اس درجہ کلفت نہ ہوگی۔ اھ

۶۱- احباب واقارب سے محبت کا مقصود

ایک طالب نے لکھا تھا کہ احباب واقارب سے تعلقات ومحبت جیسی پہلے تھی

اب نہیں اس پر افسوس ظاہر کیا اور یہ بھی لکھا تھا کہ یہ حالت سنت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ سب حالت ٹھیک ہے یہ سنت مقصود بالذات نہیں۔ مقصود بالذات ادائے حقوق ہے وہ حاصل ہے۔ بعض طبائع ایسی ہیں کہ اس سنت کا اہتمام کریں تو ان سے فرض ہی فوت ہو جائے یعنی تعلق بحق اس لیے ان کے حق میں یہی انفع واصلح ہے جو پیش آ رہا ہے۔ اھ

۶۲- اپنی ذلّت برداشت نہ کرنا

ایک طالب نے لکھا کہ میں اپنے کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا مگر باوجود اس کے نفس اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو بس دل یوں چاہتا ہے کہ کوئی عزت بے شک نہ کرے بڑا قطعاً نہ سمجھے مگر کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ذلت ہو۔ میلے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل سمجھیں گے۔ اھ..... اس کا جواب تحریر فرمایا کہ شریعت میں یہی حکم ہے **لا ینبغی للمومن ان یذل نفسه** جب تک حالت غالب نہ ہو یہی طریق ہے مگر جب حال غالب ہو جاتا ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے اگر نہ ہو تمنا نہ کرے اگر ہو جائے ازالہ نہ کرے۔ اھ

۶۳- کھانے کی حرص

ایک طالب نے لکھا کہ کثرت اکل اور حرص طعام کا مرض بہت عرصہ سے ہے جس کو تبلیغ دین میں سب گناہوں کی جڑ بتلایا ہے جواب تحریر فرمایا کہ جن کے قویٰ اچھے تھے ان کے حق میں یہ مرض ہو جاتا تھا اب خود قویٰ ضعیف ہیں اس لیے قلت اکل کی غرض خود حاصل ہے اب یہ مرض نہیں اھ۔ اسی طرح ایک طالب کو یہ تحریر فرمایا کہ تقلیل طعام فی نفسہ مقصود نہیں مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اور اس کسر سے بھی مقصود کف النفس عن المعاصی ہے پس اگر یہ کف عن المعاصی بدوں تقلیل طعام میسر ہو جائے تو تقلیل طعام ضروری نہیں بلکہ اس زمانہ میں اکثر اس سے ضعف ہو جاتا ہے جس سے دوسری مضرتیں جسمانی و نفسانی پیدا ہو جاتی ہیں اس لیے بلا ضرورت مناسب نہیں۔ اھ

۶۴-قبض وبسط کی حالتیں

ایک طالب نے ایک طویل خط میں اپنی متضاد حالتیں لکھی تھیں یعنی اولاً سخت پریشانی ناقابل تحمل جس میں خواب وخور سب اُڑ گیا اس کے بعد مبشرات رویا سے فرح و سُرور۔اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ وہ پہلی حالت قبض کی تھی۔

دوسری حالت بسط کی اور قبض جتنا شدید ہوتا ہے اتنا ہی بسط قوی ہوتا ہے اس لیے ائمہ طریق نے فرمایا کہ قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے وہ سب مقدمات ہوتے ہیں بسط کے مبارک ہو۔ یہ حالات کس کو نصیب ہوتے ہیں مگر ایسی حالت میں غذائے لطیف اور مفرحات ومقویات کا استعمال رکھنا ضروری ہے گو دل نہ چاہے۔اھ

۶۵-خطرہ پر پریشان ہونا

ایک طالب نے لکھا کہ میں معمولی سے خطرہ پر پریشان ہو جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج ارشاد فرمادیں۔اس کا جواب تحریر فرمایا کہ نہ یہ معصیت ہے نہ توکل کے خلاف ہے کیونکہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔اھ

۶۶-شک پیدا ہو جانے کی بیماری

ایک طالب نے لکھا کہ میری طبیعت کچھ شکی واقع ہوئی ہے مخالفین کے اعتراض سن کر یا کسی کتاب میں دیکھ کر طبیعت متردد ہو جاتی ہے اس سے بفضلہ تعالیٰ عمل میں تو کوئی فرق نہیں آتا البتہ عبادت میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ اور اندوہگیں سا رہتا ہے۔ساتھ ہی اس تردد کو مکروہ اور برا جانتا ہوں۔اھ

جواب تحریر فرمایا کہ ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد

ایسی بات کان میں پڑ جائے اور یہی حالت پیدا ہو جائے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس اہتمام سے پریشانی بڑھے گی۔ اور ہمیشہ کے لیے ایک مستقل شفا ہو جائے گی بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پروا مت کرو البتہ دعا اور تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائے گی اور جب یہی عادت ہو جائے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا یہ ہے حکمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے والحمد للہ۔ اھ۔

٦٧-بخل کے دو درجے

ایک طالب کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بخل کے دو درجے ہیں۔ ایک خلاف مقتضائے شریعت اور یہ معصیت ہے۔ دوسرا خلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں۔ فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس مقتضا کی مخالفت کی جائے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بھی بات نہیں اھ۔

٦٨-غفلت کا سبب اور علاج

ایک طالب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رکھا تھا اس پر بھی مداومت نہیں ہوتی جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی نوبت آتی ہے جب ایسا ہوتا ہے تو آئندہ کے لیے احتیاط کا عزم کر لیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی مشغلہ میں ہوتا ہوں اس کو فوراً چھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرنے میں غفلت آ جاتی ہے۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ اس کا سبب ضعف جسمانی ہے۔ جس کا اثر عزم پر طبعاً ہوتا ہے جس میں ایک گونہ غیر اختیاریت کا بھی درجہ ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس کا احساس اور اس کا تعلق ہے۔ اس میں لگا رہنا چاہیے۔ ان شاء اللہ اسی کی برکت سے درجہ مطلوبہ بھی میسر ہو جانے کا حقیقتہً یعنی وقوعاً یا حکماً یعنی اجراً و اثراً یہ حالت ضعفاء کو بکثرت پیش آتی ہے لیکن۔

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

چلنے سے نہ رکیں۔

۶۹-فضول گوئی کا علاج

ایک طالب نے فضول گوئی کا مرض لکھا اور اس کا سبب یہ لکھا کہ جب مجھ کو خوشی ہوتی ہے یا کوئی فکر نہیں ہوتا تو ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اس میں بہت باتیں کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ فحش اور غیبت تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جب تک یہ نوبت نہیں آتی وہ جوش کم نہیں ہوتا اس کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالہ سبب مرض جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی کا۔ اس کا علاج اس جوش کا فرو کرنا اور اس خوشی کو اس کی ضد یعنی فکر وغم سے مغلوب کرنا ہے اور سب سے زیادہ فکر وغم کی چیز موت واہوال بعد الموت ہیں یعنی واقعات برزخ ومحشر وصراط وعقوبات معاصی پس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کر لیا جائے اگر ویسے استحضار ضعیف ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لیکر مطالعہ شروع کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ فوراً خلوت میں جا کر مراقبہ یا مطالعہ کیا جائے اس کا علاج تو فوراً ہو جائے گا پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبہ سے تکلیف ہونے لگے تو رحمت ورجاء کی حدیثوں کو مستحضر کر لیا جائے بس اعتدال ہو جائے گا اور اصل خوشی رہ جائے گی جو مامور بہ ہے۔ **قل بفضل الله و برحمته فبذلک فلیفرحوا**۔ اور یہ فضول حصہ خوشی کا زائل ہو جائے گا جو منہی عنہ ہے۔ **لا تفرح ان الله لا یحب الفرحین**۔ اھ۔

۷۰-نماز میں وسوسے آنا

ایک طالب نے لکھا کہ نماز میں باوجود بار بار توجہ کرنے کے وساوس کا ہجوم رہتا ہے جواب تحریر فرمایا کہ عبد اپنے حد اختیار ہی تک کا مکلف ہے اور اختیار اسی قدر ہے کہ حدیث النفس کو قصد وارادہ سے نہ لاوے اور جب بلا قصد وارادہ آ جائے اس کو دفع کر دے اور دفع کی سہل صورت یہ ہے کہ دوسری ایسی چیز کی طرف متوجہ ہو جائے جس کا عبادت سے تعلق ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے خواہ تصور کے درجہ میں خواہ کسی تصدیق کے درجہ میں مثلاً اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ حساب و کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کر لیا جائے کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کے

روبرو حساب کے لیے کھڑا ہوں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ کا نمونہ پیش کرو وہ اگر حسب پسند ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائے گی۔ تیسرے یہ کہ فرض کرے کہ یہ گویا بالکل آخری نماز ہے شاید اس کے بعد عمر ختم ہو جائے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ گویا خانہ کعبہ میرے سامنے ہے اور اس پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آ رہی ہیں اور جتنی اچھی نماز پڑھوں گا وہ تجلیات زیادہ فائض ہوں گی۔

پانچویں یہ کہ جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں ان کی طرف توجہ رکھے۔ خواہ بلا تصور معانی کے خواہ مع تصور معانی کے اور اس توجہ کی سہل صورت یہ ہے کہ کوئی لفظ یاد سے نہ پڑھے بلکہ مستقل ارادہ سے پڑھے یا شیخ کامل اور کسی ایسی ہی چیز کا تصور تجویز کر دے اس کا استعمال کرے۔ ان تدبیرات سے وہ وساوس جو بلا اختیار آئے تھے دفع ہو جائیں گے اور اول اول جب تک اس طریق کی مشق نہ ہو کبھی کبھی یہ تصورات زائل اور وساوس پھر حاضر ہو جاتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ جب متنبہ ہو فوراً اس توجہ کی تجدید کر لی جائے۔ شدہ شدہ توجہ الی العبادت کو رسوخ ہو جائے گا اور اگر اس رسوخ میں دیر ہو گھبراوے نہیں اس عمل کو جاری رکھے کیونکہ یہ رسوخ کا مکلف نہیں عمل کا مکلف ہے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہ ہو گی۔

۷۱- غیبت کا علاج

ایک طالب کے استفسار کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جب کبھی کسی کی شکایت زبان سے نکلے مجمع میں اس شخص کی خوبیاں بیان کرنا چاہیے کیونکہ کوئی نہ کوئی خوبی تو ہو گی۔ اھ

۷۲- عدم استقلال کا علاج

ایک طالب نے عدم استقلال کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ العلاج بالضد اور اس ضد میں اول تکلف ہوتا ہے پھر اعتیاد پھر رسوخ بس نفس تکلف سے گھبراتا ہے یہی راز ہے عدم استقلال کا۔ ورنہ نفس اگر تکلف کی کلفت برداشت کرے تو عدم استقلال کی کوئی وجہ نہیں اور یہی علاج ہے۔

۷۳- مال کی طبعی محبت

ایک طالب نے حب مال کے کچھ آثار لکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مفسدہ تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ الحمدللہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے۔ یہ سب آثار حب مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حب اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فتح فارس ومشاہدہ غنائم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ آپ کا ارشاد ہے زین للناس حب الشھوات الا یہ (جعلؒ المزین ھو اللہ تعالیٰ وھواحد وجوہ الایة) جب آپ نے یہ حُب پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اس لیے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حُب کو اپنے حُب میں معین فرما کہ یہ اسباب طاعت میں سے ہو جائے اور موانع طاعت کے لیے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سدباب ہو جائے کہ جبلیات کا ان کے مصرف میں صرف ہونا یہی ان کی تعدیل اور یہی مامور بہ ہے (اس میں اپنے ضعف اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی ارشاد فرما دیا) اور یہی امر مصرح ہے دوسری آیت میں قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ الیٰ قولہ تعالیٰ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ(علق الوعید بالاحبیة لا بالحب) البتہ اس حب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہو جاتے ہیں بعض غوائل کی طرف سو اس کا وہ تدارک ہے جو آپ نے کرلیا فھنیاً لکم العلم والعمل واللہ اعلم۔

۷۴- شیخ ومعالج کی ضرورت کیوں ہے؟

ایک طالب نے یہ اشکال لکھا کہ جب مامورات ومنہیات شرعیہ اختیاری ہیں اور حضرت کی تصنیفات سے معلوم ہوا کہ سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے تو پھر اس قائدہ کلیہ کے علم کے بعد شیخ اور معالج کی کیا حاجت باقی رہتی ہے جواب تحریر فرمایا کہ مامورات ومنہیات سب اختیاری ہیں پس مامورات کا ارتکاب اور منہیات سے اجتناب بھی سب اختیاری ہیں لیکن اس میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ کبھی تو یہ کہ حاصل کو غیر حاصل سمجھ لیا جاتا ہے کبھی اس کا عکس مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ

اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل بھی ہو گیا مگر ساتھ ہی ساتھ وساوس وخطرات کا ہجوم بھی ہوتا رہا یہ شخص اس کو خشوع کا مضاد سمجھ کر خشوع کو غیر حاصل سمجھا یا ابتدائی عبادت میں وساوس غیر اختیاری تھے مگر اسی سلسلہ میں وہ وساوس اختیاریہ کی طرف منجر ہو گئے اور ابتداء کے دھوکہ میں رہ کر خشوع کو باقی سمجھا حالانکہ وہ زائل ہو چکا۔ اور کبھی غیر راسخ کو راسخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضاء کا احساس ہوا یہ سمجھ گیا کہ یہ ملکہ راسخ ہو گیا پھر کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا اور اس میں رضا نہیں ہوئی یا درجہ مقصود تک نہیں ہوئی مگر یہ اسی دھوکہ میں رہا کہ اس میں رسوخ ہو چکا ہے اب بھی رضا معدوم یا ضعیف نہیں ہے اور حاصل کو غیر حاصل سمجھنے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے پھر وہ سچ مچ زائل ہو جاتا ہے اور اس کے عکس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے اور غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں بھی وہی خرابی عدم اہتمام تکمیل کی ہوتی ہے کبھی یہ غلطی ہوتی ہے کہ حاصل راسخ کو زائل سمجھ لیتا ہے۔ مثلاً شہوت حرام کی مقاومت کی اور وہ زمانہ غلبہ آثار ذکر کا تھا اس لیے داعیۂ شہوت حرام کا ایسا مضمحل ہو گیا کہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا پھر ان آثار کا جوش وخروش کم ہونے سے طبعی التفات گو درجہ ضعیفہ میں سہی ہونے لگا۔ یہ شخص یہ سمجھ گیا کہ مجاہدہ بیکار گیا اور شہوت حرام کا رذیلہ پھر عود کر آیا پھر اصلاح سے مایوس ہو کر سچ مچ بطالت وخجالت میں مبتلا ہو گیا۔

یہ چند مثالیں ہیں غلطیوں کی اور ان کے مضار کی اگر کسی شخص سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اس کو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت وتجارب کے سبب حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ ان مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت و سلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے مگر ناتجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مخل ہوتا ہے۔ یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اس کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدمہ مقصود کی تحصیل میں اور اسی طرح کسی ذمیمہ یا مقدمہ ذمیمہ کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدیدہ پیش آتی ہے گو تکرار مباشرۃ اور تکرار مجانبت سے وہ مشقت اخیر میں مبدل بہ یسر ہو جاتی ہے لیکن شیخ

تبرعاً کبھی ایسی تدابیر بتلا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی یہ ایک اجمالی تحقیق تقریب فہم کے لیے ہے باقی ضرورت شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے اپنے احوال جزئیہ کی اس کو بالالتزام اطلاع کرتا رہے اور اس کے مشورہ کا اتباع کرتا رہے اور یہ اتباع کامل اس وقت ہوسکتا ہے جب اس پر اعتماد ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو۔ اس وقت حساً معلوم ہوگا کہ بدون شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عادۃً متعذر ہے. الا نادراً والنا در کالمعدوم پھر اس ضرورت میں تفاوت فہم و استعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ متقدمین کو کم ضرورت تھی۔ اھ

۷۵۔ عمل بلا رسوخ

ایک طالب نے لکھا کہ کوئی محمود کیفیت راسخ نہیں، تحریر فرمایا کہ رسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جائے۔ رسوخ سے مقصود عمل ہے۔ عمل سے رسوخ مقصود نہیں۔ اگر عمل بلا رسوخ ہوتا رہے۔ مقصود حاصل ہے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے حصول یقین کا طریقہ دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا چاہیے اس کی برکت سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں اھ۔

۷۶۔ نفسانی شہوت کا علاج

ایک طالب نے نفسانی شہوت کے معاصی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ علاج یہی ہے کہ بزرگوں کے تذکرہ کی کتابیں پابندی سے دیکھو اور کسی وقت خلوت میں معاصی پر جو وعیدیں اور عقاب وارد ہوا اس کو سوچا کرو اور وسوسۂ معصیت کے وقت بھی ایسے ہی استحضار کی تجدید کرلو ان شاء اللہ تعالیٰ نفس سے تقاضا جاتا رہے گا اور اگر خفیف میلان ہو تو اس کا مقابلہ ہمت سے کرو بدوں ہمت کے کوئی تدبیر کافی نہیں۔ اھ

۷۷۔ غصہ کا علاج

ایک طالب کو غصہ کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ مغضوب علیہ کو اپنے پاس سے جدا کر دیا جائے یا اس کے پاس سے خود جدا ہو جائیں اور فوراً کسی شغل میں لگ جائیں۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے غصہ کا ترک پوچھا تو تحریر فرمایا کہ اس کا التزام کرلیں کہ جب ایسا ہوجائے اس مغضوب علیہ کو کچھ ہدیہ دیا کریں گو قلیل ہی مقدار میں ہو۔ اھ

اسی طرح ایک طالب کو غصہ کا یہ تدارک تحریر فرمایا کہ ایسے بے جا اور بے حد غصہ پر دو وقت کا فاقہ کرو۔ اھ......اسی طرح ایک طالب کے خط میں احقر نے غصہ کا یہ تدارک حضرت والا کا تحریر فرمایا ہوا دیکھا کہ جس پر غصہ کیا جائے بعد غصہ فرو ہوجانے کے مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑے پاؤں پکڑے بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھے ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ اھ ف اعلیٰ درجہ کا علاج تو اخیر والا ہی ہے لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو بقیہ دو کا التزام بھی ان شاء اللہ کافی ہوگا۔ ۱۲

(۷۸)۔ مکتوب ملقب بہ روح الطریق

ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید خدام حضور والا میں ایک میں ہی ایسا ہوں گا جس کو وصول تو درکنار وصول کی حقیقت تک کا پتہ نہیں۔ الخ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ مقصود تو بحمد اللہ معلوم ہے یعنی رضا حق اب دو چیزیں رہ گئیں طریق کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ باطنہ کی پابندی اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں ایک ذکر جس قدر اس پر دوام ہوسکے جو آپ نے شروع کیا ہے وہ بھی اسی کلیہ میں داخل ہے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو اور اگر کثرت کے لیے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اسکا بدل ہے اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول میں مشغول۔ اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے۔ یعنی اطلاع حالات کا التزام۔ اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ حسب اختلاف استعداد مقصود میں دیر سویر ہوتی ہے میں سب کچھ لکھ چکا۔

مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے جواب تحریر فرمایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی نیز کچھ اعمال

منہی عنہا ہیں ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مشائخ طریق طالب کے حالات سن کران عوارض کو سمجھ کران کا علاج بتلا دیتے ہیں۔ ان پر عمل کرنا طالب کا کام ہے اور اعانت طریق کے لیے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے۔ اھ

مکتوب ملقب بہ وضوع الطریق

اسی طرح ایک اور طالب نے پوچھا کہ میں ایک اناڑی آدمی ہوں حضور مطلع فرمائیں کہ بزرگوں سے کیا چیز حاصل کی جاتی ہے اور اس کے مطابق مجھ عامی مشغول کو طریق تعلیم ارشاد فرمادیں۔ اھ۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ نفس میں کچھ امراض ہوتے ہیں ان کا علاج کتابوں میں لکھا ہے مگر جیسے جسمانی امراض کا علاج گو کتابوں میں لکھا ہے لیکن پھر بھی طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی درجہ میں نفسانی امراض کے معالجہ میں شیخ یعنی معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو تو پھر آگے امراض بتلاؤں گا پھر اس کے سمجھ جانے کے بعد علاج بتلاؤں گا۔ اھ

۷۹۔ مکتوب ملقب بہ تسہیل الطریق

جو پہلے بھی ایک موقع پر نقل کیا جا چکا ہے۔ ایک صاحب نے لکھا کہ اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں۔ سوائے اُدھیڑ و بن کے اور کچھ نہیں۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اس کا علاج ہی نہیں باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں۔ اختیاری میں ہمت سے کام لیں اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

۸۰۔ مکتوب ملقب بہ ایلیم فی السم

ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ طاعات اور معاصی دونوں

امور اختیاریہ ہیں جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں رہا سو طریقہ امور اختیاریہ کا استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں سہولت اختیار کے لیے ضرورت ہے مجاہدہ کی جس کی حقیقت ہے مخالفت (بمعنی مقاومت) نفس۔ اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے میں نے تمام فن لکھ دیا۔ آگے شیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ اُن امراض کا علاج ہے۔

مکتوب ملقب بہ الطم فی السم

اسی طرح ایک اور طالب نے اپنے حالات لکھ کر اصلاح چاہی تھی جواب ارقام فرمایا کہ غیر اختیاری کے درپے نہ ہونا۔ اختیاری میں ہمت کرنا اس میں جو کوتاہی ہو جائے اس پر استغفار اور اس کا تدارک اور توفیق کی دعا کرنا یہی اصلاح ہے۔

۸۱-غفلت بلا اختیار پر استغفار

ایک طالب نے یہ اشکال پیش کیا کہ جب کوئی وسوسہ بلا اختیار آیا تو اتنی دیر غفلت ہوئی اس سے ہر بار استغفار کرتا ہوں اب اشکال یہ ہے کہ جب غفلت بلا اختیار ہو تو وہ گناہ نہیں اس سے استغفار کیسا اور جو استغفار نہ کروں تو اس کو بھی طبیعت نہیں مانتی۔ الخ

جواب تحریر فرمایا کہ وسوسہ اور اس کا جو لازم ہے غفلت جب اختیاری ہو بایں معنی گناہ نہیں کہ اس پر مواخذہ نہیں لیکن اپنی ذات میں نقص اور قبیح ہے اور استغفار جیسا رافع ذنب ہے ایسے ہی جابر نقص بھی ہے اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غین کے بعد جو آپ کے مذاق میں کمال سے متنزل تھا استغفار فرماتے تھے اھ۔

۸۲-توکل وتفویض کا فرق

ایک طالب نے توکل وتفویض کا فرق دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ توکل بعض کے لیے مطلق تدبیر ظنی کو ترک کرنا ہے اور بعض کے لیے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کر دے۔ اور تفویض یہ کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے۔

تنبیہ— اس خط میں کئی جگہ تفویض کی وہ تفسیر کی گئی ہے جو رضا کی مشہور ہے سو یہ تفسیر بہ اعتبار حقیقت کے نہیں بلکہ بہ اعتبار اثر کے ہے حقیقت تو تفویض کی توکل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجہ علیا کا اثر یہ رضا ہے۔ بعض اور بزرگوں نے بھی اس کی تفسیر میں اس رضا کا اعتبار کیا ہے۔ **كما فى القشيريه سمعت الاستاذ اباعلى الدقاق يقول التوكل ثلث درجات التوكل ثم التسليم ثم التفويض فالمتوكل ليسكن الى وعده و صاحب التسليم يكتفى بعلمه و صاحب التفويض يرضى بحكمه و سمعته يقول التوكل بداية والتسليم اوسطه والتفويض نهاية۔** اھ جواب لکھتے وقت ذہن میں یہ تفصیل حاضر نہ ہوئی۔ رفع غلط کے لیے اب تنبیہ کر دی گئی۔ اھ

۸۴- مجاہدۂ ثانیہ

ایک طالب نے یہ لکھا کہ معصیتوں کا تقاضا عرصہ تک نفس کے مضمحل رہنے کے بعد اب پھر اسی شدت اور جوش و ہیجان کے ساتھ ہونے لگا جس سے سخت حیران ہوں جواب تحریر فرمایا کہ اکثر اہل طرق کو یہی حالت پیش آتی ہے کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ اس وقت جو نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ مجاہدہ ثانیہ کہلاتا ہے اور اس مجاہدہ کا اثر ان شاء اللہ تعالیٰ راسخ ہوگا اور شاذ و نادر کسی امر طبعی کا خفیف تقاضا یہ منافی رسوخ کا نہیں۔

اس تغیر و تبدل کی مثال حسیات میں ایسی ہے جیسے شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کاذب کہتے ہیں۔ ناواقف خوش ہوتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعتاً وہ نور زائل ہو جاتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم بلکہ ترقی پذیر ہوتا ہے۔

انہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نفس کو روکنے میں سابق جیسی دشواری اور تنگی پیش نہیں آتی اس پر تحریر فرمایا کہ یہی علامت ہے کہ یہ عودالی الطبیعات ضعیف ہے ورنہ مقاومت دشوار ہو جاتی جیسے پہلے تھی۔ اھ۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حیرانی یہ ہے کہ معمولات بجالانے میں نفس مخالفت نہیں کرتا البتہ معاصی کا تقاضا پیدا کرتا ہے نہ جانے یہ کیا مخفی چال ہے اور اس کی احقر کیا تدبیر کرے۔ احقر سابقہ ارشاد فرمودہ معالجات پر

بدستور عمل کرتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ بس یہی تدبیر ہے اسی سے ان شاء اللہ تعالیٰ سب شکایتیں دور ہو جائیں گی اور جب کبھی ایسا ہو یہی علاج ہے۔ فارغ ہونے کا قصد ہی نہ کیا جائے۔ بخار کے موسم میں بعض کو ہمیشہ موسمی بخار ہوتا ہے مگر علاج اس کا یہی ہے کہ بخار کا نسخہ پیا جائے اس کی سعی بیکار ہے کہ بخار ہی نہ آوے۔ اھ

۸۴-ریاضات وتقربات کے فضول ہونے کے وسوسے آنا

ایک تنگدست طالب نے اپنے بہت سے وساوس واہیہ لکھ کر علاج پوچھا جن میں یہ وسوسہ بھی لکھا کہ راحت دنیا کا مدار اعمال صالحہ نہیں ہیں بلکہ آخرت کی راحت بھی فضل پر موقوف ہے پھر اعمال صالحہ مثلاً فکر و تہجد وغیرہ کی مشقت اگر نہ بھی ہو صرف ارکان اسلام پر قائم رہے تو کیا حرج ہے۔ الخ۔ اور یہ بھی لکھا کہ دعا مانگنے کو طبیعت نہیں چاہتی کہ اتنی مدت ہوگئی کوئی قبول بھی ہوئی ہو بس جو اللہ تعالیٰ چاہیں وہی ہوگا لیکن میں بجبر مناجات مقبول کی منزل پڑھ لیتا ہوں اسی طرح ایک ہفتہ سے ذکر میں طبیعت نہیں لگتی محض تعداد پوری کر لیتا ہوں الخ۔ روزگار کا بھی وظیفہ پوچھا تھا۔ ان سب باتوں کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

علاج کلی اور مفید تو یہی ہے کہ ان وساوس کو اعتقاداً بُرا سمجھا جائے اور ان کے مقتضاء پر عمل نہ کیا جائے یہ از خود دفع ہو جائیں گے اور اگر دفع بھی نہ ہوں تو کچھ مضر نہیں بلکہ یہ ایک گونہ مجاہدہ ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے لیکن اگر ان وساوس کی وجہ فساد ہی معلوم کرنے کا شوق ہو تو مجملاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ مقصود اعمال صالحہ سے راحت دنیا نہیں ہے بلکہ راحت آخرت ہے اور اس کا مدار جو فضل و رحمت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اعمال کو دخل نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ملے گا تو عمل ہی سے لیکن جتنا ملے گا اتنا اثر اعمال میں نہیں وہ فضل و رحمت کا اثر ہے لیکن جو عمل ہی نہ کرے گا وہ قانوناً اس فضل و رحمت سے بھی محروم رہے گا باقی طبیعت کا لگنا یہ شرط قبول نہیں ہے اگر دوا پینے میں طبیعت نہ لگے تب بھی اس کی خاصیت یعنی صحت مرتب ہوگی رہی دعا وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر اس کے قبول ہونے کی وہ حقیقت ہے جو مریض کی اس درخواست کی منظوری کی حقیقت ہے کہ کسی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے اور وہ فوراً علاج شروع کر دے مگر مسہل اس کی حالت کے

مناسب نہ تھا اس لیے دوسرے طریق سے علاج شروع کر دیا اس کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ طبیب نے جب مسہل نہیں دیا تو مریض کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔

اسی طرح اصل مطلوب دعا سے حق تعالیٰ کی توجہ خاص ہے اور عبد نے جو طریق معین اختیار کیا ہے یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا محض ایک طریق ہے جیسے اس مقصود کے اور بھی طرق ہیں لہٰذا وہ جس طریق سے توجہ خاص فرمادیں وہ اجابت دعا ہی ہے خواہ وہ عبد کا مجوزہ طریق ہو یا حق تعالیٰ کا مجوزہ طریق ہو یہ تو طاعات و حاجات میں کلام ہے باقی معاصی کا ارتکاب جو موصل الی النار ہو وہ ایسا ہے جیسے مریض کو بدپرہیزی سے لذت ملتی ہے اور اس سے صبر کرنے میں لذت فوت ہوتی ہے لیکن جو شخص جانتا ہے کہ لذت مقصود نہیں صحت مطلوب ہے وہ صبر کرے گا۔ اسی طرح جس شخص کو نجات آخرت مقصود ہے وہ راحت دنیا کو مقصود نہ سمجھے گا۔ رہی سزا گناہ کی کسی کو یہاں ملتی ہے کسی کو وہاں۔ اور تجویز مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ طاعات میں حتی الامکان مشغول ہوں۔ معاصی سے مجتنب رہیں اور مقصود صرف رضائے حق کو سمجھیں خواہ اس کا ظہور یہاں ہو یا وہاں ہو اور ایسی حالت میں روزگار کا وظیفہ پڑھنا وساوس میں اضافہ کرنا ہے۔ اھ

۸۵- کِبر کی حقیقت

ایک صاحب نے جو سلسلہ بیعت میں داخل نہیں یہ لکھا کہ کبر کی مذمت اور اس کا علاج تو جناب کی تحریروں اور مواعظ میں جابجا کثرت سے ملا لیکن کبر کی حقیقت کبھی نظر سے گزرنا یاد نہیں پڑتا۔ نیز یہ بھی لکھا کہ اپنے ماتحتوں پر اگر زیادتی ہو جائے تو ان سے معافی مانگنے میں مصالح فوت ہوتی ہیں۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ ممکن ہے نہ لکھی ہو اگر یہ صحیح ہے تو وجہ ہوسکتی ہے کہ حقیقت اس کی ظاہر ہے کہ اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھنا آگے اس میں دو درجے ہیں ایک بلا اختیار خیال بڑائی کا آنا اور ایک بالاختیار ایسا خیال کرنا پھر اول میں دو درجے ہیں۔ اس خیال کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا پس یہ بھی بالکل مذموم نہیں دوسرے عمل کرنا یہ مذموم و معصیت ہے اسی طرح قصداً بڑا سمجھنا یہ بھی علی الاطلاق مذموم ہے گو اس کے مقتضاء پر عمل بھی نہ ہو۔ آپ نے جس غلطی میں ابتلاء عام لکھا ہے صحیح

ہے مگر اس میں قدرے تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم صریح الفاظ سے معافی مانگیں گے تو یہ گستاخ ہو کر زیادہ نافرمانی کرے گا۔ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شرمندہ ہوگا اور یہ اس وقت تک عذر ہے جب اس سے تعلق رکھنا چاہیں ان صورتوں میں تو صرف اس کا خوش کر دینا امید ہے کہ قائم مقام معافی کے ہو جائے گا اور بعض اوقات اس سے تعلق ہی رکھنا نہیں۔ جیسے ملازم کو موقوف کر دیا یا وہ خود چھوڑ کر جانے لگا اس وقت ضروری ہے کہ زیادتی ہو جانے کی صورت میں اس سے صریح معافی مانگی جائے کیونکہ یہاں دونوں عذر نہیں اس میں اگر رکاوٹ ہو تو میرے نزدیک اس کا سبب ضرور کبر ہے گو اپنے کو بڑا نہ سمجھے گا مگر کبر کے مقتضاء پر عمل تو ہوا غایت سے غایت کبر اعتقادی نہ ہوگا مگر کبر عملی ضروری ہے اور اگر کوئی کبر کی تقسیم کو تسلیم نہ کرے تب بھی ظلم تو ہوا جس سے معافی مانگنا واجب ہے تو معافی نہ مانگنے میں اگر کبر کا گناہ نہ ہوا تو ظلم کا تو ہوا۔ اھ

(۸۶)۔ ایک طالب نے لکھا کہ نماز یا تلاوت میں جب یہ خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو قرآن شریف سنا رہا ہوں تو پھر اس تخیل سے قوت فکریہ انتقال کر کے ادھر متوجہ ہو جاتی ہے کہ حق تعالیٰ خالق حروف زبان پر جاری فرما رہے ہیں پھر اس سے انتقال کر کے قوت فکریہ اس طرف نکل جاتی ہے کہ حق تعالیٰ حاضر ناظر ہیں غرض سکون فکر کے متعدد طریق ہیں اسی تعدد کی وجہ سے سکون نہیں ہوتا بلکہ سکون حاصل کرنے میں تشتت ہو جاتا ہے اھ۔ ان کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جو تشتت تحصیل جمعیت میں ہو وہ اثر میں جمعیت ہی ہے مضر نہیں۔ اھ

۸۷- غیر اللہ سے کون سا تعلق مذموم ہے

ایک طالب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر فراموش کر دے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئیں۔ یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر ناممکن ہو جائے اھ۔ اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اس سے اپنے کو کورا پاتا ہوں۔ الحمد للہ جذر قلب میں تو ماسوا کا گزر

نہیں مگر حوالی قلب میں غیر کا خطور بھی ہے اور یاد بھی ہے اھ۔

اس کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔ اکثر اہل مقام پر بھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا ہے میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر معنون وہی ہے جو نصوص سے مستفاد ہوتا ہے میں اس کو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام کی قریب تفسیر ہے اور مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے وہ یہ ہے کہ گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں کیونکہ تعلق مغلوب مذموم نہیں بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ محل تعلق کے بُعد یا فوت سے قلب پر ایسا اثر ہو کہ قلب کو ایسا بے چین کر دے کہ اسی کے تصور و حسرت میں اشتغال ہو جائے اور اسی اشتغال سے طاعات میں قلت و ضعف آ جائے اور اگر یہ نوبت نہ پہنچے تو محض حزن کا اثر مانع نہیں ہے کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور کیا ان کی حالت کو کوئی مانع عن الحق کہہ سکتا ہے۔ اھ

انہی صاحب نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ عرصہ سے اس کی طلب ہے کہ ذکر حق قلب میں ایسا پیوستہ ہو کہ بھولنے کی کوشش بھی کروں تو بھول نہ سکوں اور غیر کا خطور قلب میں ناممکن ہو جائے۔ الخ......اس کا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ یہ تو مجھ کو بھی نصیب نہیں نہ جی چاہتا ہے کیونکہ اس صورت میں مختار نہ رہوں گا مضطر ہو جاؤں گا اھ۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ بالا عریضہ لکھا جس کا جواب اوپر نقل کیا گیا۔

۸۸۔حُبِّ جاہ کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حب جاہ ہے جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کیا کریں تعریف سے ایک فرحت اور خوشی ہوتی ہے اگر کوئی مذمت کرے یا تعریف سے خاموش رہے تو یہ نفس پر نہایت ناگوار گزرتا ہے۔ الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ ہر علاج میں مجاہدہ کی ضرورت ہے یعنی داعیہ نفس کے ذم کا استحضار اور اس داعیہ کی عملی مخالفت۔ اس مرض کا علاج بھی مرکب ہے انہی دو جزو سے۔ اول اس رذیلہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں ان کا ذہن میں حاضر کرنا بلکہ زبان سے بھی۔ ان کا تکرار کرنا۔ بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا کہ تجھ کو

ایسا عتاب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہوجائے تو کتنا ذلیل وحقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کہ لوگ نفرت وتحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم و مداح کی رکھی جائے اور عملی جزو یہ ہے کہ مداح کو زبان سے منع کر دیا جائے اور اس میں ذرا اہتمام سے کام لیا جائے۔ سرسری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کیے جاتے ہیں ان کی تعظیم کی جائے گو نفس کو گراں ہو اس پر عمل کر کے ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دی جائے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب علم نے لکھا کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے اندر ترفع کے آثار پاتا ہوں جواب تحریر فرمایا کہ انسان صرف مکلّف اس کا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہوجاویں اس کا نہ انسان مکلّف ہے نہ یہ بسہولت میسر ہوسکتا ہے۔ (ع) ''بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے'' اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لیے اس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلّف ہیں آپ اس پر اکتفا کیجیے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں اور اس اعتقاد کے لیے اپنے معائب کا استحضار معین ہوگا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آئے ان کی خوب تکریم کیجیے اور تکلف سے ان سے سلام کیجیے گو نفس کو ناگوار ہو ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے اس میں اخلال موجب مواخذہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے خود منشاء فساد بھی ضعیف ہوجائے گا۔ واللہ الموفق۔

۸۹- رضاء بالقضاء کا حصول

ایک طالب نے لکھا کہ رضا بالقضاء کے حصول کے لیے کوئی علاج تحریر فرمایا جائے اور اس کا معیار اور مقدار بھی کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کا مکلّف ہے جواب تحریر فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جس کا عبد مکلّف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلّف ہے تدبیر اس کی تحصیل کی استحضار رحمت وحکمت الٰہیہ کا واقعات خلاف طبع میں۔ اھ

۹۰- کبر کے متعلق ایک شبہ کا ازالہ

ایک طالب نے لکھا کہ جو باتیں اپنے اندر خلاف شرع ہیں ان کو بھی برا اور قابل ترک سمجھتا ہوں لیکن اپنے نفس سے اتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جتنی اور لوگوں سے ان کی خلاف شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ کبر ہوتا ہے اھ۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ نفرت میں تفاوت ہونا کبر نہیں نفرت اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور عبد اسی کا مامور ہے اور یہ تفاوت نفرت طبعی میں ہے جیسے انسان کو اپنے پاخانہ سے نفرت کم ہوتی ہے اور دوسرے کے پاخانہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور راز اس تفاوت کا تفاوت فی المحبت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچہ کے پاخانہ سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی غیر محبوب کے پاخانہ سے سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہیں اھ۔

۹۱- نسبت کی حقیقت

ایک طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی اطاعت دائمہ وذکر غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے اور صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرت و نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیاداروں کی کم مگر یہ پہچان خصوص اس کا جز و اول عوام محجوبین کو کم ہوتی ہے اہل طریق کو زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس استفسار کا جواب کہ فاسق اور کافر بھی صاحب نسبت ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ تحریر فرمایا کہ جب نسبت کے معنی معلوم ہوگئے تو ظاہر ہوگیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتے۔ بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدہ کا سمجھتے ہیں۔ یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔

۹۲-صدق واخلاص کی حقیقت

ایک ذی علم طالب نے صدق واخلاص کے حقائق شرعیہ اوران کے حصول کے لیے علاج اور معین دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ جس طاعت کا ارادہ ہواس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے اوراس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے اور یہ موقوف ہے مابہ الکمال کے جاننے پراسی طرح غیر طاعت کے جاننے پراس کے بعد صرف نیت اور عمل جزو اخیر رہ جاتا ہے یہ دونوں اختیاری ہیں۔ طریق تحصیل تو اسی سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ وعید کا اور مراقبہ نیت کا۔

مثال صدق کی نماز کو اسی طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ وباطنہ کے ادا کرنا علیٰ ہذا اتمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے مثال اخلاص کی نماز میں ریاء کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے رضاء غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے اوراس کے متعلقات ظاہر ہیں۔

۹۳-حسد کا علاج

ایک طالب کی درخواست پر حسد کا یہ علاج ارقام فرمایا کہ جس پر حسد ہوتا ہے اسکی مدح مجمع میں کرنا وہ سامنے آجائے تو اس کی تعظیم کرنا اوراس کے لیے گاہ گاہ ہدیہ بھیجنا اس سے محسود کو محبت ہو جاتی ہے پھر حاسد کو محسود کی محبت ہو جاتی ہے اور محبوب پر حسد نہیں ہوتا۔ یہ ایک کلی علاج ہے جو جزئی معالجات سے سہل الوصول اور سریع الحصول ہے اور حرص کا مستقل علاج بعد میں پوچھ لیا جائے۔

۹۴-زُہد کی حقیقت کا حصول

ایک طالب نے زہد کی ماہیت اوراس کا طریق تحصیل وتسہیل دریافت کیا تھا تحریر فرمایا کہ قلت رغبت فی الدنیا اس کی ماہیت ہے طریق تحصیل مراقبہ اس کے فانی ہونے کا اور امور غیر ضروری کی تحصیل میں انہماک نہ کرنا اور طریق تسہیل صحبت زاہدین کی اور مطالعہ حالات زاہدین کا۔

۹۵-کون سی رغبت ونفرت مقصود ہے

ایک طالب نے شکایت لکھی کہ نہ طاعات کی طرف طبعی رغبت ہے نہ معاصی سے طبعی نفرت تحریر فرمایا کہ رغبت ونفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے۔ رغبت ونفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے اس کے مقتضاء پر بار بار عمل کرنے سے اکثر طبعی رغبت و نفرت بھی ہو جاتی ہے اگر نہ ہو تو بھی مضر نہیں۔

۹۶-طلب مقصود ہے وصول نہیں

ایک طالب نے اپنے حالات لکھ کر نہایت حسرت سے لکھا کہ حضور کب تک راستہ میں پڑا رہوں مجھے بھی پہنچایئے جواب تحریر فرمایا کہ الحمدللہ تمکین کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے۔ اس مکتوب کے مضامین سے بہت مسرت ہوئی ان شاءاللہ یوماً فیوماً مقصود سے قرب ہوتا جائے گا۔

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست   سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

(مایوسی کی طرف نہ جا کیونکہ بڑی امیدیں ہیں، اندھیرے کی طرف نہ جا کیونکہ کئی سورج موجود ہیں)

باقی اہل طریق کے یہاں مقرر ہے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں شرح اسکی یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا نہ رکھے کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس تقاضے سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت وتفویض ہے اور جمعیت وتفویض ہی شرط وصول ہے اس کو خوب راسخ کرلیا جائے کہ روح سلوک ہے۔ **وھو من خصائص المواھب الامدادیہ فلما تنبہ لہ شیخ من مشائخ الوقت**۔اھ

۹۷-طالب کے احوال کا منشاء

ایک طالب نے لکھا کہ منگل کی رات کے دوران ذکر دوازدہ تسبیح میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری مسجد روشن ہوگئی آنکھ کھول کر جو دیکھا تب بھی روشن معلوم ہوئی۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایسے حالات اس مصلحت کے لیے بھی پیش آ جاتے ہیں کہ سالک کو نشاط ہو اور طریق میں مشغولی سہل ہو۔اھ

۹۸-خوف ورجا میں کمی بیشی

ایک طالب نے اپنے حالات لکھے جن میں یہ بھی تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ سے خوف کم اور امید قوی تھی اور اب اس کا عکس اور حضور والا سے پہلے خوف زیادہ تھا اور اب اس کا عکس ہے یہ تغیر وتبدل کیوں ہوا۔اس میں تردد ہے تشفی فرمائیں۔اھ۔

اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔

دونوں کا جب ترقی وزیارت معرفت ہے مگر حق تعالیٰ کے کمالات غیر محدود وغیر متناہی ہیں لہٰذا اُنس وہیبت میں تعاقب ہوتا رہتا ہے گاہے ایک ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے اُنس ہوتا ہے اس کے بعد ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے ہیبت ہوتی ہے پھر ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے اُنس ہوتا ہے مگر پہلی تجلی اُنسی سے تفاوت ہوتا ہے اور مخلوق کے کمالات محدود متناہی میں معرفت ہوتے ہوتے ان کا احاطہ ہو جاتا ہے اور احاطہ کا خاصہ ہے اعتیاد اور اعتیاد کا خاصہ ہے ہیبت کی کمی۔اھ

۹۹-ذکر لسانی اور ذکر قلبی

ایک طالب نے لکھا کہ ذکر لسانی پہلے سے کم اور قلبی پہلے سے بہت زیادہ ہوتا جارہا ہے۔ذکر قلبی اکثر اوقات بہ آسانی جاری رہتا ہے مشغولی کار کے ساتھ بھی جاری رہتا ہے لیکن اکثر دماغی مصروفیت کے وقت بند ہو جاتا ہے۔کوشش کرتا ہوں کہ ایسے وقت بھی بے تکلف جاری رہ سکے۔جواب تحریر فرمایا کہ نہیں رہ سکتا۔کیونکہ ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہوتی۔لیکن اس جاری نہ رہنے سے کچھ ضرر نہیں باقی ذکر قلبی سوا گر اس وقت ذکر لسانی دشوار ہو تو اس پر اکتفا کا مضائقہ نہیں ورنہ محض قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اس کے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اس سے کچھ کمی ہی ہو جائے۔اھ

۱۰۰-مکتوب مُفَرِّحُ القلوب

ایک صاحب اجازت نے ایک طویل عریضہ لکھا جو اپنی نااہلی اور حالت زار کے حسرتناک حالات سے پُر تھا جن کا حاصل یہ تھا کہ عمر قریب ختم پہنچی لیکن دین کے کسی ایک

شعبہ کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صحیح ہے کس کس حالت کی اصلاح کروں۔ بالخصوص جو شعبہ مشکل اور زیادہ قابلِ اہتمام ہے یعنی تکمیل اخلاق اس کا تو نام ہی لینا فضول ہے۔ اخلاق کا تو علم بھی پورا نہیں تا بہ عمل چہ رسد۔

بعض وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ نہ جانے دل میں ایمان بھی ہے یا نہیں اور نہ معلوم حق تعالیٰ کا ارادہ میرے ساتھ کیا ہے۔ اگر خدانخواستہ خدانخواستہ کچھ اور ارادہ ہوا تو کیا ہوگا۔ بعض وقت تو یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ اور ارادہ نہ ہوتا تو اعمال حسنہ اور اصلاح کی توفیق کیوں نہ ہوتی کم سے کم کوئی ایک شعبہ تو دین کا درست ہوتا۔ راتوں کو میری نیند اڑ جاتی ہے جس وقت یہ خیال آتا ہے کہ آخر اس کا انجام کیا ہونا ہے اس وقت سوائے اس کے کہ اس دعا پر اکتفا کرتا ہوں اور کچھ نہیں بن پڑتا۔

اللّٰهم لاتفعل بنا مانحن له اهل و افعل بنا ما انت له اهل۔الخ

غرض خط کیا تھا ایک بہت طویل اور دردناک داستان غم و حسرت تھی جس کو مکتوب مقرح القلوب کہنا چاہیے (مقرح بالقاف) اور آخر میں درخواست تھی کہ للہ کوئی ایسی بات ارشاد فرمادیں جو اطمینان بخش ہو۔ حضرت والا نے حسب ذیل جواب ارقام فرمایا جس کو مکتوب مفرح القلوب کہنا زیبا ہے۔ (مفرح بالفاء)

پورا کامل بجز انبیاء کے کوئی نہیں اور وہ کاملین بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے سب کو اپنے نقص نظر آتے ہیں خواہ وہ نقص حقیقی ہوں یا اضافی اور نقص نظر آنے سے مغموم بھی ہیں اور مغموم بھی ایسے کہ اگر ہم جیسوں پر وہ غم پڑ جائے تو کسی طرح جانبر نہیں ہوسکتے۔

کمال کی تو توقع ہی چھوڑنا واجب ہے۔ ہاں سعی کمال کی توقع بلکہ عزم واجب ہے اور اس کا یہی رنگ ہوگا جو آپ مشاہدہ کر رہے ہیں اس کی مثال وہ مریض ہے جس کی تندرستی سے تو مایوسی ہے مگر فکر صحت اور اس کی تدبیر کا ترک جائز نہیں سمجھا جاتا۔ اور نجات بلکہ قرب بھی کمال پر موقوف نہیں فکر تکمیل پر موعود ہے۔ **واللہ لا یخلف المیعاد۔** بس اسی طرح سے عمر ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے۔

وھذا ھو معنی ماقال الرومیؒ.

اندریں رہ می تراش وی خراش تادم آخر دے فارغ مباش

(اس راہ میں کھود کرید کرتا رہ اور آخر دم تک ایک لحہ بھی فارغ نہ رہ)

تادم آخر دے آخر بُود کہ عنایت باتوصاحب سربُود

(تا کہ آخری لحہ میں آخری آخری کوشش ہو اور نسبت والے کی عنایت تجھ پر قائم رہے)

سب سے اخیر میں خواہ اس کو اظہار حال کہیے یا آپؒ کی ہمدردی یا رفع التباس جو چاہے نام رکھئے یہ کہتا ہوں کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں اگر اس کو مبارک سمجھتا ہوں جس کا یہ اثر ہے کہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ خوف کو غالب کہوں یا رجاء کو مگر مضطر ہو کر اس دعا کی پناہ لیتا ہوں جس سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔

اللّٰھم کن لی واجعلنی لک السلام فقط۔

بعضے ارشادات وافاضات حکمت آیات حضرت حکیم الامت دامت فیوضھم العالیہ

الحمد للہ! ''مقالات حکیم الامت'' کی جلد نمبر 97 مکمل ہوئی۔

تم بحمد اللہ